

مکرم اذکار

علی اکبر قادری الازہری



فکر انگیز انقلابی تحریروں کا مجموعہ

حکم اذال

علی کبرقادی اللہی

منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۳۶۵۔ ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 3-92-42-5169111

۱۱۱۲۱۴

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

حکم ازاں	نام
علی اکبر قادری الازہری	مصنف
نور آصف خان	کمپوزنگ
ایچ شمس الرحمن آسی	پروف ریڈنگ
شاہد صدیق	ٹائٹل ڈیزائننگ
شوکت علی قادری	معاون طباعت
دسمبر 2000ء	اشاعت اول
1100	تعداد
روپے	ہدیہ
نواز پرنٹرز لاہور	مطبع

ملنے کے بتے:

- ☆ سیل سنٹر مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور
- ☆ دفتر ماہنامہ منہاج القرآن ۳۶۵۔ ایم ماڈل ٹاؤن لاہور
- ☆ مکتبہ نوریہ رضویہ داتا گنج بخش روڈ اردو بازار لاہور
- ☆ مدینہ پبلی کیشنز ۴۴ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ ۳۸ اردو بازار لاہور



یہ دور اپنے برائے حکم کی تلاوت میں ہے

عنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذال لا الہ الا اللہ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مہینہ	مضامین	نمبر شمار
10		حرفِ تشکر.....مؤلف	☆
13		حرفِ تحسین..... پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	☆
15		حرفے چند..... صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی	☆

جون 91ء تا دسمبر 94ء

19	جون 91ء	صاحبانِ اقتدار کے ضمیر پر دستک	1
21	جولائی 91ء	کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے	2
23	اگست 91ء	اس دور میں جینا لازم ہے.....	3
25	ستمبر 91ء	نور و نکہت میں لپٹی ہوئی صبح سعادت کے نام	4
28	اکتوبر 91ء	شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات	5
30	نومبر 91ء	یہودیت بمقابلہ اسلام، نازک موڑ	6
34	دسمبر 91ء	تحریک آزادی کشمیر کا فیصلہ کن موڑ	7
36	خصوصی شمارہ 92ء	مصطفوی انقلاب کارواں دواں قافلہ	8
40	نومبر 94ء	پاکستانی سیاست کے لیے	9
44	دسمبر 94ء	قرارداد کشمیر.....	10

1995ء

50	جنوری	لخت لخت امت، قدم قدم جماعتیں	11
54	فروری	عزیمت کا مسافر، عظمت کا پاسبان	12
58	مارچ	یومِ فردادِ پاکستان.....	13
62	اپریل	کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے	14
66	مئی	عید قربان کا پیغام... امت مسلمہ کے نام	15
70	جون	بیت المقدس سے چراشریف تک۔	16
74	جولائی	پاکستانی قوم تاریخ کے دورا ہے پر	17
78	اگست	میلاد النبی ﷺ کا پیغام.....	18
84	ستمبر	بنیادی انسانی حقوق اور بیجنگ کانفرنس...	19
87	اکتوبر	کیا کبھی آپ نے سوچا؟	20
91	نومبر	اقوام متحدہ کی پچاسویں سالگرہ	21
93	دسمبر	علماء و مشائخ کی ذمہ داریاں	22

1996ء

99	جنوری	لمحات کی مقروض انسانی زندگی	23
101	فروری	شبِ برأت سے شبِ بسنت تک.....	24
106	مارچ	سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات	25
108	اپریل	عالمی فاختاؤں سے ایک سوال	26
112	مئی	تحریک آزادی کشمیر کا ایک اور نازک موڑ	27
115	جون	خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا	28

119	جولائی	میلاد النبی ﷺ جشن اور احتساب کا دن	29
122	اگست	مادیت و نفسانیت کی وادیوں میں قافلہ عشق	30
125	اگست	اہل وطن کو انچاسویں سالگرہ مبارک	31
126	ستمبر	کشمیر یو این او کے ایجنڈے سے سرینگر	32
128	اکتوبر	لمحوں کی خطا..... صدیوں کی سزا	33
132	نومبر	طالبان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پیغام یا....؟	34
135	دسمبر	سیاہی شعبہ بازوں سے نجات کا آخری چانس	35

1997ء

141	جنوری	قومی المیوں کی تاریخ میں ایک اور اضافہ	36
144	فروری	خارازمین سے گلزاروں کی امید	37
147	مارچ	پاکستان کا جواز ابھی تک متنازعہ کیوں؟	38
150	اپریل	بے بس عالم اسلام کے غیر موثر اجتماعات	39
155	جون	طالبان تحریک کی قابل ستائش پیش قدمی	40
158	جولائی	حضور ﷺ کا جشن ولادت کیوں اور کیسے منائیں؟	41
161	اگست	نا کام حسرتوں کی گولڈن جوبلی	42
165	ستمبر	تحریک پاکستان ابھی جاری ہے	43
169	اکتوبر	پاکستان میں مذہبی دہشت گردی کیوں؟	44
176	مئی	ماہنامہ منہاج القرآن کے دس سال	45
180	نومبر	قومی ادارے ہوس اقتدار کی زد میں	46
184	دسمبر	روح اُمم کی ممت کشمکش اقتدار	47

1998ء

191	جنوری	عالمی بساط پر گزشتہ سال کے اثرات.....	48
194	فروری	پاکستان کے مستقبل پر مذہبی دہشت گردی...	49
197	مارچ	خلیج میں امریکہ کی مایوسی اور عالم اسلام..	50
200	مارچ	ہمارا قومی تشخص.. بسنتی ثقافت کی زد میں	51
202	اپریل	ہم نئے عزم سے بنیاد سحر رکھتے ہیں	52
206	مئی	غوری... دو قومی نظریے کا سائنسی احیاء	53
210	جون	عالم اسلام کو نیا ایٹمی پاکستان مبارک	54
215	جولائی	یوم میلاد..... یوم انقلاب	55
218	اگست	نازک موڑ پر ہوش کے تقاضے	56
221	ستمبر	امریکی دہشت گردی اور عالم اسلام	57
224	اکتوبر	اور اب اسلام بھی ہوس اقتدار کی بھینٹ....	58
227	نومبر	کراچی کی سڑکوں پر پاکستان کا چھلنی لاشہ	59
231	دسمبر	شریعت بل اور سی ٹی بی ٹی پر قومی اتفاق..	60
236	جنوری	گولڈن جوبلی سال کی تلخ تاریخی یادیں	61
242	مئی	مکنہ جارحیت اور قومی سلامتی کے تقاضے	62

1999ء

249	جنوری	ملت کی غیرت ملی پر ایک اور حملہ....	63
255	فروری	خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا	64
259	مارچ	پاکستان عوامی اتحاد کی صدارت سے علیحدگی	65

261	مارچ	واجپائی کی پاکستان یا ترا اور کشمیر	66
266	اپریل	قومی سیاست میں ہمارا نصب العین	67
272	مئی	اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو	68
276	جون	ارض وطن کے شب زندہ دار مجافطوں کے نام	69
280	جون	مہربہ لب عالم اسلام کے نام کو سوو کا نوحہ	70
281	جولائی	معرکہ گارگل کے دو متضاد کردار	71
284	اگست	اے دین و وطن کے غدارو! ہم تم سے	72
289	ستمبر	ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے	73
292	ستمبر	مشرقی تیمور کی آزادی عالمی ضمیر پر دستک	74
294	ستمبر	کشمیر کی کنٹرول لائن اور	75
296	اکتوبر	قومی خود مختاری میں امریکی مداخلت	76
299	اکتوبر	مسئلہ کشمیر پر عالمی ضمیر کی پہلی انگریزی	77
302	نومبر	پاک فوج زندہ باد..... لیکن اصل امتحان	78
305	نومبر	چیچنیا کی تباہی کا ذمہ دار ایک سخت گیر....	79

2000ء

311	جنوری	ہر عہد ہر صدی میں نمایاں مرے حضور	80
315	فروری مارچ	اک ولولہ تازہ دیا جس نے دلوں کو	81
318	اپریل	خطے میں نئی امریکی حکمت عملی	82
323	مئی	آبی ذخائر میں کمی اور مادی ترقی	83
327	جون	قریہ عشق مصطفیٰ ﷺ میں تلخیوں کا موسم	84
331	جولائی	رواں صدی کی پہلی بڑی سائنسی کامیابی	85

333	جولائی	جماعت اسلامی کے معمولات میں تبدیلی	86
335	جولائی	فوج کا وقار بڑھتی ہوئی مہنگائی کی زد میں	87
336	اگست	مجاہدین کشمیر۔ ایک بار پھر.....	88
339	اگست	انتہا پسند تنظیموں کی ”جہادی سرگرمیاں“	89
341	ستمبر	نیرنگی سیاستِ دوراں تو دیکھئے	90
343	ستمبر	کالاباغ ڈیم پر قومی اتفاق رائے کی ضرورت	91
345	اکتوبر	فوجی حکومت کا ایک سال	92
349	نومبر	شام غم خبر دیتی ہے صبح عید کی	93
353	دسمبر	سال گذشتہ پر ایک نظر	94
356	دسمبر	سیاسی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ	95

کتاب کی موضوعاتی فہرست آخر میں ملاحظہ فرمائیں

علمی فکری دینی موضوعات پر مصنف کی چند اہم

تحریک منہاج القرآن کی فکری و نظریاتی اساس	☆
جشن میلاد النبی ﷺ دلائل شرعیہ کی روشنی میں (امام محمد بن علوی مالکی کی کتاب کا ترجمہ)	☆
سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء کے نقوشِ سیرت	☆
اسلامی معاشرے میں خواتین کے مسائل اور ان کا حل (زیر طبع)	☆
اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے (زیر طبع)	☆
تصورِ موت، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	☆
تلاشِ نقشِ پا روداد سفر حجاز	☆
متاع کارواں (زیر طبع)	☆

حرفِ تشکر

بھلا ہو اس جنبشِ تقدیر کا، جو مجھے کشمیر کے کہساروں سے اٹھا کر، علم و فکر، تحقیق و جستجو اور حضور و اضطراب کی وادیوں میں کھینچ لائی۔ ورنہ ”کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ“۔ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے فکر و شعور کی آنکھ اپنے عہد کی دانش کے حلقہٴ تربیت میں کھولنے کی سعادت بخشی۔ میرے ناتواں ہاتھوں نے جب قلم تھاما تو میرے ارد گرد کے ماحول پر اسی دانش برہانی کے احوال و آثار کا رنگ غالب تھا۔ اس لیے میرے تصرف میں آنے والے الفاظ و کلمات کا دھارا بھی انہی موضوعات کی سمت بہتا رہا جو ان کی فکری جولان گاہ تھے۔ مجھے نہ تو کسی صنفِ ادب کی نمائندگی کا دعویٰ ہے اور نہ ہی ناصح بننے کا شوق۔ جہاں تک تحریر کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ صرف اس قدر شغف ہے کہ اپنی بات کہنے کیلئے مناسب لفظوں اور جملوں کے استعمال کا فن ابھی سیکھ رہا ہوں۔

صحافتی ادب میں ”کالم نگاری“ کی طرح ”اداریہ نویسی“ کو بھی خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ کسی کتاب کے پیش لفظ، مقدمے یا دیباچے کی طرح اخبار یا رسالے کے ادارے اس کے مضامین کا خلاصہ تو نہیں ہوتے لیکن اس کے مجموعی مزاج اور پالیسی کے آئینہ دار ضرور ہوتے ہیں۔

میں نے بھی ہمیشہ کوشش کی کہ ماہنامہ منہاج القرآن کے ادارے میں تحریکِ منہاج القرآن کی دعوتی، تنظیمی اور انقلابی فکر کو حسب ضرورت اور حسب موقع قارئین کے گوش گزار کیا جائے۔ یہ محض اللہ کا فضل و احسان، آقائے نامدار حضور نبی اکرم ﷺ کی نظرِ التفات اور اساتذہ کی دعائیں ہیں کہ معزز قارئین نے ہمیشہ میری تحریروں کی حوصلہ افزائی کی۔ لکھ کر بھی بھیجتے ہیں اور زبانی بھی اس کا اظہار کرتے ہیں۔ میرے بہت سے کرم فرما ایسے ہیں جو بعض ادارے پڑھ کر خاص طور پر مجھے مرکز میں ملنے تشریف لائے۔ میں جہاں بھی گیا احباب نے اس حوالے سے بہت

خوبصورت جذبات کا اظہار کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میں 91ء میں قائدِ محترم کے ساتھ جھنگ سے براستہ لالیاں سرگودھا کے دورے پر ساتھ رہا، تین دن میں مختلف مقامات پر جتنے اجتماع ہوئے ان کا سپانامہ دس سالہ کارکردگی نمبر کا میرا تحریر کردہ ادارہ تھا۔ بہت سے شہروں میں بعض ادارے خصوصی اخباری ایڈیشنوں میں چھپتے رہتے ہیں اور کئی جگہوں پر الگ سے چھپوا کر بھی تقسیم ہوئے ہیں۔ جملہ قارئین کی طرف سے بالعموم اور تحریکی احباب کی طرف سے بالخصوص کئی بار اس خواہش کا اظہار ہوا کہ یہ ادارتی تحریریں کتابی صورت میں جمع ہونی چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس مجموعے کو کتابی صورت میں پیش کرنے کا حوصلہ ہوا۔

میں خود تو شاید ابھی بھی وعدہ پورا نہ کر سکتا اگر میرے ساتھ محترم حافظ شمس الرحمن آسی (نائب مدیر) عملی تعاون نہ کرتے۔ انہوں نے اس کی تیاری کے جملہ مرحلوں میں غیر معمولی دلچسپی اور جانفشانی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح محترم توقیر الحسن گیلانی نے بھی بہت سے مواد کی پروف ریڈنگ میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان ساتھیوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں اپنے محسن و مشفق عظیم قائد مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا مشکور ہوں جنہوں نے ہمیشہ کی طرح ”حکمِ ازاں“ کیلئے مجھے حرفِ تحسین سے نوازا۔ اسی طرح برادر بزرگوار لسان العصر معروف کالم نگار حضرت صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی محبت اور علم دوستی کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے آپریشن کے باوجود بسترِ علالت پر بیٹھ کر ”حکمِ ازاں“ کے کچھ عنوانات کو دیکھا اور اپنے قیمتی خیالات کو قلمبند فرمایا۔ میں ان قارئین کا بھی احسان مند ہوں جن کی حوصلہ افزائی اس مجموعے کی تیاری کا سبب بنی۔

آخر میں ”حکمِ ازاں“ میں شامل اداروں سے متعلق گزارش ہے کہ انہیں میں نے بغیر کسی تبدیلی کے من و عن ماہ و سال کی ترتیب سے جمع کر دیا ہے تاکہ واقعات کا تناظر اور حالات کی مناسبت کا عنصر قائم رہے۔ یوں یہ ایک تاریخی دستاویز بھی بن گئی ہے جس سے آئندہ مورخ بھی استفادہ کر سکے گا۔

یہ مجموعہ کسی حد تک علمی، فکری، معلوماتی اور انقلابی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا ہے۔ بیشتر ادارے مستقل نوعیت کے موضوعات ہیں۔ وہ طلباء و طالبات یا تحریکی کارکنان جنہیں تحریر و تقریر کے لئے مواد درکار ہوتا ہے وہ اس مجموعے سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر عنوانات کی ایک الگ فہرست بھی کتاب کے آخر میں لگادی گئی ہے تاکہ دلچسپی رکھنے والے احباب کو اپنی ضرورت اور پسند کے موضوعات پر مواد کی دستیابی آسانی ہو سکے۔ اس مجموعے میں میری کچھ تحریریں ایسی بھی ہیں جو قومی اخبارات بالخصوص روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحہ کی زینت بنتی رہیں۔

اس میں پائی جانے والی علمی، فکری، لغوی اور املاء کی غلطیوں پر مجھے کوئی صفائی دینے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں کہ انسانی کاوش میں نقص اور عیب اس کے بشری تقاضوں کا حصہ ہے تاہم کوتاہی کی نشاندہی کرنے والے احباب میرے لئے قابل ستائش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح بات کہنے، لکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

علی اکبر قادری

۱۴ دسمبر ۲۰۰۰ء

حرفِ تَسْوِیْنِ

(مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

اسلامی ضابطہ حیات اور تعلیمات کو ذہنِ جدید میں راسخ کرنے اور نئی نسل کو اسلام کے شاندار ثقافتی ورثے اور تاریخ سے آگاہی کیلئے تحریکِ منہاج القرآن نے پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ماہنامہ منہاج القرآن بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ ماہنامہ 1987ء سے دنیائے صحافت میں گرانقدر خدمات سرانجام دے رہا ہے اور اتحاد امت کیلئے پوری دنیا میں علمی، فکری اور تحقیقی بنیادوں پر ایک ایسی فضا تیار کر رہا ہے جو فرقہ واریت کے زہر سے کلیتاً پاک ہے۔ یہ تحریک عالمگیر سطح پر دینِ حق کی سر بلندی کیلئے سرگرم عمل ہے اور دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کرنے کا عزمِ صمیم رکھتی ہے۔

الحمد للہ! ماہنامہ منہاج القرآن نے ملک کے کونے کونے سے لیکر اطراف و اکنافِ عالم تک تحریک کا یہ پیغام نہایت خوش اسلوبی سے پہنچایا ہے۔ قرطاس و قلم کو ذہنی آلودگیوں اور فکری پراگندگیوں سے بچاتے ہوئے اس شمارے نے پوری دنیا میں مشن اور تحریک کی معتدل انقلابی فکر اور بیداری شعور کو فروغ دینے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ پانچوں براعظموں میں پھیلے ہوئے تحریک کے عظیم الشان نیٹ ورک کے استحکام اور دنیا بھر میں تحریک کے لاکھوں کارکنوں کے درمیان رابطے کیلئے مجلہ ٹھوس بنیادوں پر کامیابی سے رواں دواں ہے۔

علی اکبر قادری جنہیں ہماری یونیورسٹی کے سب سے پہلے طالب علم اور فرید الدین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے پہلے ریسرچ سکالر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے گذشتہ دس سال سے اسکی ادارتی اور انتظامی ذمہ داریوں پر فائز ہیں انہوں نے پورے استقلال اور عزم سے اپنے ادارتی کالموں اور دیگر تحریروں کے ذریعے فکری اور نظری حوالوں کو مضبوط و مستحکم بنانے کا منصب سنبھال

رکھا ہے۔ فکری واضحیت، تحریکی جذبوں اور ابلاغ کی چاشنی کی بدولت قارئین ان کے اداریوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ ”حکم ازاں“ ان کے انہی فکر انگیز انقلابی اداریوں کا مجموعہ ہے جسے یقیناً تحریکی اور صحافتی حلقوں میں زبردست پذیرائی حاصل ہوگی۔ انہوں نے شہر سیاست کے منافق چہروں کو بے نقاب بھی کیا ہے اور قوم کے شعور و آگہی کیلئے لائحہ عمل بھی تجویز کیا ہے۔ امت مسلمہ کو درپیش مسائل کی نشاندہی بھی کی ہے اور ان مسائل کے حل کا واضح نصب العین بھی متعین کیا ہے۔ اس طرح ”حکم ازاں“ اپنی ندرت، اسلوبِ یہاں اور دلکشی کے باعث ہمارے صحافتی اور تحریکی ادب میں ایک گراند قدر اضافہ ہوگا، اس کی اشاعت پر میں عزیزم علی اکبر قادری الازہری کو حرفِ تحسین کے ساتھ ساتھ مبارکباد پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکے جواں جذبوں کو قائم رکھے اور قارئین کو مصطفوی انقلاب کی تیاری کے جملہ تقاضے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

(پروفیسر ڈاکٹر) محمد طاہر القادری

حرفے چند

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

اداریہ..... کسی بھی اخبار اور جریدے کا باقاعدہ اور ”سرکاری“ موقف ہوتا ہے، اخبارات و جرائد میں بیسیویں قسم کی چیزیں چھپتی ہیں۔ خبروں، تجزیوں اور کالموں کی شکل میں بظاہر ایک دوسرے سے مختلف بلکہ کسی حد تک متضاد مواد قاری کو پڑھنے کو ملتا ہے اس لئے کہ کسی بھی اخبار اور جریدے کے قارئین کسی ایک سوچ مزاج اور موقف کے حامل نہیں ہوتے۔ ہر ایک کا اپنا زاویہ نگاہ اور ذوق ہوتا ہے۔ بعض اخبارات و رسائل سیاسی ہوتے ہیں اور بعض علمی، ادبی اور مذہبی ہر ایک میں مختلف نقطہ نظر چھپتا ہے اور چھپنا چاہئے کیونکہ اسی سے ان کی ساکھ بنتی، حلقہ قارئین میں وسعت پیدا ہوتی اور عوام کو رہنمائی ملتی ہے۔ ایک رنگ اور ایک فکر کے حامل اخبار اور جریدے لوگوں میں پذیرائی اور وقعت حاصل نہیں کر پاتے اور وہ محض ایک پارٹی، ادارے اور مسلک کے ترجمان بن جاتے ہیں۔ ان کا حلقہ اثر مخصوص اور ان کی آواز محدود ہوتی ہے۔ تاہم اداریہ بہر حال ایک واضح نقطہ نظر اور پالیسی کا عکاس ہوتا ہے اور اس سے کسی بھی اخبار اور جریدے کے نصب العین اور زاویہ نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ ہر ادارے کا مسلمہ حق ہے کہ وہ اپنی رائے اپنے الفاظ میں محکم اور واضح طریقے سے پیش کرے۔ ہاں البتہ اس ادارے میں جان اس وقت پڑتی ہے جب الفاظ کے دروبست اور انتخاب کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اس میں دلائل کی قوت اور اسلوب کی چاشنی موجود ہو ورنہ اداریہ ایک طرح سے پراپیگنڈہ بن جاتا ہے جو بڑی حد تک اثر آفرینی سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس وقت میرے پیش نظر پاکستان کے کثیر الاشاعت دینی تحریک کے ترجمان ماہنامہ ”منہاج القرآن“ کے اداروں پر مشتمل ایک کتاب ”حکم اذان“ ہے۔ یہ رشحاتِ قلم برادر گرامی جناب علی اکبر قادری الازہری کے ہیں، اگرچہ یہ پرچہ ایک ادارے کا ترجمان اور اس کی مذہبی و سیاسی فکر کا علمبردار ہے اور کہیں کہیں اس کی جھلک ذرا نمایاں ہے تاہم سات سال کے ۹۰ سے زائد اداروں میں زیادہ تر موضوعات ملکی، قومی اور ملی ہیں اور ان کا افق اور تناظر خاصا وسیع اور واقعاتی ہے اور یہی اس مجموعے کی خوبی ہے جو اسے لائق توجہ اور قابل مطالعہ بناتی ہے۔

جناب علی اکبر قادری الازہری ایک جوان سال قلم کار اور علمی و ادبی ذوق سے بہرہ ور

ہیں۔ عالمِ اسلام کی عظیم اور قدیم مادرِ علمی جامعہ الازہر میں قیام اور حصولِ تعلیم کے باعث ان کا وژن بڑا وسیع اور ان کا فکری محور خاصاً محکم ہوا ہے۔ انہیں الازہر میں مختلف ملکوں، رنگوں، زبانوں اور رجحانوں کے حامل لوگوں کے ساتھ پڑھنے، لکھنے اور وقت گزارنے کا موقع ملا ہے اس لئے ان کے ذہن میں وسعت، قلم میں ندرت اور فکر میں جامعیت نے جگہ پائی ہے اور محدود اور مخصوص مذہبی و مسلکی دائرے کے پابند نہیں رہے۔

ہمارے مذہبی حلقوں میں بالعموم بولنے کا رجحان زیادہ ہے جبکہ لکھنے کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر کچھ لکھا بھی جاتا ہے تو وہ مخصوص مشربی حوالے سے اور بڑی پامال اور الجھی ہوئی زبان میں لکھا جاتا ہے۔ علی اکبر قادری کو بہر حال لکھنے کا شوق بھی ہے اور ماشاء اللہ اچھا ذوق بھی رکھتے ہیں جو ایک خوشگوار علامت اور ان کے لئے بڑی سعادت ہے۔

”منہاج القرآن“ کے زیرِ نظر ادارے ان کے اس فطری شوق اور عمدہ ذوق کے مظہر ہیں نہ صرف یہ کہ جن موضوعات پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے وہ موضوعات اعلیٰ، اونچے اور ملی و علمی ہیں بلکہ جس اسلوب، پیرائے اور سلیقے سے انہیں قلمبند کیا ہے وہ ایک اچھے انشاء پرداز ادبی ذوق کے حامل اور تحریر کے مسلمہ تقاضوں سے آگاہ قلمکار کا پتہ دیتے ہیں۔

اداریوں میں پاکستان کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور معاشی صورتحال پر بھی بات کی گئی ہے اور عالمِ اسلام کو درپیش فکری، سیاسی اور سماجی مسائل پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔ ملتِ اسلامیہ اس وقت کس گرداب میں گھری ہوئی ہے اور اس سے نکلنے کی کیا تدبیریں اور راہیں ہو سکتی ہے؟ ان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور بلقیٰ دنیا، امت کے معاملات کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟ اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے، گویا اداریوں کا یہ ایک گلدستہ ہے جس میں مختلف رنگ کے پھول سجے ہوئے ہیں اور ہر ایک کا اپنا حسن ہے۔

میں علی اکبر قادری صاحب کو اس اچھی کاوش اور عمدہ انتخاب پر مبارکباد پیش کرتا ہوں، نیز مستقبل میں ان سے وابستہ توقعات کے پورا ہونے کی دعا کرتا ہوں تاکہ لکھنے والوں کی صف میں ایک اچھے اہل قلم کا اضافہ ہو۔

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

22/H۔ مرغزار کالونی ملتان روڈ لاہور

27 نومبر 2000ء

جون 91ء

تا

دسمبر 94ء

صاحبانِ اقتدار کے ضمیر پر دستک

لالہ کے نام پر حاصل کی گئی اسلامی ریاست پاکستان، موت و حیات کے ان گنت جاں گسل مراحل سے گزرتے ہوئے اپنی تاریخ کے چوالیس سال مکمل کرنے والی ہے۔ لاکھوں شہداء کے خون سے پروردہ اس چمن زارِ محبت کے دلفریب گلزاروں کو کبھی ”جمہوریت پسند اور کبھی ”اسلام پسندوں“ کی ہوسِ اقتدار خزاں رسید کرتی رہی۔ اس عرصے میں وطنِ عزیز کے جیالوں نے مشکل وقت میں قربانیوں کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ یہاں کا ہر جوان ملک اور بیرون ملک ہمیشہ کی طرح اب بھی وطن کی آن بان پر مر مٹنے کو تیار ہے لیکن افسوس صد افسوس! ہمارا حکمران طبقہ ہر دور میں مصلحت پسندانہ اور معذرت خواہانہ انداز اپنائے ملک و قوم کے ساتھ کھلی منافقت برتتا رہا۔ اس کی واضح مثال آج کے وہ حکمران ہیں جو اسلام کے نام پر سیاسی شعبہ بازیوں کے بعد ایوانِ اقتدار میں گھسے اور حال ہی میں شریعت بل کی منظوری کے نام پر دراصل اسلام کے خلاف پاکستان میں ۱۹۹۱ء کی سب سے بڑی سازش کا موجب بنے۔ ہمارے علماء و مشائخ ہیں کہ (الاماشاء اللہ) خدا رسول کے احکامات کی واضح تضحیک دیکھ کر بھی حکومتی ”نوازشات“ کے سامنے دست حاضر غلاموں کی طرح حکومت کے ہر اقدام پر دادِ تحسین دینے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں اور اپنے اس کارنامے کو شاید دین کی بہترین خدمت اور افضل ترین جہاد سمجھتے ہیں ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی فریاد کی جاسکتی ہے کہ وہی حقیقی فریاد رس ہے۔

اے رب رحیم و کریم! جس دین کی خاطر ترے محبوب اور سچے آخری رسول ﷺ نے صعوبتیں برداشت کیں، بدروحنین کے معرکوں میں اپنے جانثاروں کو قربان کیا، جس کے لئے صدیق، عمر، عثمان، علی، بلال، ویاسر، حسن و حسین اور خالد و قاسم (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اپنی زندگیاں کھپا گئے۔ اے خاصہ خاصانِ رسل ﷺ، جو دین بڑی شان

سے صحرائے عرب سے گزرتا، سمندروں کو چیرتا اور کوہ و بیاباں کو سر کرتا ہوا اطراف و اکنافِ عالم میں پہنچا، آج عرب و عجم میں غریب و الغرباء ہے۔ جس پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا تھا اس کا یہ حال ہے کہ یہاں پی پی پی کی واضح دین دشمنی نے اسلام کے ساتھ اتنا ظلم نہیں کیا تھا جتنا موجودہ اسلام پسندوں کے شریعت بل نے اسلام کا حلیہ بگاڑ کر کیا ہے۔ ہم حکومت اور اس کے وظیفہ خوار علماء سے پوچھتے ہیں کہ وہ کونسی شریعت ہے جس کا اطلاق صدر اور وزیر اعظم پر نہ ہوتا ہو۔ وہ معاشرہ کونسا اسلامی ہے جہاں نفاذ شریعت کے بعد عریانی، فحاشی، بدکاری، قتل و غارتگری، شراب نوشی، اغواء اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو۔ ایسا شریعت بل کونسے اسلام کا نمائندہ ہے جو مالی و سائل اور عائلی مسائل پر موثر نہ ہو۔ پھر پورے ملک میں سی این این کی نشریات کے ذریعے اسلام کے ازلی دشمن امریکہ کی تہذیب و ثقافت کو گھر پہنچانے کا تاریخی کارنامہ بھی تمہاری اسی اسلامی حکومت کے سر ہے۔

خدا راہر الیکشن کی طرح اسلام کو اپنی ٹیکنیکل دھاندلیوں کا نشانہ نہ بناؤ۔ تمہاری اس "اسلام دوستی" سے یہود و ہنوو کے مظالم کے شکار فلسطینی اور کشمیری مسلمانوں کے حوصلے پست ہو سکتے ہیں اور اسلام دشمن یہودی و صیہونی لابی کو پوری دنیا میں اسلام کے غیر موثر ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے کا موقع ملے گا اور پوری دنیا میں سر اٹھانے والی نشاۃ ثانیہ کی عالمگیر تحریک متاثر ہوگی۔

(جون ۹۱ء)

کیا جوابِ جرمِ دوگے تم خدا کے سامنے؟

سائنسی ترقی اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے اس دور میں اخلاقی و روحانی اقدار کی شکست و رنخت کی وجہ سے دنیا جس اضطراب، بے چینی اور عدم تحفظ کا شکار ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ عالمی امن، انسان دوستی اور معاشی و معاشرتی مساوات کے دعویدار مغربی استعماری ایجنٹوں کا نگرانِ اعلیٰ امریکہ مختلف شکلوں میں جس طرح پوری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب کی تعبیر پر عمل پیرا ہے اس کی حقیقت بھی کسی ذی شعور سے مخفی نہیں رہی۔ عالم کفر کا یہ موجودہ سربراہ، کہیں نیوورلڈ آرڈر کی صورت میں، کہیں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی جانبدارانہ قراردادوں کی شکل میں اور کہیں عالمی امن کی خاطر دنیا کو ایٹمی اسلحہ کی دوڑ سے باز رکھنے کی آڑ میں دراصل اسلامی نشاۃ ثانیہ کی عالمی تحریک اور مسلمانوں کے ملی شعور کی بیداری کو دبانے میں مصروف ہے۔ روس سے تین لاکھ یہودیوں کی اسرائیل میں منتقلی، خلیج کا حالیہ افسوسناک تنازعہ اور اس کے نتیجے میں ایک طرف اسرائیل کی مضبوطی اور دوسری طرف اس خطے میں واحد عسکری طاقت عراق کی عبرتناک پٹائی کے بعد اس کے تمام جنگی ہتھیاروں کو تباہ کر دینے کی شدید خواہش دنیا بھر کے مدہوش مسلمان حکمرانوں کے لئے نوشتہ دیوار ہے۔ مسئلہ فلسطین ہو یا افغانستان، کشمیر ہو یا لبنان، ہر جگہ عالم کفر اپنے مشترکہ مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف آپس میں تعاون کر رہا ہے۔ سرینگر میں اسرائیلی کمانڈوز کاہل میں ہندوستانی پائلٹ اور خلیج میں امریکی فوجیں اس کی واضح مثالیں ہیں۔

ان حالات میں پاکستان جیسی خالص اسلامی نظریاتی مملکت کو اپنے اندرونی اور بیرونی مسائل پر توجہ کرنی چاہئے۔ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا یہ ملک نصف صدی سے اپنے بدطینت ظلم پرور اور عاقبت ناندیش حکمرانوں پر ماتم کر رہا ہے۔ آئے روز قتل و غارت گری، ڈاکے، اغوا اور دیگر سماجی و اخلاقی جرائم ہماری قومی و ملی اور دینی غیرت و حمیت کو جھنجھوڑ

رہے ہیں کہ آزادی کے بعد ایک مہذب اور شائستہ معاشرے کی تشکیل کیلئے ہم نے کچھ کیا ہوتا تو آج جس اندوہناک صورت حال کا سامنا ہے اس کی نوبت نہ آتی۔ معمولی جرائم اور خرابیاں ہر معاشرے میں ہوتی ہیں لیکن اس قدر اندھیر نگری کہ دن دھاڑے خاندانوں کے خاندان قتل ہو رہے ہیں، کبھی نہ سنا تھا۔ اس نازک موقع پر ملک کے ارباب بست و کشاد کی بیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ ملک کے اندر لا قانونیت اور افراتفری کی روز افزوں سنگین صورت حال پر مرکوز کر دیں ورنہ اگر اب بھی انہوں نے جھوٹی سیاسی انا اور محدود ذاتی و گروہی مفادات کی خاطر عوام الناس کو بے رحم حالات کے چنگل سے نجات نہ دلائی اور مظلوم مسلمانوں کے خون پسینے سے حاصل کی گئی سر زمین پر اپنے اقتدار کے محل سجانے میں مگن رہے تو انہیں بھی قدرت سابقہ غاصبوں بے دینوں اور منافقوں کی طرح ننگا کر دے گی۔ انہیں اس سوال کا جواب دینا ہو گا کہ قوم کی دی گئی امانت کا انہوں نے کہاں تک پاس رکھا۔

قوم کو ووٹوں کے لئے امن و سکون کے سبز باغ دکھانے والو! کیا تم نے اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ کیلئے غنڈوں ہگماشتوں اور قاتلوں کی ٹیمیں نہیں رکھی ہوئیں؟ ملک کے کلیدی عہدوں پر تمہارا نالائق سفارشی عملہ موجود نہیں؟ تم نے اسلام کے ساتھ نصف صدی سے منافقت اور بے حمیتى کا کھلا فراڈ نہیں کیا؟۔۔۔ قوم کے ان سوالوں کے جواب دے سکتے ہو تو اسے امن بھی دے سکو گے اگر نہیں تو خدا را! اپنی چار روزہ زندگی کے عارضی اقتدار کیلئے صداقت، امانت، دیانت اور شرافت کے مقدس چہرے مسخ کرنے کا کاروبار چھوڑ دو۔

(جولائی ۱۹۹۱ء)

111214

”اس دور میں جینا لازم ہے جس دور میں جینا مشکل ہو“

یہ دور تاریخ انسانی کا پر آشوب ترین دور ہے۔ آج ہر فرد ہر معاشرہ ہر ملک اور ہر قوم اضطراب بے چینی اور احساس عدم تحفظ کا شکار ہے۔ انفرادی زندگی سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی سطح تک بے چینی کی یہ عالمگیر لہر کسی غیر معمولی عالمی تبدیلی کی نشاندہی کر رہی ہے۔ حالیہ خلیجی جنگ میں عراق کی پسپائی کے بعد تمام یورپی ممالک کا امریکہ کے ”سایہ عافیت“ میں اجتماع اور امریکہ کے نئے عالمی نظام (New World Order) کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات اس تبدیلی کو مہمیز دے رہے ہیں۔ لگتا ہے اب وہ وقت جلد آنے والا ہے جب مادیت اور روحانیت کا عالمی تصادم ہوگا اور بالآخر روحانیت مادیت پر غالب آکر انسانیت کو سکون و اطمینان فراہم کرے گی۔

روس میں انسان ساختہ کمیونزم کے بری طرح ناکام ہونے کے بعد پوری دنیا پر بلا شرکت غیرے حکمرانی کا خواب دیکھنے والے امریکہ کو اس کی حساس سراغ رساں ایجنسیوں نے اسلام جیسی ”مستقل رکاوٹ“ کے خطرے سے آگاہ کر دیا ہے اور یہ خطرہ امریکہ سمیت تمام اسلام دشمن طاقتوں کیلئے انتہائی پریشان کن ہے۔ امریکہ نے آئندہ پچیس سالہ پروگرام کی منصوبہ بندی پر عمل شروع کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر اسلام مخالف سرگرمیوں میں تیزی آگئی ہے۔ عسکری میدان میں نسبتاً مضبوط اسلامی ملک عراق کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے دوسرے حملے کی تیاریاں، خلیجی تیل کے کنوؤں پر امریکہ کا عمل دخل، پاکستان پر ایٹمی اسلحہ کی یکطرفہ پابندی اور اب دنیا کے پانچ درجن ملکوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے واحد تجارتی بینک B.C.C.I. پر بے بنیاد الزام کے بعد بندش جیسے انتہائی اقدامات صاف بتا رہے ہیں کہ اب کفر ننگا ہو کر اسلام کے سامنے آگیا ہے۔ دوسری طرف مسلمان ہیں کہ اس کھلی دشمنی کا بروقت مقابلہ کرنا تو کجا تا حال متحد ہو کر کسی ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت

ہی محسوس نہیں کر رہے۔ اسلام اپنی فطری اور آفاقی صفات کی وجہ سے بدستور اپنی منزل (غلبہ و تفوق) کی طرف بڑھ رہا ہے مگر اس کے نام نہاد پیروکار حکمران کبھی عاقبت نااندیش سعودی شیوخ کی صورت میں، کبھی ہٹ دھرم اور گنوار صدام کی شکل میں اور کبھی خود غرض منافق پاکستانی سیاسی راہنماؤں کی صورت میں اس فضاء کو اپنے اقتدار کے دوام اور ناپاک ذاتی خواہشات کی تکمیل کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

اس وقت جہاں عیسائی اور یہودی مشنریاں پوری طرح اسلام مخالف سازشوں میں سرگرم عمل ہیں اور مسلمانوں کو باہم سیاسی و مذہبی تفرقہ بندی کا شکار کر کے ہر سطح پر آپس میں لڑانے کی کامیاب کوشش کر رہی ہیں وہاں فریضہ جہاد پر عمل پیرا جاں فروشان اسلام افغانستان، کشمیر، فلسطین، روس، لبنان اور دنیا کے دیگر خطوں میں عالم کفر کو لٹکا رہے ہیں اور اسلام پوری دنیا میں بیدار ہو رہا ہے۔ جملہ سازشوں کے باوجود احیائے اسلام کی عالمی تحریک ہر جگہ اپنے بال و پر پیدا کر رہی ہے۔ خود امریکہ، نچے طانیہ اور فرانس میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خالص اسلامی ممالک میں ہم جیسے مسلمان اسلامی تعلیمات ہی سے گریزاں ہیں۔

ان حالات میں ہم اندرون و بیرون ملک تحریک منہاج القرآن کے سپاہیوں سے بالخصوص اور عالم اسلام کے ہر فرد سے بالعموم یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان پر آشوب حالات کا گہری اور دور رس نظروں سے جائزہ لیں اور اپنے اپنے ماحول اور دائرہ ہائے کار میں اسلام کی سر بلندی کیلئے سیرت و کردار کی پختگی کے ساتھ، کفر کے ہر حربے کا منہ توڑ جواب دینے کیلئے سر اپا جہاد بن جائیں کیونکہ.....

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے

اس دور میں جینا لازم ہے جس دور میں جینا مشکل ہو

(اگست ۱۹۹۱ء)

نور و نکت میں لپٹی ہوئی صبح سعادت کے نام

کونسی صبح سعادت؟..... وہ صبح..... جسکی سہانی ساعتوں میں عرب کا چاند وادی مکہ میں چمکا اور پورے جہاں کو تابدروشن کر گیا۔ وہ صبح..... جب فضائے عالم مسرتوں کے دلاویز نغموں سے گونج اٹھی۔ وہ صبح..... جس نے تہذیب کو وقار، ثقافت کو تقدس، علم کو وسعت، فکر کو ندرت، عمل کو طہارت اور نفرتوں اور عداوتوں میں سسکتی بلکتی انسانیت کو اخوت و محبت کے تحفے عطا کئے۔ جب زندگی کو بندگی اور بندگی کو سرور ملا، جب عشق کو حضور ملا۔ انسان کو خالق تک رسائی کی معرفت نصیب ہوئی۔ وہ صبح درخشاں..... جس میں اترنے والے نور نے ستاروں کو روشنی، شمس و قمر کو ضوفشانی، گلستانوں کو بہار اور بہاروں کو باہن دیا۔

بقول حافظ لدھیانوی۔

س گیا نقش کھپا سے بہاروں کو فروغ صحن گلشن آپ کے جلوؤں کی ہے رنگیں ادا
ان کے نور پاک سے روشن ہوئی صبح ازل شانِ رحمت نے جہان رنگ و بو چمکا دیا
وہ مطلع صبح ازل جس کے پر تو سے طویل ترین شبِ ظلمت انجام کو پہنچی۔ افق عالم پر طلوع ہونے والی ایسی نورانی صبح جس کی تمازت نے ہزاروں سالوں سے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔ وادی مکہ میں مرحوم عبداللہؓ کا گھریوں چمک اٹھا کہ فردوس بریں کو رشک آگیا، آمنہؓ کی گود میں گویا کائنات کی ساری سعادتیں سمٹ آئیں اور محلہ بنو ہاشم کی فضائیں یوں مہک اٹھیں کہ کائنات ہست و بود کی بہاریں خیرات لینے حاضر ہو گئیں۔

نہ افلاک نے آج تک ایسی صبح دیکھی تھی، نہ کائنات نے آج تک ایسی سعادت سمیٹی تھی اور نہ ہی زمین پر آج تک ایسا کرم برسا تھا۔ بلاشبہ یہی تو وہ لمحات تھے جن کے انتظار میں گردشِ شام و سحر نے ماہ و سال کی لاکھوں کروٹیں بدل بدل کر انسان کو تمام ارتقائی منازل

طے کروائیں اور اس کے شعور کو بلوغت کے اس مقام تک پہنچا دیا جب وہ اپنی ہدایت اور راہنمائی کیلئے کسی جامع صفات ہستی کیلئے بے تاب ہو گیا۔

ظہورِ قدسی کے یہ لمحات بلاشبہ تاریخِ انسانیت کے قابلِ رشک لمحات تھے۔ آج ظلم و بربریت کے بیچوں میں جکڑی ہوئی مظلوم انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے آزادی، مساوات اور باہمی مروت و محبت کا پیغام دیا تھا چنانچہ بعد میں آنے والے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی حضور ﷺ کی آمد، حق کی فتح اور باطل کی شکست تھی، منافقت کی موت اور صداقت کی علامت تھی۔ وہ دن دنیا میں اس نئی روشنی کے ظہور کا دن تھا جس نے بلال حبشیؓ جیسے غلام کو ابو جہل و ابو لہب جیسے سرداروں پر دائمی سبقت دلا دی اور جس روشنی نے تمام نسلی، جغرافیائی، لسانی اور طبقاتی بتوں کو پاش پاش کر کے محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

مگر آج کیا ہو رہا ہے؟ ایک لمحے کے لئے اپنے باطن میں جھانک کر دیکھیں۔ اپنے عظیم نبی کی عظیم امت اس قدر عاقبت ناندیش کیوں ہو گئی؟ دنیا کو امن و عافیت، محبت و مروت کا سبق دینے والے مسلمان باہم دست و گریبان ہیں۔ حضور ﷺ کی امت ہر جگہ بری طرح پٹ رہی ہے، اس بکھرے ہوئے ریوڑ کو ہر لمحہ اور ہر قدم پر خونخوار بھیڑیوں سے واسطہ ہے۔ آج عرب کا مستلبان ہو یا عجم کا، اغیار کی سازشوں کا شکار ہو کر مجبور و بے بس ہو چکا ہے۔ اسے اپنی شاندار تاریخ محض افسانہ لگتی ہے۔ احنیائے اسلام، غلبہٴ دینِ حق اور اسلامی انقلاب کے نام سے نہ صرف آشنا نہیں بلکہ ایسے خیالات کو پاگل پن اور محض خواب گردانتا ہے۔ ناامیدی، شکست خوردگی اور احساسِ کمتری جیسے مہلک امراض نے اس کو پست ہمت، کاہل، عیشِ کوش اور علم و عمل کی دنیا میں ناکارہ بنا دیا ہے لیکن باطل ہے کہ روز بروز بلکہ لمحہ بہ لمحہ نئے نئے منصوبوں کے ساتھ اسے پستی کے عمیق گڑھوں میں دھکیلنے کی تدبیریں بنا رہا ہے اور ہم ہیں کہ ان کافرانہ حربوں سے نبرد آزمائی تو کجا، تا حال سنبھلنے کا شعور بھی نہیں حاصل کر پائے۔ ہمارے حکمران محض لیلیٰ اقتدار کے مجنوں ہیں۔ پچاس سے زائد نام نہاد اسلامی

ممالک ابھی تک کسی پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے۔ ایک سے ایک بدطینت، منافق، عاقبت ناندیش اور باطل پرست ہے۔

حکمرانوں کے بعد مسلمانوں کی جزوی قیادت مذہبی و دینی راہنماؤں کے پاس تھی۔ یہ لوگ انبیاء کے وارث کہلاتے ہیں مگر بصد افسوس کہ یہی طبقہ باہمی منافرت اور تفرقہ بازی کا باعث ہے۔ خدا، رسول، قرآن اور قبلہ ایک ہونے کے باوجود یہ مذہبی اجارہ دار ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار نہیں۔ اب طاقتور طاغوتی حملوں کا مقابلہ کون کرے اور کیونکر کرے؟ ایسے میں احساس زیاں رکھنے والوں کی نگاہیں ایک بار پھر گنبد خضراء کی طرف ہی اٹھتی ہیں اور زبان حال سے گویا ہیں کہ۔

تاریک افق کے ماتھے سے کب رات کی ظلمت چھوٹے گی
صبح کا اجالا کب ہوگا سورج کی کرن کب پھوٹے گی
اے پشت پناہ کون و مکاں اس سمت بھی اک رحمت کی نظر
سن میری بچا لے میرا سلام اے ارض و سما کے پیغمبر
یا رسول اللہ ﷺ یہ پستی ملت دیکھی نہیں جاتی، اپنی عاصی امت پر نظر کرم
کیجئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر نہیں چل سکے، ہمارے ایمان کی روشنی ماند
پڑ گئی ہے، ہم حرص و ہوس کے بندے بن گئے، ہم نے دنیا کے بدلے دین قربان کر دیا، چند
لکوں کی خاطر ضمیر فروخت کر دیئے اور آج ہم اپنی نگاہوں میں بھی گر گئے مگر تیری رحمت
کی چادر بھی تو بڑی وسیع ہے۔

شاہِ لولاک ہیں تو تیرے امتی
ہمیں جذبِ فاروق و صدیق دے
تری رحمت کے آقا طلب گار ہیں
تجھ سے نسبت تو ہے نام ہی کی سہی
ظلم کو ختم کرنے کی توفیق دے
ہادیٰ محترم! ہم خطا وار ہیں

(ستمبر ۱۹۹۱ء)

”شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات“

ماہ میلادِ رسول ﷺ محبتوں، مسرتوں اور سعادتوں کی متاعِ گراں بہا لے کر ہر سال جلوہ فگن ہوتا ہے اور اہل ایمان و یقین کے مشتاق و مضطرب جذبوں کو سیراب کرتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس ماہ مقدس کا ہر دن اور ہر لمحہ صاحبانِ محبت و شوق کی کشتِ ایمان کے لئے بہارِ جاوداں کی حیثیت رکھتا ہے۔ کائناتِ ہست و بود کو تاریخ کے ان لمحات پر ناز ہے جو اسی ربیع الاول کی ایک صبح سعادت کے دامن میں سمٹ آئے تھے۔

ظہورِ قدسی کا وہ دن جسے عیدِ میلادِ النبی ﷺ کہتے ہیں فی الحقیقت عیدِ الفطر اور عیدِ الاضحیٰ کو واجب سمجھ کر منانے والی امت کیلئے عشق و محبت کا امتحان ہے۔ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں میں پیدا فرمایا اور اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خوشی منانے اور شکرِ جلالانے کی توفیق عطا فرمائی، ورنہ اس محسنِ انسانیت ﷺ کے بعض نام لیوا ایسے بھی ہیں جو اس عیدِ سعید کو مغموم رہنے کی نہ صرف ترغیب دیتے ہیں بلکہ خوشیاں منانے والوں پر گولیاں اور پتھر برساتے ہیں حالانکہ مغموم و سوگوار یا غضبناک تو شیطنیت اور ابلیسیت کے علمبرداروں کو ہونا چاہئے جن کے مشن اور پروگرام میں یہ دن سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان جس کے دل میں رتی بھر بھی ایمان ہوتا ہے وہ بے ساختہ اس دن کی آمد پر مچل اٹھتا ہے۔ اس کے نخلِ ایمان کی خزاں رسیدہ ٹہنیاں رحمتوں، برکتوں اور سعادتوں کے ثمرات سے جھومنے لگتی ہیں لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ابلیسی صفت لوگ بے تکے دلائل کو بنیاد بنا کر ایسے موقعوں پر بد مزگی پھیلاتے ہیں اور باطنی خباثت کے ہاتھوں مجبور ہو کر فساد برپا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

یاد رکھیں! حضور ﷺ کے ذکر کو دن بہ دن رفعتوں سے ہمکنار کرنا مشیت

خداوندی ہے۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ، شہر شہر اور گاؤں گاؤں ذکرِ رسول ﷺ کی مجالس و محافل اسی مشیتِ ایزدی کا نتیجہ ہیں ”وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى“ کے تحت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی جگہوں پر ان تقاریب میں تیزی آگئی ہے۔ حسبِ معمول اس مرتبہ بھی بعض بدبختوں نے میلادِ النبی ﷺ کے جلوسوں پر گولیاں چلائیں اور پتھر اڑا کیا۔ کسی طبقے، گروہ، یا مکتبہ فکر کا نام لئے بغیر ہم ایسے نادان لوگوں پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ”اسلام کی خدمت“ اور ”دین کی تبلیغ“ کرنے والو! تمہیں جشنِ میلادِ النبی ﷺ کی مخالفت کر کے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں اجتماعی درود و سلام کے نذرانے پیش کرنے والوں پر پتھر اور گولیاں برسنا کون سے مشن کی تکمیل مقصود ہے؟ خدائی مشن تو رفعتِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور جشنِ میلادِ النبی ﷺ کی دھوم دھام اس رفعتِ ذکر کی ہی ایک صورت ہے۔ اس خدائی وعدے کی تکمیل کے راستے میں رکاوٹ کی ناکام کوششیں تو ابلیسی مشن کا حصہ ہیں۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ اپنی زندگی کون سے مشن کی تکمیل میں گزارنا پسند کرتے ہو۔ رہا ذکرِ مصطفیٰ ﷺ، تو اسے بلند کرنے والی طاقت چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے تمہارے اوجھے ہتھکنڈوں سے اہل ایمان کے جذبوں میں تعطل نہیں آسکتا، ہاں یہ ممکن ہے کہ تم خود محبت کے اس سیلِ رواں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاؤ۔ علاوہ ازیں۔۔۔۔۔ وہ لوگ بھی اپنے رویوں پر نظر ثانی کریں جو حضور ﷺ کی سنت و سیرت پر عمل کئے بغیر محبتِ سخیے دعوے کرتے ہیں اور ایسے موقعوں پر غیر شرعی اور ناپسندیدہ حرکات کا ارتکاب کر کے عذابِ الہی کو دعوت دیتے ہیں۔

(اکتوبر، ۱۹۹۱ء)

یہودیت بمقابلہ اسلام..... تاریخ کا نازک موڑ

حق و صداقت پر مبنی تعلیمات کا مجموعہ دین اسلام چونکہ پوری انسانیت کیلئے پیغامِ رحمت و راحت بن کر آیا ہے اور اسے لیکر مبعوث ہونے والے نبی رحمت محسن انسانیت ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اس لئے یہ دین بھی آخری حتمی اور مکمل قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام باطل ادیان و مذاہب کو نہ صرف چیلنج کیا بلکہ انسانیت کو تمام فرسودہ عقائد و رسومات سے نجات دلا کر فطری ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن کر دیا۔ آمد اسلام سے جن مذاہب اور نام نہاد مذہبی اجارہ داروں کو نقصان پہنچا ان میں ملتِ یہود سرفہرست ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسی خطرناک بد طینت، معتوب اور مکار دشمن سے محتاط رہنے کا حکم دیا۔

تاریخ اسلام اگرچہ عیسائیوں کے ساتھ بے شمار معرکوں سے بھری پڑی ہے جن میں صلیبی جنگیں اور برطانوی استعماری سازشیں ناقابل فراموش ہیں لیکن جس قدر سازشیں، مسلسل عداوت اور انتقامی کارروائیاں یہودیوں نے روار کھیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس تعصب اور کینہ پروری کی بے شمار مذہبی اور تاریخی وجوہات ہیں جن کا ذکر ان ادارتی کلمات میں ناممکن ہے۔ چنانچہ ہمیشہ کی طرح اور پہلے سے کہیں بڑھ کر آج (مٹھی بھر منظم) یہودیت اور عالم اسلام کے درمیان کھلی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہودیوں نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے پوری دنیا پر قبضہ و تسلط کے خواب کو عملی شکل دینے کے لئے اسلامی دنیا کے دل مشرق وسطیٰ میں "اسرائیل" جیسی غیر قانونی ریاست کی بنیاد رکھ کر "عظیم تر اسرائیل" کے حصول کو عملی شکل دینے کا سفر شروع کر دیا ہے۔ روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دیگر اسلام دشمن باطل قوتیں اس شیطانی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں خفیہ اور اعلانیہ اسرائیل کی مدد معاون ہیں۔ یہ طاقتیں مختلف جیلوں بہانوں اور منصوبوں سے ملت اسلامیہ کو منتشر اور باہم

متصادم رکھ کر اپنے دیرینہ انتقامی جذبوں کو تسکین پہنچا رہی ہیں۔ مسلمان جہاں کہیں سر اٹھاتے ہیں یہ عالمی غنڈے انہیں کچلنے کیلئے اپنے سازشی ہتھکنڈوں اور آتشیں اسلحے کے ہمراہ فوراً وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ حالیہ خلیجی جنگ اور اس کے اسباب و نتائج پر غور کرنے سے اس حقیقت کا واضح ثبوت مل جاتا ہے۔

دوسری طرف یہودی دنیا بھر سے نقل مکانی کر کے اپنے روحانی مرکز اسرائیل میں جمع ہو رہے ہیں اور وہاں مظلوم عرب مسلمانوں کو بے گھر کر کے نئی یہودی بستیاں بسائی جا رہی ہیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ اسرائیل جب ان بستیوں کے لئے امریکہ سے اربوں ڈالر طلب کرے تو یہ رقم بھی اسے عرب مسلمان حکمرانوں سے لیکر دی جاتی ہے۔ اسی طرح عراق کی تباہی ہو یا اسلام کے خلاف مذہبی، ثقافتی اور جغرافیائی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے دیگر منصوبے، ہر جگہ دولت مسلمانوں کی استعمال ہوتی ہے، گویا جوتے بھی ہمارے اور سر بھی۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں کی یہ ریشہ دوانیاں ہمیشہ کی طرح ایک فطری عمل ہے لیکن دل خون کے آنسو اس لئے روتا ہے کہ مسلمانوں میں ابھی تک اپنی بقاء و سلامتی کا اجتماعی شعور ہی بیدار نہیں ہو سکا۔ اس وقت دنیا میں 56 کے قریب آزاد مسلم ریاستیں ہیں لیکن سوائے ایک دو کے کہیں بھی اسلامی غیرت و حمیت کے آثار نمایاں نہیں۔ ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کے ماننے والے ان مسلمانوں کا منشور بھی ایک ہو جاتا تو انہیں پوری دنیا میں یوں ذلیل و رسوا نہ ہونا پڑتا۔ اس وقت اطراف و اکناف عالم میں کونسا خطہ ہے جہاں مسلمان کی عزت و عصمت اور مال و دولت محفوظ ہیں؟

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کیلئے

افسوس! انسانیت کو علم و حکمت اور ہدایت و اخوت کا درس دینے والی امت آج اپنے اندرونی جھگڑوں کا فیصلہ کروانے کیلئے اسی امریکہ کے در سے امن کی بھیک مانگ رہی ہے جو پوری دنیا کے شیاطین کو مسلمانوں کے کچلنے کی ترغیب دے رہا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں ! بیمار ہوئے جس کے سبب
 اسی عطار کے لوٹے سے دوا لیتے ہیں
 تاریخ اسلام جرأت و عزیمت، غیرت و حمیت اور عظمت و شوکت کی تاریخ ہے
 لیکن ہماری غیرتوں کو کیا ہوا کہ یہود و ہنود کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو کر بھی عاقبت نااندیش
 ہیں۔ اس وقت دنیا خطرناک سیاسی، سماجی اور اخلاقی مسائل میں الجھ چکی ہے۔ تمام انسان ساختہ
 نظام ان مسائل کو حل کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کر کے یکے بعد دیگرے ناکام ہو چکے
 ہیں۔ روس میں کمیونزم کا جنازہ نکلتے دیکھ کر امریکہ نے سرمایہ دارانہ نظام کی ساکھ اور اپنی
 چودھراہٹ قائم رکھنے کیلئے ”نیورلڈ آرڈر“ کا اعلان کر دیا۔ یہ نیا عالمی نظام بھی دراصل
 ”عظیم تر اسرائیل“ حاصل کرنے کا یہودی منصوبہ ہے۔ اس کا پہلا قدم آج سپین میں منعقد
 ہونے والی نام نہاد امن کانفرنس ہے جس کے نتیجے میں حق و باطل کا ممکنہ امن سمجھوتہ نہ
 جانے کیا کیا نتائج برآمد کرے گا۔

خلیجی جنگ کے نتیجے میں اسلامی سیاست و معیشت پر یہودی قبضے کے بعد اب تیزی
 سے اسلامی تہذیب و ثقافت اور دینی و مذہبی اقدار کے خاتمے کی تراکیب ہو رہی ہیں۔ اس
 کیلئے فحش اور مخرب الاخلاق لٹریچر ہمارے گھروں کے نہاں خانوں میں پہنچ چکا ہے۔ رہی سہی
 کرسی این این اور ڈش چینلز نے پوری کر دی ہے۔ ہمارے کوچہ و بازار عریاں فلموں کی
 تجارت گاہ بن چکے ہیں۔ اشتراکی عرب حکمرانوں کی شہوت پرستی، جاہ طلبی اور شباب و شراب
 پسندی تو خیر مسلم ہے ہی لیکن ”اسلام کے قلعے“ پاکستان کی نام نہاد اسلامی حکومت کے
 ”جیالے اور غیور“ وزراء بھی اب غیر ملکی طوائفوں کے ساتھ مجور قص نظر آنے لگے ہیں
 ۔ باہر سے آنے والے ثقافتی و فود پر لاکھوں روپے خرچ کر کے پاکستانی عوام کیلئے تفریحی
 پروگرامز کے انتظامات ہو رہے ہیں۔

ایسے میں ہم ملک کے صاحبِ دردندہی و سیاسی راہنماؤں اور اصحابِ دانش و ہمیش
 سے درخواست کرتے ہیں کہ اب نجی اختلافات کو بڑھا کر سیاسی و مذہبی اجارہ داریاں چکانے کا

وقت نہیں رہا۔ خدارا! ہر ذمہ دار شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے اور اپنے حقیقی دشمن کو پہچانتے ہوئے اپنی تمام تر توانائیاں اس طرف لگانے کا عزم کرے۔ علمائے کرام نوجوانوں کو فروعی اختلافی مسائل میں الجھانے کا گناہ کبیرہ اب ترک کر دیں اور اپنی تحریر و تقریر کا رخ اسلام کو درپیش مسائل کے حل کی طرف موڑ لیں۔ احيائے اسلام کے لئے سرگرم عمل جملہ تحریکیں اور مذہبی و دینی ادارے اپنے اپنے وسائل و اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے پوری دنیا کے مسلمانوں کو متحد و متفق رکھنے کی مخلصانہ کوششیں تیز کر دیں۔ آج اگر مغربی ممالک ”یورپی برادری“ کی شکل میں منظم ہو کر اپنے مسائل آپس میں حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو اسلامی ممالک جن کے مذہب کی تعلیم ہی اخوت و محبت ہے کیوں متحد نہیں ہو سکتے۔

تحریک منہاج القرآن اپنے واسطگان سے مجاطور پر یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر امت مسلمہ کی بہتری دین اسلام کی سر بلندی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے اپنی مقدر بھر صلاحیتیں اس راہ میں کھپادیں تاکہ سسکتی ہوئی انسانیت مصطفوی انقلاب کے اثرات سے بہرہ ور ہو سکے۔

(نومبر ۱۹۹۱ء)

تحریک آزادی کشمیر کا فیصلہ کن مرحلہ

قدیم اسلامی مملکت، کشمیر کی جنت نظیر وادی جو طویل عرصہ سے پابہ زنجیر تھی اب پچھلے دو سالوں سے غاصب بھارتی درندوں کے بے رحم ہاتھوں تباہی کے مناظر پیش کر رہی ہے۔ اپنوں کی نادانیوں اور غیروں کی سازشوں کے تسلسل نے یہاں کے بد قسمت باسیوں کو کبھی سکھ چین اور آرام کا سانس نہیں لینے دیا۔ اب تو نوبت یہاں پہنچ چکی ہے کہ یہاں کے رشک جنت باغات شہداء کے قبرستان اور ہنتے بستے گھر مقتل بن گئے ہیں۔ مشک و زعفران سے اٹے ہوئے کہسار، گل و بلبل سے مزین سبزہ زار، سری نگر جیسے حسین و جمیل شہر اور لولاب جیسی پر بہار وادیاں بے گناہ کشمیری مسلمانوں کے پاکیزہ خون سے لورنگ ہیں۔ کشمیر سے بہہ کر آنے والے ندی نالے اور دریا اب دریائے فرات کی طرح گریہ کناں ہیں کہ یہاں ایک نہیں ہزاروں کرب و بلا کے معرکے پھا ہو رہے ہیں۔ یہاں بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عفت مآب نسبی و مذہبی بیٹیاں بے کسی، بے بسی اور عدم تحفظ کے جان لیوا لمحات حیات گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان کے سروں پر بھی چادر نہیں، چھت نہیں اور محرم عزیزوں کا سایہ نہیں۔ بیمار بچوں، بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لٹے پٹے قافلے سرحد کی دونوں جانب آج کے نام نہاد ترقی پسند، تعلیم یافتہ، مہذب اور امن پسند انسانی معاشرے میں عشرت کدے سجا کر بیٹھے ہوئے ہزاروں یزیدوں کے رحم و کرم پر کھلے آسمان کے نیچے سسک رہے ہیں۔ اس کے برعکس آگ اور خون سے بھر پور دشوار گزار راستوں، برف پوش پہاڑوں کے طویل سلسلوں اور قدم قدم پر بھارتی اسلحہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کشمیر کے نوخیز، غیور اور بہادر نوجوانوں کا رواں دواں قافلہ جہاد تاریخ اسلام کے جلیل القدر مجاہدین کی داستان ہائے عزم و ہمت کی یادیں تازہ کر رہا ہے۔

تحریک آزادی کشمیر کا یہ نازک اور اہم ترین موڑ پوری دنیا کے مسلمانوں اور

بالخصوص وطن عزیز پاکستان کے اصحابِ فکر و دانش اور اربابِ اقتدار کی خصوصی دلچسپی اور عملی تعاون کا محتاج ہے۔ اہل کشمیر جغرافیائی نہیں بلکہ وہی دینی اور نظریاتی جنگ لڑ رہے ہیں جو جہاد کی صورت میں ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

پاکستان بوجہ اس مظلوم قافلہٴ حریت و جہاد کا وکیل چلا آرہا ہے لیکن صد افسوس! کہ قیامِ پاکستان سے اب تک کی غیر اسلامی اور غیر جمہوری حکومتوں کی طرح موجودہ ”اسلامی جمہوری“ حکومت بھی کشمیریوں کی قسمت سے کھیلنے کا شرمناک عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کی وجوہات عالمی حالات و خطرات ضرور ہیں لیکن بنیادی وجہ جذبہٴ ایمانی کا فقدان ہے کشمیر میں برسرِ پیکار مسلمان مجاہدین کے مختلف گروپوں میں معمولی نظریاتی اختلافات اور ان سے پیدا ہونے والی عملی مشکلات اپنی جگہ، مگر ان میں سے کسی کی تنظیم کو محض خود مختار ی کی ”بغاوت“ کا مرتکب سمجھ کر اور کسی کو الحاقِ پاکستان کی ”وفاداری“ کا مستحق جان کر امتیازی سلوک روار کھنا درست نہیں۔ صرف الحاق کی صورت میں تحریک کی حمایت اور خود مختاری کے ”خطرے“ پر مجاہدین کی حوصلہ شکنی اس ”اسلامی حکومت“ کی کشمیر پالیسی کو مشکوک بناتی ہے۔ اس وقت کشمیری مجاہدین ہوں یا اس کی مدد و معاون نہ ہی سیاسی تنظیمات ان کے لئے خود مختاری اور ”الحاق“ کے نعروں سے پرہیز وقت کی اشد ضرورت ہے۔ آزاد کشمیر کی حکومت اگر ان میں سے کسی ایک نعرے کو بھی اپنا نظریہ بنائے گی تو وہ کشمیریوں کی قربانیوں سے اسی نادانستہ غداری اور ہٹ دھری کی مرتکب ہوگی جس کا ارتکاب شیخ عبداللہ کر چکا ہے اور اگر حکومتِ پاکستان صرف ”حصولِ کشمیر“ کو اپنی حمایت کی بنیاد بنائے گی تو عالمی حمایت سے محرومی کے علاوہ جدوجہدِ آزادی میں مصروف کشمیریوں کیلئے پاکستان اور بھارت کے عزائم میں فرق کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پاکستان اسلامی نظریاتی مملکت ہے اور ہر اس تحریک کی عملی حمایت کرنا اس کا فرضِ منصبی ہے جس کی اساس اسلام کی عظمت و ہر بلند ی ہو۔

(دسمبر ۱۹۹۱ء)

مصطفوی انقلاب کارواں دواں قافلہ

تحریک کیا ہے؟ متحرک رہنا اور متحرک رکھنا۔ اس کا متضاد سکوت، جمود اور ٹھہراؤ ہے۔ کائنات کی ہر زندہ چیز متحرک ہے، گویا تحریک زندگی کی شرط ہے اور جمود و سکوت موت کی علامت۔ انسانی جسم کو ہی لیجئے اس میں خون گردش کرنا بند کر دے یا دل دھڑکنا چھوڑ دے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نظام کائنات کو دیکھیے، ہوائیں چلنے کا ہنر کھودیں تو انسان فوراً دم گھٹ کر مر جائے، پانی میں روانی کی خصوصیت نہ رہے تو زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح چاند، سورج اور ستارے اپنے راستوں پر پابندی سے چلنا چھوڑ دیں تو گردش لیل و نہار کا یہ خوبصورت سلسلہ منقطع ہو جائے۔ الغرض کاروان حیات لمحہ بہ لمحہ حرکت پذیر ہے اور یہی تحریک تقاضائے فطرت ہے کہ.....

حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اس لئے شاعر فطرت شناس اقبال نے کہا۔

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سفر زندگی کیلئے برگ و ساز سفر ہے حقیقت خضر ہے مجاز

تحریک دراصل اسی ذوق سفر کا نام ہے جو انسان کو خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رکھے۔ جو لوگ اس ذوق سفر سے عاری ہوتے ہیں وہ شاہراہ حیات میں درماندہ راہرو کی طرح تھک ہار کر جیتے جی مر جاتے ہیں اور جو عشق و جنوں کو راہرو بناتے ہوئے مقصود تک پہنچنے کا عزم کر لیتے ہیں فطرت ان کے سامنے رازہائے سر بستہ اگل دیتی ہے۔

اسلام چونکہ زندہ دین ہے اس لئے اس کی فطرت و ماہیت میں بھی تحریک ہے۔ گویا اسلام سراسر تحریک ہے اور مسلسل تحریک۔ نہ اس کی تعلیمات میں جمود ہے اور نہ اس کے ماننے والے جامد و بے حس ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جہاں یہ سکوت و جمود طاری ہو سمجھ لیں

وہاں اسلام کی روح مفقود ہے۔ جس طرح ہر زندہ چیز کی زندگی کا دار و مدار مخصوص خوراک پر ہوتا ہے اسی طرح اسلام کی قوت کا انحصار جہاد و اجتہاد میں مضمر ہے اور اسلامی تحریک ان دونوں ارکان کا مجموعہ ہوتی ہے۔

آفریش آدم سے چونکہ ابلیسی قوتیں بھی اپنے مشن میں مستعد ہیں اس لئے انسانیت کی صحیح راہنمائی کیلئے اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کا طویل سلسلہ قائم فرمایا۔ انبیاء و مرسلین اپنے راستے میں حائل آتش و آہن کی دیواریں توڑتے اور خون کے دریا عبور کرتے ہوئے اپنے عظیم فریضہ منصبی سے عمدہ برآء ہوتے رہے حتیٰ کہ رونق بزم کائنات حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہو چکا تو اعلیٰ کلمۃ الحق کا مشن جاری رکھنے کیلئے صحابہ کرامؓ میدان عمل میں سرگرم رہے اور بعد ازاں حضور کی امت کے علماء و مصلحین کو یہ پیغمبرانہ مشن سونپ دیا گیا۔

دین اسلام کو قیامت تک زندہ و جاوید رکھنا اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے۔ اس لئے ہر دور میں باطل طاغوتی سازشوں کا مقابلہ کرنے والے نفوس بھی پیدا ہوئے جنہوں نے غلبہ دین کی تحریک کو نسل در نسل منتقل کیا اور یہ تسلسل انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح قائم رہے گا۔ ہر دور میں جب ظلم حد سے بڑھے، نافرمانوں نے سرکشی اختیار کی، جبینین خدا کے حضور جھکنے کی جائے طاغوتی و استعماری بتوں کے سامنے جھکنے لگیں تو قدرت نے ہر بار اسی سر زمین سے کسی موسیٰ کو منتخب کیا اور وقت کے فرعون کی سرکوبی کا سامان کر دیا۔

آج کا دور بھی اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔ اس وقت امت مسلمہ بالخصوص اور جملہ انسانیت بالعموم اضطراب و بے چینی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ فرنگی تہذیب کی فتوحات عارضی ثابت ہو چکی ہیں۔ شاخ نازک پر بنے ہوئے سب آشیانے باری باری زمانے کی دسترس سے بکھر رہے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی ممالک میں کار فرما سیاسی و سماجی فکر جو مادیت سے مستعار لیا گیا تھا، ملت کے لئے باعث تنزل و انتشار بن چکا ہے۔ امت اس وقت سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، روحانی، مذہبی، دینی، علمی، فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبارات سے

مکمل زوال اور تباہ کن ابتلاء کا شکار ہے۔ منصب امامت کا فریضہ ادا کرنے والی یہ امت اب شیطانی شکنجوں میں جکڑی ہوئی ہے اور اپنے اعمال کے باعث حد درجہ ذلت و رسوائی کا سامنا کر رہی ہے۔

۔ نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ رواں کیلئے
اس پس منظر میں عالمی اسلامی انقلاب کی نقیب تحریک منہاج القرآن کے مشن، پروگرام اور مقبولیت عامہ کو دیکھیں تو دل سے آواز اٹھتی ہے کہ یہ تحریک اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ بانی و سرپرست اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ و اقتضا اس دورِ قحط الرجال میں درماندہ کارواں کے وہ جرأت مند اور بے مثل راہنما ہیں جن کی تکبیر مسلسل صحراؤں، بیابانوں، شہروں، بستیوں، کھیتوں، کارخانوں اور کہساروں میں توحید و رسالت کے دلاویز نغمے بکھیر رہی ہے۔ وطنِ عزیز سے لے کر بیرونِ ملک اور مساجد سے لے کر یورپ کے صنم کدوں تک اس درویشِ خدا مست کی للکار نے ایک جہاں آباد کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ”محمد طاہر القادری“ اس وقت ایک بغاوت ہے اس دور کے بدست حکمرانوں کے خلاف، ایک تحریک ہے طاغوتی نظام کے علمبرداروں کے خلاف، ایک چیلنج ہے عالمی غنڈوں کے لئے، ایک نقیب ہے بھٹے ہوئے کارواں کا، ایک صدا ہے بھولے ہوئے نغمے کی، ایک درد ہے ملت کے درماں کا، ایک دوا ہے مرضِ کہن کی، ایک چراغ ہے ظلمتِ آفاق میں، ایک امید ہے صدیوں کی حرماںِ نصیبی کے بعد، ایک تعبیر ہے لاکھوں سہانے خوابوں کی، ایک دھڑکن ہے بے قرار دلوں کی، ایک آرزو ہے مچلتے ہوئے جذیوں کی، ایک نور ہے منتظر نگاہوں کا، ایک نوید ہے مصطفوی انقلاب کی اور کیوں نہ کہوں کہ ایک دانائے راز ہے بزمِ عشق کا۔

آپ کی سرپرستی میں رواں دواں مصطفوی انقلاب کے قافلہٴ عشق و مستی کا دس سالہ سفر بڑے دلچسپ، عجیب اور حیران کن مراحل سے ہوتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ نادان دوستوں کی مخالفت بھی ہے، دانا دشمنوں کی تباہ کن سازشیں بھی ہیں اور جماعت کی

آستینوں میں بت بھی لیکن تحریک منہاج القرآن نعمہ محبت ہے، پیغام اتحاد ہے "صدائے انقلاب ہے جو فضاؤں میں پھیل چکی ہے اور اسے پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

یہ نعمہ فضلِ گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لالہ الا اللہ

عظیم تحریکی ساتھیو! سر بھٹ چلتے رہو آپ کے قدموں کی آہٹ باطل سامراج سن چکا ہے۔ ہم نے اسے دینِ حق کی صداقت کا یقین دلانا ہے اور اس کے ظلمت کدوں کو گرانا ہے۔ تحریک کے دس سالہ سفر پر مشتمل یہ اشاعت آپ قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ وقت اور صفحات کی پابندی نے اس لامتناہی سلسلے کو یہاں تک روک دیا ورنہ آپ کے جذیوں اور شبانہ روز مشقت سے سینچا ہوا گلستان تو بڑا وسیع ہو چکا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ہر گل کی مہک آپ تک پہنچے۔ مشرق و مغرب میں بیٹھے ہوئے تحریکی بھائی ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے آگاہ ہوں اور اسی جوش و جذبے سے منزلِ مقصود کی طرف گامزن رہیں۔ اگر کسی ملک، تنظیم یا ساتھی کا اس کی شایان شان ذکر نہ ہو سکا ہو تو اسے ہماری معذوری سمجھیں اور آئندہ کیلئے مناسب راہنمائی فرمائیں۔ ان ادارتی کلمات کے ساتھ ہی میں "حدیثِ دل" کے صفحات سے اجازت چاہتا ہوں۔ آئندہ ملاقات اندر کے صفحات پر ہوا کرے گی انشاء اللہ العزیز۔

(دس سالہ کارکردگی نمبر مارچ ۱۹۹۲ء)

پاکستانی سیاست کے لیے

معزز قارئین: ”حدیثِ دل“ کے صفحات میں ایک بار پھر آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس تین سالہ عرصہ مفارقت کے آخری دو سال مجھے حصولِ علم کی خاطر عالمِ اسلام کی ہزار سالہ پرانی مادرِ عملی ”جامعۃ الازہر“ میں گزارنے کا شرف حاصل رہا۔ اس عرصہ میں جہاں علمی، فکری اور تحقیقی سرگرمیاں جاری رہیں وہاں بہت سے نئے مشاہدات اور تجربات بھی ہوئے۔ سب سے بڑا تجربہ یہ ہوا کہ میں نے پہلی بار پاکستان کو قریب سے دیکھا..... جی ہاں واقعی ایسا ہوا..... قاہرہ دنیا کا گنجان آباد اور MULTINATION شہر ہے اس لئے ہمیں ایک دو نہیں، بیسیوں ممالک کے لوگوں سے بار بار واسطہ پڑتا رہا اور ہر جگہ ”پاکستانی“ کا نیا مشاہدہ ہوا۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہونے کی حیثیت سے عالمِ اسلام کا مرکز اور مضبوط قلعہ تصور کیا جاتا ہے۔ لوگوں کی نظروں میں اس کے عظیم ہونے کی وجوہات کئی ہو سکتی ہیں لیکن حقیقت کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہم خود بھی غور کریں اور دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اچھائیاں اور برائیاں ہر ملک میں ہوتی ہیں لیکن ہم اپنے گریبان میں جھانک کر کسی بھی مہذب قوم سے اپنا موازنہ کر لیں تو معلوم ہو گا کہ بحیثیت قوم ہم بہت بڑے گھاٹے کی طرف جا رہے ہیں۔ اس کا سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے ہمارا موجودہ نظامِ سیاست۔ ورنہ اس فاقہ کش قوم کی تاریخ جراتوں اور عظمتوں کی تاریخ ہے۔

اس کی دینی غیرت و حمیت اور مذہب سے غیر مشروط عقیدت نے اب بھی مغرب کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ اس سر زمین کے رکھوالے چپے چپے پر اس کی حفاظت کیلئے اپنے سر ہتھیالوں پر لئے کھڑے ہیں۔ یہ جوان بھوک میں سیاچین کی برف چبا کر بھی اپنے جسم میں خون نہیں جمنے دیتے اور اس کے حکمران ہیں جو اس قوم کا گرم خون چوس کر

بھی بے حس اور بے جمیت ہو چکے ہیں۔ یہ پاک سر زمین جس کی خاک کے ایک ایک ذرے میں ہمارے آباؤ اجداد کا خون جذب ہے، جس کے ایک ایک چپے میں تقسیم ہند کے وقت ہماری قوم کے بوڑھوں، بچوں اور نوجوانوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرتے رہے۔ قدم قدم پر ہماری بہنوں، بیٹیوں کی عصمتیں تار تار ہوئیں، ان کے سہاگ لٹے اور بوڑھی ماؤں کے جگر گوشے ان کے سامنے کرپانوں سے ریزہ ریزہ کئے جاتے رہے۔ یہ سب کچھ کیا اس لئے ہوا کہ محض ایک خطہ زمین حاصل کر کے ان بد مست حکمرانوں کے حوالے کر دیا جائے جہاں یہ اپنی من مانیوں کرتے پھریں؟

نہیں، ہرگز نہیں بلکہ ان قربانیوں کا مقصد یہ تھا کہ یہاں خدائی قوانین اور مصطفوی نظام نافذ العمل ہو۔ یہ ملک ریاستِ مدینہ کے نظریے پر بنایا گیا تھا تاکہ یہاں سرکارِ مدینہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے نقوش واضح نظر آسکیں لیکن صد افسوس کہ آگ اور خون سے گزر کر آنے والا یہ کارواں اپنی پہلی منزل پر ہی لٹ گیا۔ اسے لوٹنے والے باہر کے نہیں اسی دھرتی کے ”وڈیرے“ تھے۔ وہ جو اس وقت بھی استعمار کے پھوٹتے اور آج بھی ہیں۔

ضمیر فروشی اس وقت بھی ان کا کاروبار تھا اور آج بھی ہے۔ دنیوی جاہ و حشمت اور مال و دولت اس وقت بھی ان کا دین و مذہب تھا اور آج بھی ہے۔ یہ نہ اس وقت قومی اور ملی غیرت رکھتے تھے اور نہ آج رکھتے ہیں۔ پاکستان کا مطلب چونکہ لا الہ الا اللہ بتایا گیا تھا اس لئے اس مظلوم قوم نے اس عظیم نظریے کیلئے بے دریغ قربانیاں دیں لیکن اس قوم پر سب سے بڑا ڈاکہ یہ پڑا کہ اس کا نظریہ ہی اس سے چھین گیا۔ نظریہ چونکہ جدوجہد اور قربانیوں کا محرک تھا، یہ نہ رہا تو عمل کی جہتیں اور مقصود خود بخود بدل گیا۔ ۱۹۴۷ء سے قبل پوری قوم ایک ملک کی تلاش میں تھی۔ قیادت مخلص تھی اور تلاش کا نظریہ برحق تھا اس لئے ملک مل گیا۔ نظریہ جب بدل گیا تو اب نصف صدی سے پورا ملک اس قوم کی تلاش میں سرگرم ہے اس قیادت کو ترس گیا ہے جو اس کی تکمیل نہ سہی سلامتی و وجود کی ضامن تو ہو۔

نصف صدی کے بعد بھی ہم ترقی معکوس کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ہم تعمیر و ترقی

اور استحکام کی سوچ سے عاری ہیں۔ ہمارے بعد آزاد ہونے والے بیسیوں ممالک ہم سے ترقی میں کوسوں آگے نکل گئے ہیں۔

یاران تیزگام نے منزل کو جالیا ہم محو نالہ جرس کارواں رہے
 قدم آگے بڑھیں بھی کیسے کہ ہر موڑ پر تو رہزن تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں جو
 مسلسل لوٹ رہے ہیں۔ مکار دشمن کے ان ایجنٹوں نے ہمیں بطور قوم ابھرنے ہی نہیں دیا۔
 جب کسی صاحب درد نے قومی شعور پیدا کرنا چاہا ان کی طرف سے صوبائی، لسانی، جغرافیائی اور
 نسلی فسادات کا تحفہ ملا۔

محدود مفادات، ناقص حکمت عملیوں اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے آئے روز مسائل و
 مشاغل میں ہم نے خود ہی اضافہ کیا۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کعبے پر ایمان
 رکھنے والی یہ قوم ابھی تک صوبائیت اور لسانیت کے بتوں کو پوج رہی ہے۔ آدھا ملک ضائع
 کرنے کے بعد بھی ہمیں ان لٹیروں کی سمجھ نہیں آسکی اور اب ”جناح پور“ ”سندھودیش“
 ”پختونستان“ ”بلوچستان“ اور ”جاگ پنجابی جاگ“ کے نعرے بھی گونج رہے ہیں لیکن کیا
 مجال کسی کوزیاں کا احساس تک ہوا ہو یا کبھی سر جوڑ کر ان رستے ہوئے زخموں کو مندمل کرنے
 کا سوچا گیا ہو۔ ایسا ہو بھی کیسے ہمارے ارباب اختیار تو باؤلے کتوں کی طرح اقتدار کی ہڈیوں پر
 جھپٹ رہے ہیں۔ ہوس چاہ و منصب کے یہ پجاری ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اتنے
 سرپٹ دوڑ رہے ہیں کہ ایک قدم رک کر اس تنے کو چبانے کا سوچ بھی نہیں رہے جس کی
 شاخوں پر ان کے آشیاں قائم ہیں۔ مصالحت، افہام و تفہیم، صبر و برداشت، اخوت، رواداری،
 یکجہتی اور استحقاق یہ سب کچھ ان کے نزدیک فرسودہ تصورات اور بے معنی لغت ہے۔ لوگ
 مرتے ہیں، شہر جلتے ہیں، بستیاں اجڑتی ہیں اور گھر ویران ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔

دزیا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
 کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

ہمارے ملک میں لا قانونیت، بے عملی اور من مانی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ یہاں
 مسلمہ علمی اصطلاحات نے بھی اپنے معانی بدل لئے ہیں۔ یہاں رشوت کو ضرورت، سفارش

کو مروت، فحاشی کے سیلاب کو تفریح، فرقہ پرستی کو نظریاتی تشخص، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کو استحقاق، قتل و غارت گری کو تطہیر معاشرہ اور منشیات کے استعمال کو عادت کا نام دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح بے ایمانی میں بے خونی کی آمیزش دلیری کہلاتی ہے۔ مخالفت برائے مخالفت، الزام تراشی، گالی گلوچ، جھوٹ فریب، ”لوٹے“ ”لفافے“ یہ سب سیاست کے مفاہیم ہیں۔ سٹرکوں پر بھنگواڈالنا، راستوں میں شور و غل، چھتوں پر غبارے چھوڑنا، اسمبلیوں میں کرسیاں چلانا اور چوہے چھوڑنا ”پاکستانی جمہوریت“ کا حصہ ہے۔ اسی طرح حقائق کو مسخ کرنا، افراتفری، عزتوں کی تذلیل، جرائم کی تشہیر اور پگڑی اچھالنا جدید صحافت کا طرہ امتیاز ہے۔

وڈیرہ شاہی نے اس ریاستی نظام میں بری طرح اپنے نیچے گاڑے ہوئے ہیں۔ اس ننگِ ملت سیاست کے اصل مہرنے بھی یہی وڈیرے جاگیر دار ہیں۔ یہ طبقہ پاکستانی قوم کی قسمت پر نجانے کب تک مسلط رہے گا۔ المیہ یہ ہے کہ یہ خود تو کجا ان کے در آمد شدہ کتے اور گھوڑے بھی ان کے ہاں عام انسانوں سے زیادہ قابل التفات ہیں۔ آج بھی ہمارے دیہاتوں میں چودھریوں کے ظلم کا راج زمانہ ماقبل اسلام سے بدتر ہے۔ ہزاروں فرعون صفت وڈیرے آئے روز حواکی بیٹیوں کو سر بازار بنگار قص کرواتے ہیں لیکن ان انسان نماد رندوں کیلئے کوئی قانون بنا ہی نہیں۔ بنتا بھی کیسے کیونکہ قانون سازی کے منصب پر بھی تو یہی براجمان ہیں۔

ایسے میں نیو کلئیر پالیسی، کشمیر پالیسی، توانائی کے بحران کا حل، ملک میں تعلیمی مسائل، بے روزگاری، منشیات پر پابندی، تفرقہ پروری کی لعنت سے نجات اور روز بروز کمزور توڑ مہنگائی جیسے قومی مسائل کیسے حل ہوں؟ یہ تو ہے ہمارے اندر کی صورتحال۔ ذرا باہر نظر دوڑائیں تو اسلام دشمن طاقتوں کے عزائم دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کشمیر میں ظلم و بربریت اور سفاکی کی تاریخ نئے ریکارڈ قائم کر رہی ہیں اور اس کا وکیل پاکستان ہے جو اپنی ناکام اور غیر واضح خارجہ پالیسی کے باعث تاریخ کے اس نہایت اہم اور نازک موڑ پر اکیلا کھڑا اقوام عالم کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ”آسمان! ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک“

(نومبر ۱۹۹۴ء)

قرار دادِ کشمیر۔۔ خونِ شہداء سے ایک اور بے وفائی

مسلمانانِ کشمیر پر مظالم کی تاریخ تو کافی پرانی ہے، لیکن اس کا باقاعدہ آغاز ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کے اس ”معہد امرتسر“ سے ہوا جب دنیا میں پہلی مرتبہ ایک ”مہذب قوم“ نے انسانوں کو ان کی وطن سمیت ہندوؤں کو گروہ گلاب سنگھ کے ہاتھ ۷۵ ہزار روپے میں فروخت کر دیا تھا۔ اسی وقت سے ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنا شروع ہوئے اور ردِ عمل کے طور پر مزاحمت بھی اسی دور میں شروع ہو گئی۔ اس مزاحمتی شعور نے ۱۹۳۱ء میں سیاسی پلیٹ فارم پر منظم ہو کر باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ ادھر پورے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کے ردِ عمل کے طور پر تحریکِ پاکستان کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے کشمیری مسلمانوں کی تحریکِ آزادی بھی اسی دھارے میں بہتی رہی۔

چونکہ پاکستان برصغیر کے ستم رسیدہ مسلمانوں کے خوابوں کی تعبیر اور تمناؤں کی تکمیل تھی اس لئے کشمیری مسلمانوں نے بھی اپنے مستقبل کو اسی دھرتی سے منسوب کر دیا۔ یہ انتساب کوئی جذباتی یا وقتی فیصلہ نہیں تھا بلکہ ہزاروں سالہ تاریخی ثقافتی اور دینی یکجہتی کا منطقی نتیجہ اور فطری تقاضا تھا۔ مگر تاریخ کے اس نازک موڑ پر مظلوم قوم ایک بار پھر مہاراجہ کے ہاتھوں فروخت ہوئی اور دوسری طرف نو مولود پاکستان سے مدد کو جانے والے پختون بھائیوں کے غیر متوقع ناز و اسلوک اور ظلم و بربریت کا نشانہ بنی۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ کشمیر کا واحد فعال لیڈر شیخ عبداللہ ”شیر کشمیر“ سے دشمن کشمیر بن گیا۔ اس نے شہیدوں کے خون کی نیلامی پر بھارت سے اقتدار کا انعام حاصل کیا۔

۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ ہوئی پاکستانی افواج کے ایمانی جذبوں سے بھارت نے مات کھائی اور ”آپریشن جبرالٹر“ کے نام سے فوجیں کشمیر کے اندر گھس گئیں اس سے پہلے کہ یہ آپریشن کامیاب ہو تا روس کی زیر نگرانی ”معہدہ تاشقند“ کا کھیل کھیلا گیا اور میدان

.....
 میں جیتی ہوئی تاریخی جنگ ایوب خان مذاکرات کی ٹیبل پر ہار کر آگیا۔ اس معاہدہ کی کوکھ سے ذوالفقار علی بھٹو ”واحد قومی ہیرو“ بن کر ابھر اور نتیجہ پاکستان پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم پر قومی انتخاب میں مشرقی پاکستان سے واضح منڈیٹ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ وطن عزیز دونوں طرف کرسی اقتدار کی بھینٹ چڑھا اور دولخت ہو گیا۔

۱۹۷۱ء میں پاکستان اور بھارت تیسری مرتبہ آمنے سامنے تھے۔ پاکستان اپنے علاقے ناندیش حکمرانوں کے ہاتھوں بنگال میں پسپا ہوا اور تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ ۹۰,۰۰۰ مسلح اسلامی لشکر نے ہندو جیسے بزدل دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال کر ”شجاعت و جوانمردی“ کی نئی مثال قائم کی۔ یہ جنگ چونکہ چالاک ہندو کانادان پاکستانیوں سے ۱۹۶۵ء کی شکست کا انتقام تھا اس لئے اسے بھی کشمیر کے کھاتے میں جمع کر دیا گیا۔ بھارت نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے دولخت اور کمزور پاکستان کے راہنماؤں کو مذاکرات کی میز پر بلا کر اپنی من مانی شرائط دستخط کرائے جس میں سرفہرست کشمیر سے دست کشی تھی اور واضح طور پر یہ طے پایا گیا کہ آئندہ مسئلہ کشمیر بین الاقوامی سطح پر نہیں اٹھایا جائے گا۔ اندرا گاندھی اور بھٹو کے درمیان ہونے والا تاریخ کشمیر کا یہ بدترین واقعہ ”شملہ معاہدے“ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ معاہدہ دراصل شکست خوردہ قیدی افواج کی رہائی کے بدلے میں ایک مظلوم مسلمان قوم کے مستقبل کا سودا تھا۔ مگر ہماری نادان قوم نے اس پر بھی بھینچوٹے ڈالے، نعرے لگائے اور سودا کرنے والوں کو قومی ہیرو بنا ڈالا۔ پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دھریا، قوم کے یہ سوداگر کرسی اقتدار سے اتر کر پس دیوار زنداں اور پھر تختہ دار سے ہوتے ہوئے راہی عدم ہو گئے۔

اس دوران کشمیر میں ایک نئی نسل ہوش سنبھال رہی تھی، اس کے سامنے معاہدہ امرتسر ۱۸۴۶ء سے لے کر معاہدہ شملہ ۱۹۷۲ء تک کی تاریخ اور ان کے کرداروں کا انجام بھی تھا اور ۱۴ سو سالہ اسلامی تاریخ بھی۔ ایسی تاریخ جس کا ہر باب خودداری، جوانمردی، شجاعت اور دینی غیرت و حمیت پر جانیں قربان کرنے والوں کے خون سے رقم ہے۔ اتفاق سے افغانستان میں بھی اسی تاریخ عزیمت کا ایک نیا باب لکھا جا رہا تھا۔ ملت کشمیر کا پیانہ صبر

سے لبریز ہو گیا اس کے جوانوں نے بھی اوائل ۱۹۹۰ء میں بھارتی مظالم کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا اور سر بھٹ میدان میں اتر آئے۔ بھارت نے مسلح افواج کے دستے بھیجنے شروع کر دیئے اور اب وادی میں چھ لاکھ درندے نہتے مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں۔ اہل کشمیر اس کسمپرسی کے عالم میں دنیا کے بدترین اور بے اصول دشمن سے نبرد آزما ہیں۔ کفر و اسلام کی اس کھلی جنگ میں مظالم کا لامتناہی سلسلہ عالمی طاقتوں اور خاص طور پر عالم اسلام کی غیرت و حمیت بیدار کرنے کیلئے اگرچہ کافی تھا، مگر خلاف توقع ہمیں بین الاقوامی سطح پر ایک سال میں تین بار ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ۲۴ نومبر ۱۹۹۳ء جنرل اسمبلی میں پھر مارچ ۱۹۹۴ء میں جینیوا کی انسانی حقوق کانفرنس میں اور اب ۱۰ نومبر ۱۹۹۴ء جنرل اسمبلی کی فرسٹ کمیٹی میں۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ پاکستان کے دوست اسلامی ممالک بھی پاکستان کا ساتھ چھوڑ گئے، حالانکہ اس قرار دار کا متن اتنا مبہم اور غیر واضح تھا کہ اگر منظور ہو بھی جاتی تو کشمیر کی تقدیر بدل نہیں جانی تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس نازک موڑ پر ایس قدر بے بس کیوں ہو گئے؟ کیا یہ اس لئے تو نہیں کہ ایک صحیح اور مبنی بر حق مسئلے کو دوسروں تک نہیں پہنچا سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ شروع سے ہی پاکستان کی خارجہ پالیسی انتہائی ناقص اور خطرناک حد تک غیر تسلی بخش رہی ہے۔ کشمیر جیسا بنیادی مسئلہ جو پاکستان کی موت و حیات کا مسئلہ ہے اس پر ہم قطعاً غیر سنجیدہ بلکہ مجرمانہ غفلت کے شکار ہیں۔ وہاں برف پوش وادیاں خون آلود ہیں، ہنستی بستی بستیاں شہداء کے قبرستان بن چکے ہیں اور ہماری حکومت ہے کہ وہ پوری دنیا میں نا اہل سفارتی و فوڈ بھیج کر ان سے استہزاء کرتی ہے۔ سیر سپاٹے کے رسیا، رنگیلے و فوڈ باہر کر جا کر محافل شراب و شباب سے لطف اندوز ہو کر آتے ہوئے متعلقہ سفارتکاروں کو لاکھوں روپے کے بل تھما دیتے ہیں جو غریب عوام پر ٹیکس لگا کر بعد ازاں ادا ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی میں ۳۴ ارکان کا وفد UNO روانہ ہوا، اس میں سب بچے اور نا اہل لوگ تھے۔

تعجب ہے کہ قرارداد کیلئے کئی ماہ سے شور مچانے والی حکومت نے خود ہی یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اس قرارداد کی کامیابی یا ناکامی کا تحریک آزادی کشمیر سے کوئی تعلق نہیں

اور یہ کوئی اقوام متحدہ مردہ گھوڑا ہے۔ اگر ایسا تھا تو اتنے لمبے چوڑے لشکر کی کیا ضرورت تھی کہ وہ امریکہ کے FIVE STAR ہوٹلوں میں غریب قوم کی دولت اڑاتے رہے اور مردار گھوڑے پر لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کا مشورہ کس حکیم نے دیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرار داد دراصل کشمیری مسلمانوں کی قربانیوں کی رائیگاں کرنے کیلئے اسلام دشمن عالمی طاقتوں کے اشارے پر پیش نہیں کی گئی۔ ہم بجا طور پر یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان کا موجودہ وزیر خارجہ اور دفتر خارجہ کے ذمہ دار حضرات اس تاریخی بددیانتی کا موجب ہیں اور عالمی سطح پر یہ ڈرامہ ۵۰ ہزار شہیدوں کے خون اور ہزاروں مسلمان خواتین کی لٹی ہوئی عصمتوں سے بے وفائی اور غداری ہے۔ خود وفد کے سربراہ اور کشمیر کمیٹی کے صدر صاحبزادہ نصر اللہ بارہا اس کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اگر پاکستان کشمیر کو اپنے وجود کا حصہ سمجھتا ہے تو صاف ظاہر ہے وہ براہ راست حالت جنگ میں ہے اور ہر بار شعور شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جو قوم اپنی بقاء کی جنگ میں دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہو اس کی اسمبلیوں میں دنگل کوچہ بازار میں فحاشی، محافل عیش نشاط میں شراب شباب کے مناظر دکھائی نہیں دیتے۔ کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ ماننے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر شہ رگ سے خون کے فوارے بلند ہو رہے ہیں اور باقی وجود گلچہرے اڑا رہا ہے تو نتیجہ کیا نکلتا ہے ڈیڑھ سو سالہ تاریخ اور موجودہ صورت حال کو دیکھ کر رد عمل کے طور پر کشمیری نوجوان نسل اگر تیسری آئین کی بات کرتے ہیں تو ہم انہیں ہندو کی اولاد اور غدار کہتے ہیں لیکن اپنے کارناموں پر غور نہیں کرتے، یہی حال سندھ میں ہے اور اب تو سرحد میں بھی شریعت کا نام لینے والوں کو گولی اور بارود کی زبان سے باز رکھنے کی کوشش کر کے وطن عزیز کو ایک اور آزمائش میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ اور ہاں ۲۵ دسمبر کو یوم قائد اعظم ہے۔ نصف صدی کے بعد ایک بار پھر یہ دل گرفتہ اپنے قائد کو اس کے لہو لہو پاکستان کی مبارکباد پیش کرے گی۔

(دسمبر ۱۹۹۴ء)



سال 95ء

لخت لخت امت..... قدم قدم حماقتیں

قارئین کرام کو ۹۵ء کا نیا عیسوی سال مبارک ہو۔ ۹۴ء کا سال بھی امت مسلمہ کو مسائل کے بھنور میں چھوڑ کر گزر گیا۔ کہتے ہیں وقت ایک تیز دھاری تلوار ہے اس کو صحیح استعمال کیا جائے تو انسان فتح و نصرت کا مالک بنتا ہے ورنہ یہ اسے بھی کاٹتے ہوئے آگے نکل جاتا ہے۔ وقت کی قدر و قیمت کرنے والی تو میں سر افلاک چمکتی ہیں اور ناقدری کرنے والی خس و خاشاک کی طرح حوادث زمانہ کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اکیسویں صدی کی طرف بڑھتی ہوئی امت مسلمہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ پچھلی دو صدیوں سے اس کے شب و روز دانا دشمنوں کی پیہم عاز شوں کا شکار ہیں اور ہمارے ارباب اختیار ہیں کہ وقت کی نزاکت سے قطعاً بے خبر۔ آئے روز نئی سے نئی حماقت کا ارتکاب کئے جا رہے ہیں۔ قبائے امت مسلمہ لہو لہو ہے، عالم کفر ملت کے اجزاء کو آپس میں تقسیم کر کے صفحہ ہستی سے اس کا نام و نشان مٹانے کے درپے ہیں، لیکن نام نہاد عالم اسلام مہربلب ہے جدھر کان لگائیں مسلمانوں کی چیخیں اور سسکیاں، جس سمت نظر اٹھائیں مسلمانوں کے خون کی ندیاں، بے گور و کفن لاشے، کٹے ہوئے جسم، اجڑی ہوئی بستیاں اور جلتے ہوئے گھر ہماری غیرت پر نوحہ کناں ہیں۔ کشمیر، فلسطین، بوسنیا، برما اور اب چیچنیا جیسے ممالک میں اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے مسلمانوں کے سروں کی فصل کڑ رہی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم اپنے دشمن کو ازل سے پہچانتے ہوئے بھی بار بار اسی کی گودیں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ ہر بار وہ اپک ہاتھ سے پشت میں خنجر گھوپنتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے ہمارے منہ میں خیرات ڈالتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں یہی ہمارا آقائے نعمت ہے۔ گویا ہم عزت و وقار کی دولت سے تو محروم تھے ہی، اب عقل و شعور سے بھی عاری ہو چکے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیل کے ساحل سے لے کر تاشخاک کا شغریٰ اور مراکش

سے جنوب مغربی ایشیاء اور مشرق بعید تک پھیلی ہوئی ہر نعمت سے مالا مال اللہ تعالیٰ کی یہ پسندیدہ امت اس درجہ ذلیل و خوار کیوں؟ غور کیا جائے تو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے کہیں زیادہ اپنی حماقتیں نظر آئیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جغرافیائی اور مالی وسائل کے اعتبار سے بہترین خطہ دیا تھا مگر ہم نے اسے غیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ آخری امت ہونے کے باوصف ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل دین، قرآنی دستور اور سب سے بڑھ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی صورت میں گھر سے لے کر ایوان اقتدار تک ہر شعبہ حیات میں بہترین راہنمائی میسر تھی لیکن ہم نے شرف و کرامت کی ان ساری نسبتوں کو اپنے لئے توہین سمجھا اور انسان ساختہ قوانین کا طوق غلامی اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوستی اور دشمنی کا جو معیار دیا تھا ہم نے اس کے برعکس کفار و مشرکین سے محبت کی پیٹنگیں بڑھائیں اور اپنوں سے بیگانے ہو گئے۔ یوں ہم نے دینی شناخت، نظریاتی تشخص، ثقافتی معیار اور علمی برتری کو خود ہی فراموش کر دیا لہذا قدرت نے ہمیں عظمت و رفعت کی کہکشاؤں سے اٹھا کر ذلت کی پستیوں میں دے مارا۔

بیسویں صدی میں اسلامی تاریخ کے چند افسوسناک واقعات جنہوں نے ملت اسلامیہ کی وحدت اور وقار کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ان میں پہلی جنگ عظیم کے بعد ترک ناداں کا اپنے ہاتھوں سے قبائے خلافت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد شرق الاوسط کے مرکزی روحانی خطے میں اسرائیل جیسے ناسور کا قیام اور حالیہ خلیجی جنگ میں امریکہ بہادر کی ”شان و شوکت کے ساتھ مقدس سر زمین میں تشریف آوری“ خاص طور پر نمائیاں ہیں۔ ان میں ہر ایک واقعہ اپنی جگہ غیر معمولی حماقت اور ناقابل تلافی نقصان تھا لیکن ہر ایک کا سبب خود مسلمان ہیں۔ پہلے دو واقعات کے بعد ہمیں حد درجہ احتیاط اور منصوبہ بندی کی ضرورت تھی لیکن سنبھلنے کی بجائے ہم نے تیسرے واقعہ کا خود اہتمام کیا۔ اس کے کرداروں کو تو آئندہ مورخ شاید بے نقاب کرے مگر ہمارے نزدیک

تاریخ اسلام میں اس دن سے شرمناک دن اور کوئی نہیں ہوگا جس دن اسلام کے روحانی مرکز خطہ عرب کے رکھوالے حکمرانوں نے امریکہ کی فوجوں کا آگے بڑھ کر گرجوٹی سے استقبال کیا۔

”حرم رسوا ہوا اہل حرم کی کم نگاہی سے“

کویت، سعودی عرب اور عرب امارات مضبوط اقتصادی ممالک ہونے کے باوجود چند سالوں میں اربوں ڈالر کے مقروض ہو چکے ہیں، عراق ادھ موا ہوا پڑا ہے، امریکہ اور مغربی ممالک مسلمانوں کا سرمایہ کھلے عام لوٹ رہے ہیں اور چھ چھ جانتا ہے کہ سینکڑوں سالہ یہودی منصوبہ بندی کے نقشے میں امریکہ رنگ بھر رہا ہے لیکن اب بھی عرب زعماء غفلت کی چادر اوڑھے بے حس و حرکت محو خواب ہیں۔ وہاں سفید چمڑی والے یہود و نصاریٰ انتہائی محترم و محبوب مخلوق ہیں گویا یہ امریکہ اور یورپ کے کفار نہیں بلکہ جنت سے اترے ہوئے فرشتے ہیں۔ جبکہ پاکستان اور دیگر ممالک کے مسلمان وہاں حیوانات سے بھی کم تر درجہ کے حامل ہیں اور اب تو انہیں بھی چن چن کر واپس بھیجا جا رہا ہے تاکہ مزاحمت کا ایک فیصد بھی چانس نہ رہے اور ”جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے“ یہاں طلوع ہونے والی ہر صبح ہلاکت و بربادی کا نیا پیغام لے کر آتی ہے، دن بھر مسلمان لٹتے ہیں، کٹتے ہیں مگر شام ڈھلتے ہی سوچ و فکر سے عاری یہ حکمران اور ارباب اختیار، محفل عیش و نشاط کی زینت بن جاتے ہیں۔ دینی و ملی شعور ختم ہو کر رہ گیا ہے، حال ہی میں کاسابلانکا میں ہونے والی ساتویں سربراہی کانفرنس O.I.C کو ہی لیجئے کسی مسئلہ پر اگر اتفاق ہوا ہے تو وہ یہ تھا کہ ہم اپنے ممالک میں بڑھتی ہوئی ”بنیاد پرستی“ کا مقابلہ کس طرح کریں؟ کاش۔۔! ان مسلمان حکمرانوں کی غیرت ایمانی اتنی تو ہوتی کہ انہیں کشمیر کے کوچہ و بازار میں بکھرنے والے مسلمانوں کے نکلنے، لہورنگ وادیاں اور جلتے ہوئے گھر نظر آجاتے۔ کشمیر نہ سہی، انہیں فلسطین میں ہر روز مرنے والے عرب مسلمان یا جلتی ہوئی مسجد ابراہیمی ہی نظر آجاتی جو حال ہی میں یہودیوں کے قبضے میں چلی گئی ہے، یوسنیا کے بعد ”چیچنیا“ ایک تازہ زخم لگا ہے، بد قسمتی دیکھیں کہ روسی

جرحیت کے واضح اعلان کے باوجود O.I.C میں اس کا ذکر تک نہیں ہوا۔ یوں لگتا ہے جیسے ان استعماری ایجنٹوں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ اسلام کا گلہ دبانے میں ہم بہر حال عالم کفر کا ساتھ دیں گے۔

”بنیاد پرستی“ کی لہر تو دراصل کفار کی اسلام دشمنی کے رد عمل میں ”اسلام پرستی“ کا شعور ہے اور عالم کفر کو اس وقت اسی عالمگیر شعور سے خطرہ ہے اور وہ اسی کو دبانے کیلئے تمام وسائل کام میں لا رہا ہے۔ اب اگر مسلمان ممالک بھی اپنے لئے اسی شعور کو سب سے بڑا خطرہ قراریں تو اسلام پھر کس چیز کا نام ہے؟ اور اسے ہم کس دنیا میں نافذ العمل دیکھنا چاہتے ہیں؟ اسلام کے خلاف خود مسلمان حکمرانوں کا یوں یکجا ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ انہیں اقتدار ایمان سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ یہ ہر قیمت پر اقتدار کی کرسی کو تحفظ دینا چاہتے ہیں چاہے دنیا میں ایک مسلمان بھی نہ رہے۔ ایسے میں لسانی، جغرافیائی اور مذہبی تفرقہ پروری میں پھنسا ہوا پاکستان جو مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز ہے، باطل سامراجی سازشوں کا مرکز بن چکا ہے اس کا سر (کشمیر) تو پہلے ہی بھارت کچل رہا تھا اب پاؤں (کراچی) کاٹنے کا سامان بھی ہو چکا ہے مگر ہم پھر بھی عقل و شعور سے کام لینے کی بجائے آئے روز سابقہ غلطیاں دہرا رہے ہیں۔ پوری قوم بے مقصدیت، سستی جذباتیت، عریانی و فحاشی اور کھیل کود میں مگن ہے۔ دینی اقدار کا جنازہ نکلا جا رہا ہے۔ لیکن ہم کسی فیصلہ کن لائحہ عمل پر متفق نہیں ہو سکے یہی وقت ہے کہ اہل فکر و دانش اور دیندار لوگ آگے بڑھ کر کفر و اسلام کی اس کھلی جنگ میں اپنا واضح کردار ادا کریں ورنہ قدرت ہم سے بھی وہی انتقام لے گی جو فلسطین، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا کے مسلمانوں سے لیا جا رہا ہے۔

(جنوری ۱۹۹۵ء)

عزیمت کا مسافر۔۔۔۔۔ عظمت کا پاسبان

عظمت کی منزلیں عزیمت سے گزر کر ہی نصیب ہوتی ہیں۔ عزیمت کیا ہے؟ حق کے راستے میں مصائب و مشکلات اور مخالفت اور مزاحمت کا مقابلہ ہے۔ تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک ایک ورق ان لوگوں کے کارناموں سے بھر پڑا ہے جو نیکی اور بدی کی جنگ میں اپنے عہد کے طاغوت کے خلاف ڈٹ گئے اور جان کی بازی لگاتے ہوئے احقاقِ حق کا فریضہ سرانجام دیا۔ یہی صاحبانِ عزیمت انبیاء کے وارث ہیں اور فی الواقع عظمت بھی انہی کا حصہ ہے۔ اقبال نے عظمت و عزیمت کا یہ معیار اپنے مصرعے ”زمانہ بہ تو سازد تو بہ زمانہ ستیز“ میں متعارف کروایا یعنی جو وقت اور حالات کے سانچوں میں خود نہ ڈھل جائے بلکہ حالات کو اپنے فکر و عمل کے سانچوں میں ڈھال دے۔ یہ مردانِ حق دیگر گوں حالات کے سامنے جھکتے ہیں نہ اصولوں کو مسخ ہونے دیتے ہیں بلکہ حالات سے جنگ کر کے ان اصولوں کو قائم رکھتے ہیں۔ یہ اپنے فکر و عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ حق باطل کے نظام میں ڈھلنے اور اس کا حصہ بننے کیلئے نہیں بلکہ کفرستانوں کو گلستان بنانے کیلئے آیا ہے۔

عظیم وہ ہوتے ہیں جو ہواؤں کے رخ کے ساتھ نہیں چلتے ہیں بلکہ ان سے ٹکرا کر آندھیاں اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ دینِ اسلام جس طرح دوسرے ادیان کے لئے چیلنج ہے اسی طرح پوری تاریخِ انسانی میں اہل دین بھی کفر و منافقت کیلئے کھلا چیلنج رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین مخالف ہوائیں مسلسل بھی ہیں اور خطرناک بھی۔ ان ہواؤں کے دوش پر ہر دور میں شیطنیت اور ابلیسیت تباہ کن فتنوں کے ساتھ محو سفر رہی ہے۔ اسی سے تمدن بدلتے ہیں، تہذیبیں بگڑتی ہیں، ثقافت سنجیدہ قدروں کی بجائے حیوانیت کا لباس پہن لیتی ہے اور نظریات کی مضبوط عمارتیں منہا ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ہواؤں کا رخ تبدیل کرنا جتنا ضروری ہوتا ہے اتنا ہی مشکل بھی۔ اسلئے کہ طوفانوں کا رخ باتوں سے

نہیں چٹانوں جیسے کردار کی مضبوطی سے مڑا کرتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی تہذیب کے آئینہ خانے میں قوموں نے اپنا بھیانک چہرہ دیکھا، مایوس ہوئیں اور تھک ہار کر حالات کے بہاؤ میں بہنے لگیں تو قدرت نے کسی ایسے مرد حق بن و حق آگاہ کو بھیج دیا جس نے تہذیب کے سینے پر کھڑے ہو کر باطل نظریات کو چیلنج کیا، اقدار کے مسمار اور بوسیدہ ٹکڑوں کو مجتمع کیا، اپنے فکر و عمل سے انہیں زندگی بخشی اور قوم کو ناقابل تسخیر قلعے تعمیر کر دیئے۔ افکار و نظریات اور کردار عمل کے یہی غیر مرئی (Invisible) قلعے دراصل اس کی عظمت کی علامت ہوتے ہیں۔

ہاں۔۔۔۔۔ عظیم لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی منزلوں کا سراغ خود لگاتے ہیں اور دوسروں کے ہموار کئے ہوئے راستوں پر چلنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ وہ اس راستے سے صرف خود نہیں گزرتے بلکہ زمانے کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کی نظر منزل پر ہوتی ہے کاروان سے کون نکلا، کون داخل ہوا اور ساتھ چلنے والے کون سے موڑ پر تھک کر ساتھ چھوڑ دیں گے؟ وہ ان اندیشوں سے مستغنی ہوتے ہیں، وہ الزامات کے خارزاروں، مخالفت کی گھاٹیوں اور حسد و بغض کے بوئے ہوئے کانٹوں کو روندتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں۔ انہیں وقت کی بھاری اور کھر درمی چکی کے پاٹ کبھی نہیں پس سکتے۔ ان کے اعصاب کی پٹریوں سے اذیت ناک حوادث اور ناخوشگوار واقعات کی بو جھل گاڑیاں مسلسل گزرتی ہیں مگر چہروں سے مسرتیں تقسیم کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اندر وہ معرکہ پسند جنوں ہوتا ہے جو کبھی ماند نہیں پڑتا، وہ عزم ہوتا ہے جو کبھی بوڑھا نہیں ہوتا بلکہ اس کی خوشبو اور ولولے بوڑھوں کو جوانی اور مردوں کو زندگی دیتے ہیں اور ہاں ان کی موج نفس تلوار بے نیام بن کر باطل کو بھسم کر دینے کی قوت و صلاحیت بھی رکھتی ہے پھر جب وہ بولتے ہیں تو سرحدوں کی لکیریں تبدیل ہوتی ہیں اور دنیا کے نقشے بدل جاتے ہیں۔ ایسے مرد ان حق مائیں روز روز نہیں جنتیں بلکہ بقول اقبال۔

تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

عمر ہادر کعبہ وہت خانہ می نالد حیات

صدیوں کے الٹ پھیر اور افلاک کی ہزاروں گردشوں کے بطن سے ایسا دانائے راز نمودار ہوتا ہے۔ اس کی سنگ راہ سے ہزار چشمے پھوٹتے ہیں۔ اسکے نفس شعلہ بار سے لاکھوں آفتاب نکلتے ہیں اور اس کی آہ شرر فشاں سے زندگی کی ہزاروں تاریکیاں مطلع انوار بنتی ہیں۔

۱۹ فروری ۱۹۵۱ء کو جھنگ کی سر زمین پر پیدا ہونے والا ”محمد طاہر“ نامی ایک چھ بھی یقیناً اسی بزم عشق کا دانائے راز تھا۔ اس کے ارادے فطرت کا ”سرور ازیلی“ تھے اس لئے ان کی تکمیل ماہ و سال میں مکمل ہوئی اور آج یہ ”مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری“ کے نام سے آسمان علم و فکر پر مثل آفتاب جگمگا رہا ہے۔ قائد تحریک محض مفکر، محقق، مصنف، عالم، خطیب اور ادیب بھی ہوتے تو ان کی عظمت کے قلعے معاصرین کے لئے ناقابل تسخیر تھے لیکن ان کی عظمت اس سے ذوق قدم آگے ہے۔ انہوں نے اپنے فکر و فلسفہ اور درد و سوز کو ایک نظام کے طور پر نافذ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور مردانہ وار اٹھایا ہے۔ گھریا دفتر کی چار دیواری میں بیٹھ کر کتب لکھنا اور لاکھوں کے اجتماعات میں ولولہ انگیز خطاب کر لینا اپنی جگہ جان جو کھوں کا کام سہی مگر مختلف خاندان، زبان اور نسل کے لوگوں کو جمع کر کے اپنا ہمنوا بنالینا اس سے کہیں مشکل عمل ہے۔

قائد دراصل وہ ہندسہ ہوتا ہے جس کے بغیر جتنے صفر ہوں وہ صفر ہی رہتے ہیں ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ قائد تحریک منہاج القرآن اپنے عہد کا ”وہی ہندسہ“ ہیں جن سے لاکھوں بے جہت لوگ منزل آشاء ہو کر مقصد حیات پارے ہیں۔ یہ اپنے عہد کی شناخت اور تاریخ کا محور ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم عصر دنیا ہمیشہ کی طرح انکی عظمتوں کو تسلیم کرنے میں بڑی تنگ دل واقع ہوئی ہے۔ بیشتر شخصیات اپنے محدود دائروں اور اپنی ارد گرد کی مصنوعی دیواروں کے حصار میں رہتے ہوئے ایسے مردان خدا کو پھلتا پھولتا اور مقبول عام شہرت و محبت حاصل کرتا دیکھ کر اندر ہی اندر جل بھن جاتی ہیں۔ ان کے اندر کا ابلیس اکڑ کر ”بچو ماد میگرے نیست“ کا نعرہ لگواتا ہے۔ خاصیت و عداوت

اور حسد جب بڑھ جاتے ہیں تو ہر طرف سے سنگ زنی بھی ہوتی ہے اور گمراہی کے فتوے بھی لگتے ہیں لیکن تاریخ دعوت و عزیمت گواہ ہے کہ یہ مخالفت ایسے لوگوں کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ معرکہ علم و استدلال ہو یا تعقل و تدبیر کا مرحلہ، کفر سے نبرد آزمائی ہو یا اپنوں سے واسطہ، ان کی صاف ستھری، مرتب، منظم اور باوقار شخصیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ہم نے شہرت کی زرنگار قبائوں میں بہت سے ”یگانہ روزگار“ دیکھے لیکن بہت کم ایسا ہوا کہ ایک پیکر میں ہزار رنگ ہوں اور ہر رنگ کی اپنی چمک۔

ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے نقیب! تجھ سے عظیم اور خوش قسمت اور کون ہوگا جس نے جیتے جی یہ منظر دیکھ لیا کہ تیرے فکر و عمل کے بیچ اطراف و اکناف عالم میں آگ کر ماحول کو خیاباں بنا رہے ہیں۔ تو نے ریزہ ریزہ امت اور ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے ہوئے انسانوں کو پھر سے درسِ اتحاد دیا ہے۔ تیرے دم قدم سے ہزاروں غافل اب اشک سحرگاہی سے وضو کرتے ہیں۔ تیری آواز پر لاکھوں دل گوش بر آواز ہیں۔ تیرے اشارے پر ہزاروں گردنیں کٹنے کو تیار ہیں، تو نے مادیت، نفسانیت اور حیوانیت کے بڑھتے ہوئے تہذیبی طوفان کے آگے عشق رسول ﷺ کی سیسہ پلائی ہوئی زریں دیوار کھڑی کر دی ہے۔ تو نے دلوں کی ویران بستٹیوں میں محبت الہی اور عشق رسول ﷺ کے سدا بہار گلستان اگادیے ہیں۔ تیرے وجود سے مستنیر کرنوں نے ملک کے کونے کونے میں علم کے چراغ جلانے شروع کر دیئے ہیں۔

خداوندا! اس بلبلی نغمہ سنج کو خود غرضی کے موسم خزاں میں دلاویز نغمے بکھیرنے کی توفیق دے، اس کے نور بھیرت کو عام کر دے، حاسدین پر فضل فرما اور اس کے چمن آرزو میں پروان چڑھنے والے ہم جیسے نکموں کو حسن عمل بھی دے اور توفیق عمل بھی۔

(فروری ۱۹۹۵ء)

یوم قرار و اوپاکستان..... اہداف اور ہمارے ”کارنامے“

بیسویں صدی عیسوی کا آغاز مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر چودہ سو سالہ تاریخ میں فتنہ تاتار کے بعد دوسرا نازک موڑ تھا۔ ایک طرف خلافت اسلامیہ کی صدیوں پرانی پر شکوہ عمارت یورپی استعمار کے ہاتھوں منعدم ہو رہی تھی تو دوسری طرف یہودی لابی نے سر جوڑ کر عالم اسلام کے خلاف دور رس سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ جس کا پہلا عملی قدم عربوں کے دل فلسطین میں گھس کر بتدریج اسرائیل کے قیام کی صورت میں اٹھایا گیا۔ برصغیر پاک و ہند کے حساس مسلمانوں پر سقوط خلافت عثمانیہ کے سانحے کا شدید رد عمل تحریک خلافت کی صورت میں ایک عرصہ تک جاہلی رہا لیکن برطانوی سامراج کی مضبوط گرفت نے خاطر خواہ نتائج پیدا نہ ہونے دیئے۔ یہاں مسلمانوں کا برطانوی سامراج کی ریشہ دوانیوں کے علاوہ ہندو جیسے بدترین اور بے اصول دشمن سے مقابلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اقبال کی طرح بعض زعماء برطانوی سامراج کے خلاف ہندو مسلم اتحاد کے مؤید تھے مگر پے در پے تلخ واقعات نے ان پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ مسلمان اور ہندو مختلف قومیں ہیں ان کے عقائد و نظریات کے اختلاف نے انہیں صدیوں اکٹھا رہنے کے باوجود یکجا نہیں ہونے دیا۔ ایک اللہ کو ماننے والا اور دوسرا کئی بے جان بتوں کو پوجنے والا کیونکر متحد رہ سکتے تھے۔

ادھر عالم اسلام مسلسل جھٹکے کھانے کے بعد بیدار ہو رہا تھا، بقول اقبال ”ملک ہاتھوں سے گیاملت کی آنکھیں کھل گئیں“ مسلمان جگہ جگہ آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے، تیونس، شام، عراق، الجزائر، لیبیا، مصر اور انڈونیشیا جیسے اسلامی ممالک استعمار کے پنجے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے حکیم الامت علامہ اقبال کا وجود ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ اقبال نے اس موقع پر فکری و نظریاتی راہنمائی کے ساتھ ساتھ بھرپور سیاسی رول ادا کیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ برصغیر کے مسلمان نشاۃ ثانیہ کی اس

عالمگیر تحریک میں صرف اس صورت میں شامل ہو سکتے ہیں جب یہ بھی ایسا خطہ حاصل کر لیں جہاں اسلام کو بطور نظام نافذ کیا جائے، چنانچہ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطاب میں اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر اس مثالی اسلامی مملکت کا تصور دیا۔ اس مرد قلندر کے دل سے نکلی ہوئی یہ بات اس قدر برحق تھی کہ صدابن کرہر مسلمان کی خواہش میں ڈھل گئی، اقبالؒ کے اس تصور میں حقیقت کارنگ بھرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قائد اعظم محمد علی جناحؒ جیسے خوددار، پر عزم اور مخلص قائد کا انتخاب فرمایا، انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک لاہور (بینا پاکستان) میں قرارداد پاکستان کا تاریخ ساز اعلان کیا۔ یہ اعلان مسلمانان برصغیر کے لئے ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا چنانچہ قائد اعظمؒ کی قیادت میں فرزند ان اسلام سروں پر کفن باندھ کر میدان عمل میں اتر آتے اور دیکھتے ہی دیکھتے صرف ۷ سالوں میں دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی مملکت معرض وجود میں آگئی۔

پاکستان اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کے خوابوں کی تعبیر، تمناؤں کی دھرتی اور ہزاروں شہیدوں کے خون کا ثمر تھا۔ اس کی بنیادوں میں لا الہ الا اللہ کی حرمت پر کٹ مرنے والے جسموں کے انبار اور معصوم بچوں کے کچلے ہوئے بدن تھے۔ ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں، اجڑے ہوئے سہاگ اور لٹی ہوئی عصمتیں تھیں۔ قائد اعظمؒ کو آگ اور خون سے گزر کر آنے والے اس قافلے کی مقصدیت کا علم تھا اس لئے انہوں نے پاکستان کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی۔

Pakistan is going to be a laboratory for experimentry Islamic values.

”پاکستان اسلامی اقدار کی تجربہ گاہ بننے والا ہے“ پاکستان کا یہ تصور دراصل ”نظریہ اسلام“ تھا اس نظریے کی اساسیات وہی تھیں جو آج سے صدیاں قبل ریاست مدینہ قائم کر کے محسن انسانیت ﷺ نے فراہم کر دی تھیں۔ قرارداد پاکستان کا پہلا اور اہم ترین محرک اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ ایسی حکومت جہاں اسلام ہر شعبہ زندگی میں قوت محرکہ کے طور پر نافذ و غالب ہو۔ ظلم کی بیخ کنی ہو اور عدل کی حکمرانی کا قانون بلا امتیاز رنگ و نسل جاری و

ساری ہو۔ حکومتی اداروں میں شورائی جمہوریت کا راج ہو جہاں نمائندگان کا چناؤ صلاحیت، کارکردگی اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو تاکہ اے روز ایک دوسرے کی اکھاڑ پچھاڑ کلاشنکوف پلاٹ پر مٹ اور ”تھیلے پورے“ پر انسانوں کی بولیاں نہ لگیں۔ تحریک پاکستان کی دوسری اساس ایسی اسلامی قومیت تھی جس کی شناخت نہ وطن ہے نہ رنگ و نسل، نہ زبان اور نہ علاقہ و قبیلہ۔ اس کی شناخت ملت اسلامیہ کا وہ عنوان ہے جس میں ہر شناخت اور امتیاز رنگ و خون سمٹ آتا ہے۔ یہی دینی وحدت مسلمانوں کو متحد رکھنے کی سب سے بڑی قوت ہے۔ ایک خدا کی بندگی، ایک رسول ﷺ کی عظمت و ناموس پر کٹ مرنے کا جذبہ، قرآن کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات اور ایک کعبہ معظمہ کی اتباع، ایسی طاقتور اور مشترک اقدار ہیں جو کسی زمانے میں کسی ملک کے مسلمانوں کو دوئی کا تصور نہیں ہونے دیتیں لہذا ایک اسلامی نظریاتی مملکت میں کسی مہاجر، انصار، ہرائیکی، پنجابی یا پختون ”مبوومنٹ“ کا سوالی ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرار داد پاکستان کا تیسرا محرک اسلام کا وہ تابناک سیاسی، سماجی اور ثقافتی نظام تھا جو ۱۲ سو سال تک انسانیت کے دامن میں فیوضات و ثمرات ڈالتا رہا۔ ایسا شاندار اور مستقل ثقافتی تاریخی ورثہ رکھنے والی قوم کی شناخت ناچ گانا، بھنگوا، لڈی اور دیگر علاقائی رقص نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی موسیقار، ڈرامہ باز اور فلمی ایکٹر ہمارے قومی ہیرو بن سکتے ہیں۔ ہماری تاریخ تو خالد، طارق، صلاح الدین ایوبی اور ٹیپو سلطان جیسے ہزاروں سپہوتوں سے بھری پڑی ہے۔ ہمارا سرمایہ افتخار وہ اسوۂ حسنہ ہے جو آفتاب نصف النہار کی طرح آج بھی تاریکیوں میں روشنیاں تقسیم کر رہا ہے۔

تحریک پاکستان کا چوتھا اور ہم محرک پر امن بقائے باہمی کا ماحول تھا۔ اسلام میں اس سے زیادہ اس بنیادی خصوصیت کو اس سے بڑھ کر کیسے بیان کیا جاسکتا ہے کہ ”اسلام ہمہ کالغوی معنی ہی سلامتی، امن اور بھائی چارہ ہے۔ فتنہ و فساد، شرانگیزی، قتل و غارتگری، یہ سب اسلام کے مزاج کے برعکس اور قطعاً متضاد الفاظ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے تو فرمایا مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ آئے روز قتل، ڈاکے اور اغواء دیکھ کر بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم انسانوں کی دنیا سے

دور بہت دور نکل آئے ہیں۔ آج کے پاکستان میں نہ کسی کی عزت محفوظ ہے، نہ جان نہ مال، اور اب تو اللہ کے گھر بھی اس شر انگیزی سے سلامت نہیں۔ یہ ہاتھ کیا یہودیوں یا ہندوؤں کے ہیں یا کلمہ گو مسلمانوں کے؟ اسلامی روایات تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی اس حسن سلوک کی متقاضی ہیں۔ ریاست مدینہ ہی کو لیجئے اس میں یہود و منافقین اور دیگر کفار کیا اکٹھے نہیں رہے تھے؟ لیکن ان کی جنگیں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر ہوتی تھیں عام زندگی میں وہ بھائیوں کی طرح کاروبار حیات میں شریک ہوتے تھے۔ آج اسلام کا سب سے زیادہ دعویدار علماء کرام کا طبقہ ہے۔ ایک دوسرے کو لسانی ایذا میں جتنی اس طبقے کا وطیرہ ہے اتنا کسی کا بھی نہیں اور ”چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی“ کا مصداق جب مساجد کے منبروں سے کفر شرک اور بدعت کے فتاوے جاری ہوں اور واضح طور پر قتل کی تعلیمات دی جائیں تو پھر کون سا مقام اس چنگیزیت اور ہلاکت سے محفوظ رہے گا؟

یوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چمن کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چمن
چاہیے تو یہ تھا کہ ہر فرد اقبال کے خوابوں کی اس دھرتی کی تعمیر کرتا اس کے
صحراؤں میں گلستان اگانے کا تہیہ کر کرتا، یہاں کے دکھی انسانوں کے غم بانٹے جاتے،
عصمتوں کی حفاظت ہوتی، پگڑیاں اچھلنے سے بچ جاتیں، ظالم کے ہاتھ کٹتے، مظلوم کی دادرسی
کی جاتی لیکن نصف صدی کے سفر کے بعد ہم اسی موڑ پر کھڑے اقوام عالم کا منہ دیکھ رہے
ہیں جہاں پاکستان بناتے وقت دیکھ رہے تھے۔ اقبال، قائد اعظم اور لاکھوں شہیدوں کی
روحیں آج تک یہاں کے اصحاب بست و کشاد سے پوچھ رہی ہیں۔

کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تینکے بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے؟

(مارچ ۱۹۵۵ء)

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟

اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت انسان پر اس ذات کا احسان عظیم ہے جس کا شکر بجالانا بہر حال واجب ہے۔ اس نے انسان کو پوری مخلوق میں ”احسن تقویم“ کے خوبصورت سانچے میں ڈھال کر اسے عقل و خرد اور قوت گویائی کی نعمت دی تو یہ حیوانات اور چرند پرند کے مقابلے میں ممتاز ٹھہرا۔ اسے علم و حکمت عطا کی تو یہ فرشتوں پر فوقیت لے گیا۔ یوں یہ اشرف المخلوقات کی خلعت فاخرہ پہن کر معمار ازل خالق کائنات کی قدرتوں کا شاہکار اور اس کے جلوؤں کا مظہر قرار پایا۔ اس سے بڑھ کر اسے ایک دھڑکتا ہوا احساس دل عطا کیا جو سمندروں سے زیادہ عمیق، سنگلاخ پہاڑوں سے زیادہ دشاہر گزار، صحراؤں کی وسعتوں سے زیادہ لامتناہی اور کائنات کے جملہ حیرت انگیز طبعی مظاہر سے زیادہ پراسرار اور پیچیدہ ہے۔ پھر انسان کی خلقت میں ”محبت“ کا عنصر داخل کر کے حسن ازل کے عرفان کا اشتیاق دے کر اسے نہاں خانہ قدرت کا راز داں بنا دیا۔ الغرض انسان جہاں خداوند تعالیٰ کی محبوب اور بہترین مخلوق ہے وہاں اس کو بہت سی نازک اور اہم ذمہ داریاں بھی سونپی گئیں تاکہ ان سے عمدہ براء ہو کر وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت کا عملی ثبوت فراہم کرے لیکن اس کی شخصیت کی تکمیل کا سفر یہاں ختم نہیں ہوتا۔ اس حکیم و خبیر نے انسان کو فجور و تقویٰ کی دونوں صلاحیتیں الہام فرمادیں اور ناکامی و کامیابی کی صورت میں دونوں کا انجام بھی بتا دیا۔ بات اگر محض بتا دینے تک رہتی تو شاید انسان کے پاس راہ فرار کی گنجائش نکل سکتی لیکن اس سمیع و بصیر ذات نے پہلے انسان (سیدنا آدمؑ) پیدائش سے ہی نبوت و رسالت کی صورت میں ہدایت کا ایک باقاعدہ اور مستقل نظام قائم کر دیا تاکہ اس کی محبوب انسانیت کو قدم قدم پر روشنی اور ہدایت ملتی رہے اور وہ ہلاکت و تباہی کے گڑھوں میں گرنے سے بچ جائے۔

اس سلسلہ نور کی آخری کڑی حضور ختمی مرتبت پیغمبر اعظم ﷺ ہیں آپ کی

بعثت کی شکل میں گویا فاران کی چوٹیوں سے ایک آفتاب طلوع ہو گیا جس نے اپنی پہلی ہی کرنوں سے پوری کائنات کے دشت ویران کو بہار آشنا کر دیا۔ صدیوں سے جمی ہوئی کفر و نفاق کی تہہ در تہہ تاریکیوں کی جگہ ایثار و قربانی اور صدق اخلاص کی سدا بہار نخلستانوں نے لے لی۔ تاریخ عالم کے اس اہم موڑ پر جو سعید فطرت لوگ شمع رسالت پر مٹنے کو تیار ہوئے اور آپ ﷺ کے گرد اپنی سوختہ جانوں کی فصیل کھڑی کر دی جن میں سے اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ اس شمع یقین سے براہ راست مستنیر ہونے والے یہ خوش نصیب پیرو جواں اسلام کا پیغام لے کر اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے۔ اپنے گھر بار و وطن بیوی بچوں اور عزیز واقارب کو چھوڑ دیا اور دعوت و عزیمت کی تاریخ میں سنہری حروف سے اپنے نام لکھوائے۔

تاریخ اسلام کے ہر قدم پر ہمیں نوجوان مجاہدین داد شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں خواہ وہ حضور کی معیت میں بدر و حنین کے غزوات ہوں یا جزیرہ عرب سے باہر روم اور فارس کے تاریخ ساز معرکے۔ اسامہ بن زیدؓ سے لے کر محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد سے قتیبہ بن مسلم تک جملہ سپہ سالاروں کے احوال پڑھیں تو وہ عمر کے اس حصے میں ان عالمی عسکری ذمہ داریوں سے عمدہ براء ہوئے جس عمر میں آج کل کے مسلم نوجوان یا تو کالج چھوڑ کر بھاگ رہے ہوتے ہیں یا پھر قلم کتاب کی بجائے ہاتھوں میں کرکٹ کے بلے پکڑے گلی محلوں کے طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ محض سپہ سالار ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ منتظم، بہترین مصلح، جید عالم، موثر داعی اور زاہد شب زندہ دار بھی تھے۔ یورپ کے کلیساؤں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں تک اور تیونس و مراکش کی خشکی سے دجلہ و فرات کے دریاؤں تک انہوں نے جتنی معرکہ آرائی کی اس کا مقصد دولت، ثروت، حکومت یا منصب ہر گز نہیں تھا بلکہ کلمہ حق کی سر بلندی تھی یہی وجہ تھی کہ

دو نیم ان کی ٹھوک سے صحرا اور دیا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ان کے راستے میں اگر خدائی کے منصب پر براجمال کوئی فرعون یا منافقت و

سرکشی پر کمر بستہ کوئی یزید آیا تو وہ سب کو تہ تیغ کرتے ہوئے سیل تندر کی طرح نکل گئے اور اگر کسی مظلوم و مقہور قوم سے واسطہ پڑا تو وہ جوئے نغمہ خواں بن کر ان کی تشنگی دور کرتے رہے۔ مدت کدہ عالم میں قدم قدم پر انہوں نے توحید و رسالت کے نقش بٹھائے اور تلخیوں کے ریگزاروں میں روش روش پھول اگائے۔ اسلامی دنیا کے یہ قابل فخر سپوت جطور پر ہماری تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ ہمارا سرمایہ افتخار اور قابل تقلید نمونے ہیں۔ جب تک نوجوانان اسلام نے ان کی تقلید میں مجاہدانہ زندگی اختیار کئے رکھی اسلام کی عظمت کے پھریرے شرق سے غرب تک لہراتے رہے اور ۱۲ سو سال تک کسی کو مسلمانوں کی اجتماعی عزت و غیرت کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں ہوئی۔ اپنے تو اپنے غیر مسلم مورخین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جان و مال کی حفاظت، عدل و مساوات اور مروت و رواداری جیسی خصوصیات کے پیش نظر غیر مسلم اقلیتیں ہمیشہ مسلمان حکومتوں کے زیر سایہ رہنے کو ترجیح دیتیں۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی اتنے شاندار سیاسی، ثقافتی اور علمی تاریخ کے وارث۔۔۔ آج کے نوجوانان اسلام۔۔۔ جب غیروں کی دریوزہ گری کرتے نظر آتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ آج رازی، غزالی، ابن الہیثم، ابو علی سینا، البیرونی، ابن خلدون اور اقبال کے فرزند جب مغربی مفکرین سے علم و دانش کی بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں تو اس نادانی پر شرم سے گردنیں جھک جاتی ہیں۔ ان کی وضع قطع اور انداز رفتار و گفتار دیکھ کر بے اختیار منہ سے اقبال کا یہ شعر نکلتا ہے۔

وضع میں تم ہوں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
قرآن جیسی حتمی قطعی اور یقینی ہدایت کے باوجود زندگیوں میں بے مقصدیت اور
نبی آخر الزماں ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی کے ہوتے ہوئے ہمارے نوجوان بے جہت
منزلوں کے مسافر ہیں۔ کہاں وہ جواں سہاں محمد بن قاسم جو ایک مسلم خاتون کی پکار

پر مضطرب ہو کر صحراؤں اور سمندروں کو چیرتا ہوا آیا تھا اور راجہ داہر کو اس کے گھر میں شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ گیا تھا اور کہاں آج کے مسلم نوجوان جو کشمیر، یو سنیا، فلسطین اور چیچنیا کی لاکھوں عفت مآب بیٹیوں کی چیخیں سن کر بھی بے حس و حرکت ہیں۔ بلکہ آئے روز راستے چلتی اور گھروں میں بیٹھی خواتین کے سروں سے چادریں کھینچتے ہیں۔ وہ خدا اور رسول کے دشمنوں کیلئے موت کا پیغام تھے اور یہ کلمہ گو مسلمانوں کے خون کے پیاسے، ان کے دل اللہ کے ذکر کی محبت میں دھڑکتے تھے اور یہ مغربی موسیقی کی دھنوں پر رقص کناں۔

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا لاکھوں کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا
ہم خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں بلکہ اس شام غم سے صبح درختوں کے امیدوار ہیں اللہ کرے اس امت مرحومہ کے جوانوں کی خودی پھر بیدار ہو جائے اور اسلام کی عظمت کے یہ امین ایک بار پھر شرق سے غرب تک دین کی عظمت کے جھنڈے لہرا دیں۔
سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(اپریل ۱۹۹۵ء)

عیدِ قربان کا پیغام۔۔۔ امتِ مسلمہ کے نام

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن صفات کی بدولت دوسری ذی روح مخلوق کے مقابلے میں ممتاز ٹھہرایا اور اسے اشرف المخلوقات کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا ان میں ایک نمایاں وصف جذبہ ایثار و قربانی ہے۔ گویا انسان مخلوق خدا کی وہ صنف ہے جو اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی زندہ رہتا ہے۔ قدرت نے انسان کی سرشت میں بے شمار خواہشات رکھ دیں۔ اس پر عجب یہ کہ ایک طرف ان خواہشات و مرغوبات کی آزادانہ تکمیل کو اس کی کمزوری قرار دیا اور دوسری طرف ان خواہشات کی قربانی دینے والے کو فرشتوں سے بلند مقام پر فائز کر دیا۔

جذبہ ایثار و قربانی اعلیٰ انسانی صفت ہونے کے ناطے انسانی معاشرے کا امتیاز ہے لہذا جہاں نفسا نفسی، خود غرضی، لوٹ مار اور دوسروں کی حق تلفی ہو رہی ہو وہاں انسانی معاشرے کی تعریف صادق نہیں آسکتی۔ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقاصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب انسان ہدایت ربانی سے روشنی لے کر زندگی کو روحانی تقاضوں کے مطابق رواں دواں رکھے، قلوب و اذہان میں نفسانیت اور خود غرضی کی جگہ محبت و اخوت اور ایثار و قربانی کے رجحانات پروان چڑھیں۔ انہی پاکیزہ اور اعلیٰ اصولوں پر مبنی ضابطہ اخلاق کو مذہب کہا جاتا ہے اسی وجہ سے انسانیت کی فلاح کیلئے مذہب کی اتباع ناگزیر ہے۔ ورنہ انسان سفلی خواہشات کی پیروی میں لگ کر حیوانیت کی پست سطح پر اتر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاء و رسل بھیجے جنہوں نے لوگوں کے دلوں میں سفلی جذبات اور باہمی منافرت کے کانٹے چن چن کر محبتوں کے پھول اگائے اور بنی نوع انسان کو اعلیٰ انسانی قدروں سے روشناس کرایا۔

تاریخ بشریت میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک لمحہ

اور ایک ایک قدم ایثار و قربانی سے عبارت ہے۔ آپ دعوت حق کی خاطر گھربار اہل و عیال حتیٰ کہ اپنی جان سے گزرتے ہوئے آتش نمرود میں بے خطر کود پڑے۔ پھر چشم فلک نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ بوڑھا باپ اللہ کا اشارہ پا کر ہزاروں آرزوؤں کے ثمر جو اس سال لخت جگر کے گلے پر چھری چلا رہا ہے۔ خود سپردگی اور جاں سپاری کا یہ عالم قیامت تک کی نسل انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے اس جذبہ ایثار اور ادائے محبوبی پر خود اللہ تعالیٰ کو بھی رشک آگیا۔ یہ وہی انسان تھا جس کی تخلیق پر فرشتوں نے اعتراض کیا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس قدر خلوص اور فنایت کے ساتھ اپنی جان پیش کر رہا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری چلا کر دراصل قیامت تک کی نسل انسانی کی طرف سے بندگی اور محبت و اطاعت کا حق ادا کر دیا اور یہ حقیقت عمل میں ڈھال کر دکھادی کہ.....

جاں دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خالق کائنات کو اس منظر پر اتنا پیار آیا کہ اس نے اس رسم وفا کو قیامت تک مقدس دینی شعار کے طور پر زندہ کر دیا۔ چونکہ قرآن نے اسلام کو ملت ابراہیمی کا ہی دوسرا نام قرار دیا ہے اور امت مسلمہ دین حنیف کی وارث ہے اس لئے ملت ابراہیمی کی طرح اس کا جوہر اور امتیازی شعار بھی قربانی ہے۔ ارکان اسلام کا سارا فلسفہ اور سماجی و سیاسی زندگی میں حسن و خوبی کا محرک بھی قربانی ہے۔ نماز کی ادائیگی کیلئے دن رات میں پانچ وقت آرام و راحت اور مصروفیات کی قربانی، روزے کی حالت میں صبح سے شام تک عام حالت میں جائزہ حاجات سے کنارہ کشی کے ذریعے ضبط نفس کی قربانی، حج کی ادائیگی میں جان و مال کی قربانی اور زکوٰۃ تو ہے ہی ایثار و قربانی کا منظر۔ جہاد میں بھی انسان سے ہدیہ جان کی قربانی کا مطالبہ ہے۔ تصوف اور روحانیت کی دنیا میں دیکھیں تو یہاں بھی ”فنائے نفس“ کی منزل تک پہنچنے کے لئے ہوائے نفس کی قربانی شرط اول ہے۔ اسی طرح سماجی اور معاشرتی حوالے سے غور کریں تو یہاں بھی ایثار کشی اچھے سماج کا جوہر نظر آئے گا اور قدم قدم پر جذبہ قربانی کی ضرورت پڑے گی ورنہ

بابتبات پر ذاتی مفادات کی آڑ میں خون کی ندیاں بہیں گی، گھرا جڑیں گے، بستیاں ویران ہوں گیں اور انسان کی بوئیاں نوچ لی جائیں گی۔ اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو آج انفرادی، قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر ہونے والے روزمرہ کے واقعات و حوادث پر بھی نظر دوڑائیں۔ عالمی سیاست ہو یا قومی سیاست و معیشت، خود غرضی کی بھینٹ چڑھ کر ہر چیز نشانِ عبرت بن گئی ہے اس لئے مذہبی اقدار کا تحفظ ہو یا تعمیر و وطن کا مرحلہ، قومی و قار کی بات ہو یا بین الاقوامی امن کا مسئلہ، ہر جگہ آج بھی اسی جذبہ ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔

اب ذرا آئیے! دعوتی و تحریکی زندگی کی طرف، یہاں بھی کامیابی کی شرط اور نتیجہ خیزی کی ضمانت صرف اور صرف قربانی ہے۔ یاد رہے کہ تحریکی زندگی عام مذہبی زندگی کے مقابلے میں قطعاً مختلف ہے اور دو قدم آگے ہے۔ خاص طور پر دعوت دین کا مشن لے کر اٹھنے والی تحریک تو سر اسر پیغمبرانہ جد و جہد کی نقیب ہوتی ہے اس لئے اس کے کارکن کا ایثار معاشرے کے عام افراد سے بہر حال مختلف ہونا چاہئے۔ تحریکی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر قدم ایثار و قربانی کا امتحان ہوتا ہے۔ خواہشات کی قربانی، اوقات و مشاغل کی قربانی، مال و دولت اور آرام و سکون کی قربانی، شخصیت کے پندار اور خاندان کے وقار کی قربانی، عزیز و اقارب کے ساتھ اصولی اختلاف کی صورت میں قطع تعلق سے، خونی رشتوں کی قربانی مشن کی ضرورت پر لبیک کہتے ہوئے وطن، قوم اور گھربار سے دوری کی قربانی اور سب سے بڑھ کر اپنی خود پسندی کے بت کو توڑ کر وسیع تر مفادات کیلئے ”انا“ کی قربانی۔ الغرض کوئی تحریک ہو یا قوم، قربانی کے خالص جذبے کو بروئے کار لائے بغیر اس کا منزل مقصود تک پہنچانا ممکن ہے۔

عیدِ قربان ہر سال ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے۔ وہ یہ کہ ”سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پیکرِ تسلیم و رضائن کر اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے جس طرح قربانیوں کا سلسلہ جاری رکھا آج بھی اللہ کے دین کو اسی طرح قربانی درکار ہے۔ ہم سے بھی اپنے دائرہ عمل کے اعتبار سے دعوتِ دین کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آج پھر صنم کدہ جہاں میں ابراہیمی غیرت کی ضرورت ہے، باطل سامراج کی شکل میں آج بھی ہزاروں نمرود حق کو لٹکا رہے ہیں۔ کون

ہے جو عشق کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لئے آتش نمرود میں بے خطر
کو دہنے کو تیار ہو؟

مسلمان ہر جگہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کی
دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ قوانین الہیہ کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے۔ ہمارے سیاسی راہنماؤں نے قوم
کو سوئے حرم متوجہ کرنے کی بجائے اپنا قبلہ امریکہ کو بنا لیا ہے۔ عید قربان کے یہ لمحے
اپنے پس منظر میں اس قربانی کا پیغام رکھتے ہیں جس کی ابتداء سیدنا اسماعیل اور انتہا سیدنا حسینؑ
ہیں۔ اس لئے عرفات کے ریگزاروں سے لے کر کربلا کے ذروں تک، آج بھی مسلسل آواز
آ رہی ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کے غلامو! اٹھو اور ایمان اور تقویٰ سے لیس ہو کر دین
دشمن قوتوں کو لٹکارو، اپنے محدود مفادات کی قربانی دیتے ہوئے مصطفوی مشن کی تکمیل کے
لئے قافلہ حسین میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارے سامنے آتش نمرود کے آلاؤ آئیں یا یزیدی
منافقت کے پہاڑ تم بڑھتے چلو۔ مصطفوی انقلاب کے نام پر تم نے شہادت گہ الفت میں قدم
رکھا ہے اس لئے تمہیں مادیت کے سیلاب سے گزرنا ہو گا۔ نفس و شیطان کے ہزاروں جال
ہیں جو تمہارے قدموں کی زنجیر ہیں گے، تمہیں دنیوی حرص و لالچ، جاہ و منصب اور دولت و
ثروت کے بتوں کو مثل خلیلؑ توڑنا پڑے گا۔ اگر کل قیامت کے دن حضور ﷺ کے سامنے
سر خر و ہونا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور ﷺ کی خوشنودی درکار ہے تو آؤ دعوت دین
کے لئے ہمارے ہمسفر بن جاؤ۔ راستہ ضرور کٹھن ہے مگر منزل بڑی دلنشین ہے۔ اگر عارضی
دنیوی خواہشات کی قربانی دے سکتے ہو تو..... ہم سفر انقلاب پر..... آپ کو خوش آمدید
کہتے ہیں ورنہ

”وہ یہیں سے لوٹ جائیں جنہیں زندگی ہو پیاری“

(مئی ۹۵ء)

بیت المقدس سے چرار شریف تک غیرتِ ملی کا امتحان

افتخار عالم پر خون شہداء کی لالی روز بروز پھیلتی جا رہی ہے۔ نام نہاد 'مہذب اور ترقی یافتہ انسانوں کی بستٹیوں میں مسلمانوں کی بوٹیاں نوچی جا رہی ہیں۔ شرق سے غرب تک خونِ مسلم کی ارزانی ہے۔ حقوق انسانی کی علمبردار اقوام، ادارے اور تنظیمات کے زوہرے معیارات 'عدل و انصاف' مساوات اور انسانیت کا چہرہ نوچ رہے ہیں۔ لخت لخت جسد ملت یوں تو مکمل طور پر لہو لہو ہے لیکن کشمیر کا زخم اتنا گہرا اور زہریلا ہو چکا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مندل ہونے کی بجائے پھیلتا جا رہا ہے۔

پچھلی نصف صدی سے ڈوگر راج اور ہندو بڑے کے خلاف برسرِ پیکار کشمیری مسلمان اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے خاک اور خون کے موسم میں ہر گھڑی نئی قیامت جھیلنے چلے آ رہے ہیں۔ حال ہی میں دس اور گیارہ مئی کی درمیانی شب عین اس وقت جب امت مسلمہ پوری دنیا میں عید الاضحیٰ کی خوشیاں منا رہی تھی، چرار شریف میں معروف صوفی بزرگ شیخ نور الدین ولی کا مزار اور اس سے ملحقہ تاریخی مسجد کو سینکڑوں مکانات اور دکانوں سمیت طویل محاصرے کے بعد نذر آتش کر دیا گیا۔ شہر شہیداں سرینگر سے چالیس کلومیٹر دور درگاہ چرار شریف نہ صرف کشمیر بلکہ بڑے صغیر پاک و ہند کی چند معروف ترین روحانی خانقاہوں میں سے ایک ہے جن سے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ چھ سو سالہ پرانی خانقاہ اور اس سے ملحق عظیم الشان مسجد، کشمیری فن چوبکاری کا ایک نادر نمونہ تھی۔ ظالم درندوں نے اس تاریخ کو بھی آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ بابر کی مسجد کی شہادت اور محاصرہ حضرت بل کے بعد اب یہ اندوہناک حادثہ دراصل بھارتی ہٹ شعلوں کی نظر کر دیا۔ بابر کی مسجد کی شہادت اور حضرت بل کے بعد اب یہ اندوہناک حادثہ دراصل بھارتی ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کے خلاف ہندوانہ تعصب کی انتہا

ہے۔ چرار شریف کی خانقاہ سے بلند ہونے والے آگ کے شعلے دراصل تازیانہ ہیں ان مسلمان حکومتوں کی مصلحت کیشی، مجرمانہ غفلت اور بے حمیتیت کے خلاف جواب بھی کشمیر میں مظلوم مسلمانوں پر ہونے والے ظلم سے قطع نظر بھارت کے ساتھ اپنے سیاسی، تجارتی اور سفارتی روابط بڑھا رہے ہیں۔ یہ شعلے ایک یاداشت ہیں، دنیا بھر کے بے خبر، بے حس مسلمانوں اور بالخصوص ہم پاکستانیوں کے لئے جو چرار شریف کی تعزیت کے باوجود غفلت کی نیند سوز ہے ہیں لیکن ان جرأت مند کشمیریوں کی عظمت کو سلام جنہوں نے اس مرحلے پر بھی ہمیشہ کی طرح بھرپور ایمانی جذبوں کا مظاہرہ کیا اور آخر دم تک اس روحانی مرکز میں رہ کر ہندو درندوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ان کے جلے ہوئے لاشے اس بات کا اعلان تھے کہ ہم خود کو آگ کے شعلوں کے سپرد تو کر سکتے ہیں مگر ہندو بننے کی غلامی میں رہنا ہمیں کسی صورت میں بھی منظور نہیں۔

اس واقعہ کے رد عمل میں اہل کشمیر سمیت پورے پاکستان اور اہل اسلام میں کسی نہ کسی صورت میں احتجاج کیا گیا جو اپنی جگہ جذبہ ایمانی کا تقاضا بھی تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ مظاہرے، جلوس، سیمینار اور خطابات کس حد تک موثر ہیں؟ اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ محض اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ بھارت کے وسیع تر منصوبے کی ایک کڑی تھی جس کے ڈانڈے امریکہ بہادر کی زیر سرپرستی بھارت اور اسرائیل کی مشترکہ اسلام دشمن سرگرمیوں سے جاملتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بجا طور درست ہے کہ اس واقعہ نے پاکستان کو ممکنہ خطرات سے بروقت آگاہ کر دیا ہے لیکن ہم اگر اب بھی ہوش میں نہ آئیں تو پھر اس کا علاج کس کے پاس ہے۔ ہماری سرحدوں پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ بھارت، امریکہ اور اسرائیل کی آشریاد پر پاکستان کو اپنے جارحانہ عزائم کی بھینٹ چڑھانا چاہتا ہے۔ عالمی تناظر میں صاف دکھائی دیتا ہے کہ امریکہ اپنے ”نیو ورلڈ آرڈر“ کی راہ میں اس وقت ایران اور پاکستان کو بوجہ ایک بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اس وقت جو ملک امریکہ کی تھانیداری سے مستغنی ہو کر خود انحصاری سے زندہ رہنے کی بات کرتا ہے اس کے نزدیک دہشت گرد کہلاتا ہے اور اسے قابل

گردن زدنی سمجھا جاتا ہے۔ عراق کی تباہی اور لیبیا کے خلاف بلا جواز پابندیاں اس حقیقت کے واضح ترین ثبوت ہیں۔ اس وقت پاکستان کو داخلی اور خارجی محاذوں پر شدید ترین خطرات کا سامنا ہے۔ امریکہ، اسرائیل اور بھارت باہمی اشتراک سے اس کا گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔ ملک کے اندر مذہبی، لسانی اور جغرافیائی منافرت کو بڑے پیمانے پر پھیلا یا جا رہا ہے۔ کراچی میں مقبوضہ کشمیر کے در عمل کے طور پر روزانہ قیمتی جانیں ضائع کی جا رہی ہیں۔ ایسے میں پاکستان قوم اور حکومت دونوں کو نوشتہ دیوار پڑھ کر ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ.....

☆ ہمارے راہنما اقتدار کی ہڈیوں پر جھپٹنے میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے کی بجائے قومی مسائل پر مل بیٹھ کر لائحہ عمل طے کریں۔

☆ پاکستان کی ناکام خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کر کے جراثیمندانہ اور موثر انداز اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ بھارتی پراپیگنڈے کا مناسب توڑ کیا جاسکے اور زیادہ سے زیادہ عالمی توجہ کشمیر میں بہتے ہوئے معصوم خون کی طرف مبذول کروائی جاسکے۔

☆ پڑوسی ممالک خصوصاً ایران، چین، نو آزاد مسلم ریاستوں اور عرب ممالک سے تعلقات میں استحکام اور خوشگواہی بھی پاکستان کی سلامتی کے لئے ناگزیر ہے۔

☆ پوری قوم کو جہاد میں شریک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے جہادی سرگرمیوں میں مصروف رکھا جائے لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے ملک کے نوے فیصد نوجوان بے مقصدیت اور سستی جذباتیت کا شکار ہیں۔ انہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بے حمیت اور بے غیرت بنایا جا رہا ہے۔

سڑکوں، بازاروں اور تعلیم گاہوں میں عریانی اور فحاشی کے مناظر کی کھلے عام پذیرائی اس بات کی دلیل ہے کہ اس شیطانی مشن کو ارباب اختیار کی سرپرستی حاصل ہے۔ پی ٹی وی اور ایس ٹی این مقابلے میں بڑھ چڑھ کر تفریح کے نام سے فحاشی کو رواج دے رہے ہیں۔ جو کسر رہتی تھی اب ڈش انٹینا کے ”مہمان مرہی“ سے پوری ہو رہی ہے اور اسے بھی

حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں بھارت جیسے دشمن ملک کی نیم عریاں فلمیں مقبول ہو رہی ہیں اور قدم قدم پر ان کے ڈپو کھل چکے ہیں۔ گھر سے لیکر ہوٹل اور عوامی بسوں تک ہر جگہ انڈین فلمیں اور گانے گویا ہماری ”روحانی غذا“ بن چکے ہیں۔ کیا ایسی قوم دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے سبق سکھانے کی جرأت کر سکتی ہے؟ جو دشمن ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت سے کھیل رہا ہے، جس کے ہاتھوں مسلمان خون گلیوں، بازاروں اور برف پوش پہاڑوں پر بہہ بہہ کر جم چکا ہے اور جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر رہے ہیں، اس کی ثقافت کو اوڑھنا، ٹھوننا، بنانا ہمارے قومی جذبوں کی موت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس قوم کے جذبات پر اس کے قبلہ اول سے لے کر یو سنیا، چینیا، فلسطین، ہندوستان اور کشمیر کی بیسیوں مساجد کی شہادت اور انہدام بھی اثر انداز نہ ہو اور وہ ان کے تقدس کے لئے کمر بستہ نہ ہو سکے تو اسے زندہ رہنے کا حق کیونکر ہو سکتا ہے؟

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(جون ۱۹۵۵ء)

پاکستانی قوم..... تاریخ کے دوراے پر

پچھلے دنوں جب ایک طرف پورا ملک قیامت خیز گرمی کی لپیٹ میں تھا اور دوسری طرف کراچی کی خونریزی نے حساب لوگوں کے ہوش اڑا رکھے تھے، اس مسکین اور مظلوم قوم پر نئے نئے بحث کی صورت میں مزید مہنگائی کا عذاب بھی نازل کیا گیا۔ پچھلے کئی سالوں سے بحث کی تیاری اور اس کا نفاذ ایک رازدارانہ عمل بنا ہوا ہے۔ اس ظالمانہ، منافقانہ اور عجیب طرز عمل کے نتیجے میں جو تفصیلات سامنے آئیں ان میں آئندہ مالی سال میں متوقع آمدن ۳ کھرب ۸۸ ارب ۷۷ کروڑ ۷۷ لاکھ ہے جبکہ اخراجات کی شرح ۴ کھرب ۳۱ ارب ۲۲ کروڑ ۷۷ لاکھ روپے ہے۔ یوں آغاز ہی میں ۴۲ ارب ۷۷ کروڑ ۷۷ لاکھ کا خسارہ اس قوم کا مقدر بنا۔

یاد رہے کہ یہ اخراجات تعلیم و صحت، ٹرانسپورٹ، یاد فاع جیسے حساس امور پر اس قدر نہیں ہوتے جتنے کہ ان قرضوں کے سالانہ سود پر ہوتے ہیں جن کا بوجھ دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق ہم ہر سال تقریباً ایک کھرب ۳۶ ارب روپے صرف قرضوں کے سود کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ اس قوم کے ہمدرد حکمرانوں کی ”دانشمندی“ کا یہ حال ہے کہ آنے والی ہر حکومت نے سابقہ قرضے ادا کرنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ قرضوں کے حصول کو اپنی خارجہ پالیسی کی کامیابی قرار دے کر بھولی عوام کو خوش کیا۔

تیسری دنیا کے بیشتر ممالک سمیت ہم جن غیر ملکی طاقتوں کے زیر بار ہیں وہ گھر بیٹھے بٹھائے ان قرضوں پر کھریوں ڈال سالانہ منافع لے کر بھی دنیا کی آنکھوں میں غریب پرور کھلاتے ہیں۔ غریب ممالک کا خون چوس کر اپنی معیشت کا استحکام ہونے والے ممالک میں امریکہ سرفہرست ہے۔ اس کی معیشت کا زیادہ تر انحصار غیر ملکی قرضوں سے حاصل ہونے والے سود اور باہم لڑائی کی خاطر برآمد کئے جانے والے جنگی ساز و سامان پر ہے۔ بد قسمتی سے

ان دونوں تجارتوں کے فریق مسلمان ممالک ہی ہیں۔ یوں ہمارے حکمرانوں نے پوری امت کو اپنی تشنہ آرزوں کی بھینٹ چڑھا کر استعماری طاقتوں کے ہاں گروی رکھ دیا ہے۔

پاکستان جو اپنے درماندہ کارواں کو لے کر اکیسویں صدی کی طرف ریگ رہا ہے، بے پناہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے لیکن اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ اس کے محافظ بد قسمتی سے تسلسل کے ساتھ اس کا خون چوسنے پر کاربند ہیں۔ اس کے نظام سیاست و معیشت کی نہ کوئی سمت ہے نہ فلسفہ اور پالیسی۔ پورے کا پورا نظام ذاتی مفادات کے گرد گھومتا ہے۔ جو الیکشن میں کامیاب ہو گیا وہ نقب لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس لئے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کے علاوہ کسی اور تعمیری کام کی طرف توجہ جیسی حماقت پر وقت ضائع نہیں کیا جاتا۔

سامراجی آقاؤں سے لئے گئے نظام سیاست نے ہمارے سیاستدانوں کو یہ تحفظ بھی دیا ہے کہ یہ ہر آنے والی ”قوت“ کے کارندے بن جاتے ہیں۔ خدا نخواستہ ان پر ملک میں کوئی کڑا وقت آ بھی جائے تو ان کی پناہ گاہیں امریکہ فرانس اور دوسرے یورپی ممالک میں ان کی منتظر ہوتی ہیں جہاں بڑے سکون کے ساتھ اپنے کتوں اور گھوڑوں سمیت منتقل ہو کر ”ملک بدری“ کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ الغرض وہ ملک کے اندر رہیں یا ملک بدر ہوں، عیش و عشرت کیلئے ہر نعمت ان کے لئے دامن پھیلائے کھڑی ہے لیکن عوام کہاں جائے وہ تو زندگی کا بوجھ اٹھا کر دو قدم بھی چلنے کے قابل نہیں۔ اب ساری توانائیاں سانسوں کی ڈوری قائم رکھنے کیلئے صرف کرنا پڑتی ہیں۔

عوام جس قدر بد امنی، مہنگائی، بے روزگاری اور بد عنوانی کے ہاتھوں نیم جان ہیں۔ یہ مراعات یافتہ طبقہ اسی قدر خوش باش اور تواناد کھائی دیتا ہے۔ وہ عوام کا خون نچوڑ کر اپنے مفادات کے عالیشان محل تعمیر کر رہے ہیں اور قوم کے وسائل کو اپنے لئے شیر مادر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علیحدہ معاشرے، علیحدہ تعلیمی ادارے اور علیحدہ سلطنتیں قائم کر رکھی ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لٹیروں کو بار بار ملک و قوم کی تقدیر کے ساتھ کھیلنے

کے مواقع کون دیتا ہے؟ کیا ہم خود اپنے ہاتھوں سے انہیں ووٹ دے کر اسمبلیوں تک نہیں پہنچاتے؟ ایک دو بار نہیں، قوم اپنے ساتھ پچھلی نصف صدی سے یہ مذاق کر رہی ہے۔

بات اسی اقتصادی تفاوت تک رہتی تو کسی حد تک قابل برداشت تھی لیکن اب تو ہماری بقاء و سلامتی بھی خطرے میں ہے۔ ہمارا ازلی دشمن بھارت ہماری سرحدوں پر دندنہا رہا ہے، ہمارے پڑوس بلکہ گھر کے ایک حصے (کشمیر) میں ہر پچہ بوڑھا، عورت، مرد اپنے خون کی گرمی سے غلامی کی زنجیریں پگھلانے میں مصروف ہے۔ ان کی چیخیں آسمان پھاڑ رہی ہیں لیکن ہمارے ان حکمرانوں کے کانوں تک نہیں پہنچ رہیں جو اب بھی ان کے خون پر اپنے اقتدار کی عمارتیں تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ کراچی جو کبھی دنیا کا ہنستا اور ژوشنیوں کا شہر کہلاتا تھا اب موت اور قتل و غارتگری کی گرفت میں جا چکا ہے۔ اس کی رونقیں کھنڈرات میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ اس کے تین ہزار صنعتی ادارے بند ہو چکے ہیں۔ اب کے روزانہ کئی بے گناہ شہری اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ کئی اعلیٰ اہل کار اور قانون نافذ کرنے والے بے بسی کی موت مر چکے ہیں۔ ایک کروڑ شہری عدم تحفظ کے احساس سے نفسیاتی مریض بن چکے ہیں۔ گویا زندگی چیخ چیخ کر اہل حل و عقد کو متوجہ کر رہی ہے لیکن وزیراعظم بینظیر بھٹو کا فرمان ہے کہ ”کراچی تو چند تھانوں اور گنے چنے دہشت گردوں کا مسئلہ ہے“ اگر مرض اتنا معمولی ہے تو اس کے علاج کیلئے سارے ملک کو کیوں داؤ پر لگایا جا رہا ہے، اسے ہم مجرمانہ غفلت سمجھیں یا تمہارے انا کے بتوں کی پرستش۔

ملا ہے حکم کہ اندھیرے کو روشنی سمجھو آئے نشیب تو کوہ و دمن کی بات کرو

یہ نظریاتی ملک تھا۔ اس کی بنیادوں میں کلمہ گو مسلمان کا خون ہے۔ یہ اس لئے معرض وجود میں نہیں آیا تھا کہ یہاں دین کے ساتھ کھلا مذاق کیا جائے، دینی شعار کی بے حرمتی کی جائے، گستاخی رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کو تحفظ اور ناموس رسالت پر جان دینے والوں کو امین دشمن قرار دے کر قابل گردن زدنی ٹھہرایا جائے۔ اس قوم کے نوجوان اب بھی ناموس رسالت پر پروانہ وار جھومتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر سکتے ہیں لیکن

اس ایمانی جذبے کا بند و بست بھی مستقل بنیادوں پر کر دیا گیا ہے اور وہ یوں کہ اربوں ڈالر کی مقروض دو وقت کے کھانے کو ترسنے والی اور عدل و انصاف سے محروم اس قوم کے لئے ڈش 'نئے ٹی وی چینل اور کوچہ و بازار میں فحاشی کے ہزار ہا سامان کے ذریعے ذہنی تفریح کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ جیسے عالمی تھانے دار کی تخریب کاری کا مرکز اب پاکستان ہے کیونکہ اسے یہاں کا دینی رجحان اسلامی تحریکوں کی اٹھان اور غیرت و حمیت کے جذبات ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ ان حالات میں ہمارے سامنے دو راستے ہیں ان کھلے اوز چھپے دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ملک و قوم کے بہتر مستقبل کے لئے کمر بستہ ہو جائیں یا پھر خود کو بے بس سمجھتے ہوئے ہوا کے رخ پر ڈال دیں۔ پہلی صورت 'راہ عزیمت' ہے جو زندہ قوموں کا شعار ہے اور جدوجہد، محنت اور علم و عمل کا راستہ ہے جبکہ دوسرا راستہ 'مصلحت پسند بزدل' بے حمیت اور عاقبت نااندیش لوگوں کا راستہ ہے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہمیں ان دونوں راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا ورنہ.....

ہماری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

(جولائی ۱۹۹۵ء)

میلاد النبی ﷺ کا پیغام۔۔۔ دنیائے انسانیت کے نام

۱۲ ربیع الاول تاریخ انسانی کا ہی نہیں کائنات عالم کا بھی عظیم ترین دن ہے۔ یہ دن توحید باری تعالیٰ کی پرچم کشائی اور ظلم و ستم میں جکڑی ہوئی اقوام اور سسکتی ہوئی انسانیت کی رہائی کا دن ہے۔ یہ دن صد اقتوں کا امین اور سعادتوں کا پیامبر ہے۔ اس کے بعد آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی اس مطلع صبح ازل نے تاریخ انسانی کو فیصلہ کن موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ دن دنیا کے لئے نئی روشنی کا دن تھا۔ ایک ایسی روشنی جس نے تاریخ انسانی کو افراط و تفریط سے ہٹا کر اعتدال و توازن کے صراط مستقیم پر گامزن کیا اور اسے جہالت کے ان گنت دبیز پردوں سے نکال کر زندگی کی روشن راہوں پر لایا۔ تمام طبقاتی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی بتوں کو توڑ کر صفحہ ہستی پر ایسے نئے خدائی نظام بنے جنم لیا جس کے تحت محبت و مروت کے جذبوں کی نشوونما ہوئی۔ متحدہ عالم میں توحید ربانی کے نغمے گونجنے لگے اور صدیوں سے غافل انسان اپنے خالق و مالک کی دہلیز پر جھک گیا۔

لاکھوں اور کروڑوں درود و سلام ہوں اس ذات اقدس ﷺ پر جس کے سر انور پر خود خالق کائنات نے رحمہ للعالمین کا تاج سجا کر پوری انسانیت کیلئے سرچشمہ ہدایت و رحمت بنایا اور آپ ﷺ کو خاتم المرسلین کے منصب جلیلہ پر فائز فرمایا۔ آغاز تخلیق کائنات سے لے کر آج اور آج سے قیامت و مابعد تک جس کو جو کچھ ملا یا ملے گا، آپ ﷺ کے فیضان کرم کا تصدق ہو گا بلکہ ظہور کائنات سے لے کر اس میں پھیلی ہوئی ہر چیز کا وجود اور ان اشیاء میں موجود نور و نکمت، رنگ و بو اور حسن و دلکشی کی ساری رعنائیاں آپ ﷺ کے دم قدم سے قائم و دائم ہیں۔ اقبال کی زبان میں.....

عالم آب و خاک میں ترے ظہور سے فروغ ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

حضرات محترم! میلاد النبی ﷺ کی اس صبح سعادت سے آج تک تقریباً ساڑھے

چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ بیت چکا ہے۔ آپ ﷺ کے نام لیوا ہر سال اس صبح سعید کا استقبال حتی المقدور جذبہ ایمانی اور ملی جوش و خروش سے کرتے آئے ہیں۔ یوم میلاد کو کما حقہ منانے کیلئے اس سے لاکھوں درجے جوش و جذبہ، جشن، تقریبات اور جلوس وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہئے کیونکہ یہ دن امت محمدیہ ﷺ کیلئے سال بھر میں افضل ترین دن ہے۔ اسے شایان شان طریقے سے منانے کیلئے جتنی کوشش، محنت اور جانی و مالی قربانی ہو سکے کرنی عین تقاضائے ایمان ہے لیکن ایک زندہ و باشعور امت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس دن کو بطور عید منانے کے ساتھ ساتھ یوم تجدید عہد کے طور پر بھی منائیں۔

ہمارے سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں یہ ماہ مبارک جتنی مرتبہ پلٹ کر آیا، کیا ہم نے ایک مرتبہ بھی اس کے دامن میں تشریف لانے والی ہستی نبی اکرم ﷺ کے پیغام پر کان دھرے؟ کیا ہم نے جشن میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے کبھی سوچا کہ آج کے دن پیدا ہونے والے نبی اکرم ﷺ و آخر کا مقصد بعثت کیا تھا؟ انہوں نے زندگی بھر کیا امور سرانجام دیئے۔ ہم پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان کے نام لیوا ہونے کی حیثیت سے ہم نے ان کے پاکیزہ مشن کیلئے کتنی قربانیاں دی ہیں؟ اس سے پہلے کہ آج ہم اپنی ذمہ داریوں کا مختصر جائزہ لیں یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو کس لئے مبعوث فرمایا اور زندگی بھر آپ ﷺ نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کیا کچھ کیا۔

قرآن حکیم میں حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد و مدعا یوں بیان ہوا ہے۔ ”وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس (دین) کو سب ادیان (باطلہ) پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ اس کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کریں“ (القصف: ۹)

گویا آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد محض دعوت و تبلیغ ہی نہیں بلکہ دین

حق کا عملی نفاذ اور اسے دیگر ادیان باطلہ پر غالب و فائق کرنا بھی تھا۔ یہی وہ ذمہ داری تھی جسے سرکارِ دو جہاں ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں کما حقہ پورا فرمایا۔ اس راہ میں خواہ آپ ﷺ کو اپنا جسم انور لہو لہمان کرنا پڑا، گلے مبارک میں پھندے ڈلوانے پڑے، تین تین سال شعب اہلی طالب میں اپنے خاندان اور مشرزی ساتھیوں سمیت بھوکے پیاسے رہنا پڑا، معاشرتی بائیکاٹ ہوا، طائف کے بازاروں میں پتھروں کی بارش برداشت کرنا پڑی، مکہ جیسا وطن چھوڑا، عزیز واقارب، دوست احباب چھوڑ کر ہجرت فرمائی، سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہمراہ تین دن رات غار ثور کی تاریکیوں میں بسر کئے، مدینہ پہنچے تو بے شمار معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات نمٹانے کے ساتھ ساتھ کثرت سے اسلام دشمنوں کی سازشوں اور کفار کے مسلسل حملوں کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ ہر بار ان کو عبرت ناک شکست دی۔

تاریخ انسانیت میں دس سالہ مختصر عرصے میں کسی قیادت، جماعت یا ریاست کو اتنی کثرت سے اتنی سخت مزاحمت کا مقابلہ عمیق کرنا پڑا۔ یاد رہے کہ اس دس سالہ مدنی دور نبوت میں تقریباً چھوٹی بڑی ۱۰۰ جنگیں ہوئیں جن میں سے ۲۶ میں آپ ﷺ خود بطور سپہ سالار شریک ہوئے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوتا رہا؟ کیا کفار مکہ کو مسلمانوں کی مذہبی رسومات سے خطرہ تھا؟ ہرگز نہیں۔ مسلمان اپنی جگہ اللہ اللہ کرتے رہتے اور اس بات پر معاہدہ کر لیتے کہ کعبۃ اللہ ہمارے حوالے کر دو، ہم پانچ وقت اذان دے کر نمازیں پڑھتے رہیں گے۔ سال میں ماہ رمضان آئے گا تو روزے رکھ لیا کریں گے۔ حسب توفیق زکوٰۃ ادا کر دیں گے اور حج کا مہینہ آئے گا تو ہم حج بھی کر لیں گے، بس یہی ارکان اسلام تھے جن کی ادائیگی بغیر جنگ و جدال کے آسانی ہو سکتی تھی۔

اگر اسلام محض ان ارکان اسلام پر عمل کر لینے، بعض معاملات میں حلال و حرام کی تمیز برتنے اور حسب ضرورت خدا کی راہ میں مستحقین پر تھوڑا بہت مال خرچ کر دینے کا ہی نام ہوتا تو حضور ﷺ اپنے جاٹار صحابہؓ سمیت اپنے جسم تیروں سے چھلنی نہ کرواتے، صحابہ گھربار چھوڑ کر ہجرت حبشہ اور بعد ازاں ہجرت مدینہ نہ کرتے۔ بڑی آسانی سے قریش مکہ

کے ساتھ سمجھوتہ ہو سکتا تھا کہ تم ہمارے مذہب کو نہ چھیڑو، ہم تمہارے باطل اور منافقانہ نظام کو نہیں چھیڑتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پھر مسلمان جب ہجرت کر کے مکہ سے سینکڑوں میل دور جاسے تھے، چاہئے تو یہ تھا کہ یہاں دونوں فریق کبھی نہ الجھتے لیکن جب تک مکہ فتح نہیں ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کے ذریعے پورے عرب پر اسلام کا پرچم لہرا نہیں دیا، کفار نے مسلمانوں کے ساتھ اس وقت تک شدید مزاحمت جاری رکھی اس لئے کہ کفار کو اسلام کے اس انقلابی منشور سے خطرہ تھا جس کے تحت ہر سطح پر ان کی اجارہ داریاں ختم ہو رہی تھیں اور متصفانہ اسلامی نظام سیاست و معیشت کی موجودگی میں انہیں اپنے مذموم مفادات خطرے میں پڑتے نظر آرہے تھے۔ چنانچہ جب سرزمین عرب اسلام کے زیر نگیں آچکا اور وہاں ایک فلاحی سیاسی قوت دنیا کے نقشے پر ابھر آئی تو حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آخری پیغام بھیجا۔ ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ ”محبوب آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔“

اگر دین محض عبادات و ریاضات کی ادائیگی اور تکمیل کا نام ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ آیہ مبارکہ فتح مکہ کے بعد نہ اتارتے اور نہ ہی اس سیاسی غلبہ و تفوق کو اتمام نعمت سے تعبیر فرماتے۔ جب تک بعثت نبوی ﷺ کے اس حوالے سے مسلمان اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے زمانہ گواہ ہے ہر جگہ اور ہر دور میں باعزت اور باوقار رہے، غالب و فائق رہے لیکن جیسے ہی ہماری نظروں سے مقصد بعثت نبوی ﷺ او جھل ہوا، ہم نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ ہم انفرادی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر نہ صرف پستی کا شکار ہوئے بلکہ کفر و طاغوت ہم پر مسلط ہو گیا۔ آج جب ہم جشن میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت پر بھی غور کرنا ہو گا کہ اس وقت پوری امت مسلمہ شکست خوردگی کے عالم میں زخموں سے کیوں کرا رہی ہے؟ مسلمان دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں لیکن یہ موثر قوت نہیں، ان کے پاس دولت کے انبار بھی ہیں مگر بے دست و پا ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ فلسطین، لبنان، آذربائیجان،

بھارت، کشمیر، یو سنیا، چیچنیا اور بے شمار دوسرے ممالک میں نہتے مسلمانوں پر ظلم کی ناقابل بیان داستان دھرائی جا رہی ہے لیکن اسلام دشمنوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

یہ تو ہے مسلمانوں کا حال! دوسری طرف اس ترقی یافتہ سائنسی دور کا جائزہ لیں تو ہر انسان مضطرب ہے۔ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے خطرناک آتشیں ہتھیاروں نے اسے غیر محفوظ کر دیا ہے۔ مادیت پرستی نے پوری دنیا میں حیات بخش روحانی اقدار کو مسمار کر دیا ہے۔ قتل و غارتگری، بے حیائی، عریانی، فحاشی اور بدکاری کے ماحول نے موجودہ تہذیب کو صدیوں پیچھے دھکیل دیا ہے۔ الغرض انسانیت آج پھر سسک رہی ہے۔ عدل و انصاف کے دروازوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ آج پھر نسلی، لسانی، اور جغرافیائی بتوں کی پوجا ہو رہی ہے۔ انسانوں نے پھر بے جنت منزلوں کا سفر شروع کر دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیابتی نہیں آئے گا جو اس بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لگائے۔ ان حالات میں مسلمانان عالم کا فرض ہے کہ وہ علم و عمل اور سیرت و کردار کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنا تاریخی کردار ادا کریں اور مقصد بعثت نبوی ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیں اور اسلام کا پیغام محبت و رسالت پوری دنیا میں پھیلا دیں۔

امت مسلمہ کے غیور نوجوانو! آج آقا ﷺ کا دین تمہیں پکار رہا ہے۔ حضور ﷺ

کی پوری امت زیوں حالی کا شکار بنی آپ کی راہیں دیکھ رہی ہے۔ دین کے نام نہاد علمبردار (الاماشاء اللہ) خود غرضی، مفاد کوشی اور نفس پرستی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اسلامی معاشروں میں اخلاقی و روحانی اقدار تیزی کے ساتھ ختم ہو رہی ہیں۔ کسی کو اصلاح احوال کی فکر نہیں کوئی ابتر احوال ملت پر دل گرفتہ نہیں..... ایسے میں آپ کے سامنے اب دو راستے ہیں....

☆ ایک یہ کہ آپ اپنی اس بے حسی اور منافقت کی زندگی کو جاری رکھیں اور یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں کہ امت مسلمہ کے افراد کی حیثیت سے آپ کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں یا نہیں۔ اس کے برعکس

☆ دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کو درپیش داخلی و خارجی اور نظریاتی و جغرافیائی

چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ عظیم قوم کے عظیم فرزندوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے اسلاف کے طریقوں پر عمل کرتے ہوئے خود کو اسلام کے مطلوبہ معیار کے مطابق ڈھالیں اور باہم متحد و متفق ہو کر دنیا پر چھائی ہوئی تمام استحصالی قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔ یہ دوسرا راستہ ہی تحریک منہج القرآن کا راستہ ہے، اسی راستے پر چل کر مصطفوی انقلاب کا سویرا طلوع ہو سکتا ہے۔ یہ اتنا آسان کام نہیں کہ گھر بیٹھے کامیابی مل جائے۔ اس کیلئے آپ کو حضور ﷺ کے جائزہ صحابہ کی طرح مصائب و آلام کی بٹھی سے گزرنا ہوگا، اس راستے میں بڑے نشیب و فراز آئیں گے جگہ جگہ رکاوٹوں کے پہاڑ آپ کا راستہ روکیں گے۔ اپنوں اور بے گانوں کی مخالفت ہوگی، جان مال اور بیوی بچوں کی محبت کے حصار سے لو پر اٹھ کر اس دین کیلئے کمر بستہ ہونا پڑے گا۔ علم، ہنر، دولت اور جملہ ذاتی مفادات کی قربانی دینا ہوگی۔

(اگست ۱۹۹۵ء)

بنیادی انسانی حقوق۔۔ اور بھنگ کا نفرنس کا ایجنڈا

عالم اسلام اس وقت کفر کے مسلسل اور مہلک ترین حملوں کی زد میں ہے۔ امت مسلمہ بیک وقت عسکری اور ثقافتی دونوں محاذوں پر عالم کفر کے تازہ توڑ حملوں کا شکار ہے۔ کشمیر و فلسطین کی طرح اب بوسنیا اور چیچنیا جیسے مسلم ممالک میں بھی کفر عسکری جارحیت کا مرتکب ہو رہا ہے جبکہ مصر، الجزائر، ترکی، شام، اردن، عراق اور پاکستان سمیت بیشتر اسلامی ممالک میں مصلحت پسند، اقتدار کے پجاری، ننگ دین و ملت حکمران اسلامی اقتدار کے خلاف مہلک ثقافتی یلغار میں کفر کے آلہ کار ہیں۔ عالم کفر امریکہ کی زیر قیادت یہودی عزائم کی تکمیل کے لئے اپنے نام نہاد نیو ورلڈ آرڈر کو بہر صورت کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے لیکن اس وقت اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام کا وہ جذبہ جہاد ہے جو مسلمانوں کو ہر دور میں پہاڑوں سے ٹکرا جانے کا عزم مختار ہے۔ یہ جذبہ ایمانی اس وقت تک قائم رہے گا جب تک مسلمان اسلامی اقتدار کے پاسبان ہیں۔ اس لئے دین دشمن طاقتوں نے اس ایمانی جذبے کو جڑوں سے کاٹنے کا پروگرام بنالیا ہے۔

اسلامی ممالک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی فحاشی، عریانی اور سستی جذباتیت کا رجحان اسی پروگرام کا عملی ثبوت ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور بالخصوص ڈش انٹینا نے بے حیائی کے فروغ میں نمایاں پیش رفت کی ہے لیکن یہ ابلیسی قوتیں اسی پر انحصار نہیں کرتیں بلکہ انسانی حقوق کے نام پر انہوں نے عورت کو بلا واسطہ اپنے شیطانی مشن کے فروغ میں شامل کر لیا ہے۔ بے حیائی کے فروغ کو ایک تحریک کے طور پر آگے بڑھانے کیلئے باقاعدہ منصوبہ بندی ہو چکی ہے۔ اس مقصد کے لئے کفر کی نمائندہ عالمی تنظیم اقوام متحدہ جو اب صرف اور صرف امریکہ کی زر خرید لونڈی بن چکی ہے، اپنی زیر نگرانی عالمگیر اجتماعات کے ذریعے عملی پیشرفت میں مصروف ہے۔

حال ہی میں چین کے دار الحکومت پکنگ میں ہونے والی عالمی خواتین کانفرنس، اس نوعیت کا چوتھا عالمی اجتماع ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم ممالک سے تقریباً ۳۵ ہزار خواتین کی شرکت متوقع ہے۔ اس سے قبل نیرومی اور قاہرہ میں بھی اسی طرح کے پلیٹ فارم پر عورت کے "بہبودی انسانی حقوق" پر غور و فکر ہو چکا ہے۔

اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ہونے والی ان کانفرنسوں کے ایجنڈوں کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے نام پر دراصل شیطانی مشن کو بہتر توجہ فروغ دیا جا رہا ہے۔ پچھلے سال قاہرہ کانفرنس میں 'مرد و زن کے مساوات اور مخلوط معاشرے کے قیام کے علاوہ بہبود آبادی کے نام سے اسقاط حمل کو قانونی تحفظ دینے پر زور دیا گیا تھا۔ اس مرتبہ پکنگ کے ایجنڈے میں کئی بہبودہ اضافی شقوں کے علاوہ یہ بھی شامل ہے کہ پوری دنیا میں ایسا غیر مذہبی معاشرہ قائم کیا جائے جہاں مرد و عورت کا آزادانہ میل ملاپ ممکن ہو اور یوں مرد کے ہاتھوں "عورت کا استحصال" ختم کیا جاسکے۔ اسی لئے عورت کو مرد کی برتری کا سامنا کرنے سے بچانے کیلئے اسے ہم جنس پرستی کی ترغیب دے کر اس لایعنی عمل کو بھی قانونی تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ بھی زیر غور ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ قوانین عورت کو محرومی اور ظلم و ستم سے نجات دلائیں گے یا صنف نازک مزید تباہی اور بربادی کا شکار ہوگی؟ کیا جنسی تعلیم عام کرنے، غیر مذہبی مخلوط معاشرے کا قیام اور ہم جنس پرستی جیسے قوانین سے خواتین کے مسائل حل ہو جائیں گے، عورت کو اپنا کھویا ہوا مقام مل جائے گا اور کیا ان اقدامات سے اسے معاشی کفالت کی ضمانت مل سکے گی؟ ہرگز نہیں۔ ایسے غیر فطری بلکہ غیر انسانی قوانین بنانے والے شیطانی ایجنڈوں نے عورت کے تقدس کو پامال کیا ہے، اسے عزت و وقار کے مقام سے گرا کر ذلت کی کرب ناک وادیوں میں دھکیل دیا ہے، مساوات مرد و زن کے نام پر عورت کے حقوق پامال ہوئے ہیں۔ اس کی عملی شہادت آج خود امریکہ اور یورپ کا معاشرہ فراہم کر رہا ہے جہاں عورت بے دست و پا ہے۔ پہلے تو اسے باقاعدہ ازدواجی بندھن میں قبول کرنے کیلئے کوئی

تیار ہی نہیں ہوتا اور اگر سالہا سال کے ”تجربے“ کے بعد باقاعدہ شادی ہو بھی جائے تو عورت کے سر پر طلاق کی تلوار لٹکی رہتی ہے۔ وہاں خاندان نام کی چیز نایاب ہو رہی ہے۔ امریکہ میں ہر تیسرا لیاچو تھاچہ بن گیا ہی ماں کی حرامی اولاد ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہاں کے معاشرے میں آوارگی نفسیاتی الجھنیں، جنسی جرائم، منشیات، قتل و غارتگری اور دوسرے غیر انسانی افعال میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ عربی، فحاشی اور ہم جنس پرستی نے انہیں ایڈز جیسی موذی اور لاعلاج مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیا فرنگی مدنیت کی ان ”فتوحات“ کو انسانی حقوق کی پاسداری کا نام دیا جائیگا؟ یا اسے انسانیت کیساتھ کھلی بغاوت اور عورت کی تذلیل سمجھا جائے گا؟ لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ اسلامی ممالک روز بروز اس شیطانی مشن کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمان خواتین بھی اس شیطانی جال میں جکڑی جا رہی ہیں۔ حالانکہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے عورت کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اسے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے مقدس رشتوں کے تقدس اور احترام سے نواز۔

اسلام نے عورت کو ناموس دین کا محافظ قرار دے کر اس کی عفت و عصمت کی حفاظت کا ایک ایسا فطری نظام دیا جو بذات خود عورت کے جملہ حقوق کا ضامن ہے۔ اسلام نے عورت کو عصمت کے محفوظ قلعے فراہم کئے اور چودہ سو سال پہلے ان حقوق سے نوازا جن کا تصور اب تک امریکہ اور مغربی ممالک کے آئین نہیں دے سکے۔ ہاں انہوں نے اس کو گھر کی چار دیواری سے گھسیٹ کر بازاروں، کلبوں، قحبہ خانوں اور مردوں کی ہوس پرستی کے اڈوں کی زینت ضرور بنا دیا۔ اسے بے لباس کر کے اپنی تسکین کا سامان پیدا کیا۔ ایسے میں دختران اسلام کو اپنی مذہبی، دینی، قومی اور تحرکی ذمہ داریوں سے آگاہ ہونا چاہئے۔ مغربی ثقافتی یلغار کا پہلا ہدف ہمارا نظام عفت و عصمت ہے اور اس نظام کی سلامتی اور حفاظت کا دار و مدار خواتین اسلام پر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امت پر اس کڑے وقت میں ملت کی بیٹیاں کیا کردار ادا کرتی ہیں۔

(ستمبر ۱۹۹۵ء)

کیا آپ نے کبھی سوچا؟

ویسے تو اس دور کا انسان بہت سوچتا ہے۔ اتنا سوچتا ہے کہ بہت سی جان لیوا بیماریاں اسی سوچنے سے پیدا ہو رہی ہیں۔ بیماریاں بھی ایسی جو اسی دور کا تحفہ ہیں سابقہ ادوار میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے مقصد آپ کو تفکرات میں جھونکنا نہیں بلکہ بعض حقائق پر غور و فکر کی دعوت دینا ہے اور یہ دعوت خود خالق کائنات نے بھی دی ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا؟ یہ فلک بوس اور خوشنما عمارتیں اور ان پر خراٹے بھرتی ہوئی سبک رو گاڑیاں، فضا کے دوش پر دوڑنے والے برق رفتار جہاز، سمندروں کی ہیبت ناک طوفانی امواج سے کھیلتے ہوئے بحری بیڑے اور یہ سب کچھ جو ہمارے زیر استعمال ہے اور اسے بنانے میں انسانی محنت شامل ہے، کیسے معرض وجود میں آیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ انسان کی ضرورت تھی اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے لیکن اصل حقیقت اس سے تھوڑی سی مختلف ہے اگر آپ بنظر غائر سوچیں تو آپ پر واضح ہو گا کہ ضرورت سے لے اس کی تکمیل تک کے سارے مراحل طے کروانے میں جو طاقت اور روشنی انسان کی راہنما بنتی ہے وہ یہی سوچ، فکر اور تدبیر ہے اس لئے ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی تخلیقات محض ضرورت کا نتیجہ نہیں بلکہ فکر کا معجزہ ہیں۔ اس جہان آب و گل میں انسانی محنت اور کاریگری کے جتنے رنگ اور جتنی شکلیں بھی نظر آرہی ہیں یہ دراصل اس کی فکر کے ٹھوس مظاہر ہیں۔ یہ خوبصورت محلات اور بلند عمارتیں زمین پر بننے سے پہلے انسانی دماغ میں بنتی ہیں۔ یعنی انسان سوچتا ہے پھر زمین میں نقشہ تیار کرتا ہے تب جا کر خاص Process کے ذریعے اس کو ٹھوس وجود ملتا ہے۔ گویا انسانی زندگی میں ہر عمل، ہر تحریک، ہر جدوجہد اور ہر تخلیق دراصل کسی فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ فکر جتنی پختہ، آزمودہ کار، تعمیری، با مقصد اور پائیدار ہوگی اس کے نتیجے میں ہونے والی عملی تخلیق و تعمیر میں بھی اسی قدر پائیداری، حسن اور نفع بخشی ہوگی۔

یہ بیادی اور اصولی بات ذہن نشین کر کے ذرا ایک لمحے کیلئے سوچیں کہ یہ انسان جس کی فکر نے کائنات کے خاکوں میں اپنی تخلیق کے رنگ بھرے، خود کس کی فکر کا نتیجہ ہے؟ کسی کی تخلیق ہے؟ کس کے شاہکار ہنر کا تراشیدہ پیکر ہے اور اس تخلیق کے پیچھے کیا حکمت کار فرما ہے؟ لفظ کن سے اشیاء کو عدم سے معرض وجود میں لانے والی ذات علیم و حکیم نے انسان کو کیا مشن سونپا؟ ایک عام انسان اپنی تخلیق کو اگر بے عیب، ممتاز اور با مقصد دیکھنا چاہتا ہے تو خالق کائنات کے ہنر کا یہ تراشیدہ شاہکار کیا بے مقصد ہو گا؟ ان سوالات کے مفصل جواب کے لئے تو کئی جلدیں درکار ہیں اور یہ وضاحت قرآن و حدیث اور علماء کی لکھی گئی بے شمار کتب میں موجود بھی ہے لیکن یہاں صرف ایک حدیث قدسی کافی حد تک ہماری راہنمائی کرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”میں مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا۔“ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس حدیث کے مصداق اپنے خالق کی خواہش عرفان اور محبت کا ثمر ہے۔ گویا اس کی تخلیق کا سبب بھی محبت ہے اور مقصد و مدعاۓ حیات بھی محبت و عرفان ہے۔ قدرت کو اپنے شاہکار سے محبت تھی اس لئے اس کو احسن تقویم کے دلکش پیکر میں ڈھالا۔ اس کے سر پر اپنی خلافت کا تاج سجایا۔ اس کے لئے کائنات پست و بالا کو مسخر کر دیا۔ اس کو بے شمار قلبی و ذہنی صلاحیتیں عطا کیں تاکہ یہ خلافت ارضی کا حق ادا کرتے ہوئے حسن مطلق کے جلوئے کو بہ کو بکھیرتا رہے۔ خالق کائنات نے بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و ملت عالم پست و بالا کو انسان کے تصرف میں دے دیا، اس نے حسب خواہش و ضرورت اس میں اپنی فکر و عمل کے گلستان کھلائے۔

انسان حسن مطلق کا پر تو ہونے کے ناطے اس کی محبوب تخلیق ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ ناپسندیدہ امور کی انجام دہی کے نتیجے میں اس کے غضب کا نشانہ بنے۔ اس لئے اس نے رشد و ہدایت کا باقاعدہ نظام بھی قائم فرمایا بلکہ پہلے انسان سیدنا آدم علیہ السلام کو نبوت کے منصب جلیلہ پر فائز فرمایا تاکہ انسانی زندگی سے پہلے دنیا میں ہدایت کا نظام موجود ہو اور کسی ایک انسان کے پاس بھی یہ حجت نہ رہے کہ اسے راہ ہدایت کی طرف راغب نہیں

کیا گیا۔ پھر نبی آخر الزمان ﷺ کے بعثت کے ساتھ یہ نعمت ہدایت اپنے اتمام و کمال کو پہنچادی گئی اور قیامت تک کی نسل انسانی کے لئے قرآن حکیم کی صورت میں ایسے قوانین بہم پہنچادیئے کہ حیات دنیوی، حیات برزخی اور حیات اخروی کے ہر مرحلے کیلئے راہیں روشن ہو گئیں۔ لیکن سے بڑھاپے اور گھر سے ایوان اقتدار تک کے آداب اسی کتاب میں سمودیئے گئے۔

ہاں آئیے! ایک اور پہلو پر بھی غور کرتے ہیں اللہ نے پیدائش سے بڑھاپے تک انسان کو ہر سطح پر آسودگی فراہم کرنے کا ایسا معاشرتی نظام دنیا کہ وہ کسی قدم پر بھی تنہا نہیں ہو سکتا۔ پیدا ہوتے ہی ماں باپ کی شفقت، تھوڑا بڑے ہوئے تو بہن بھائیوں کی محبت، آگے بڑھے تو بیوی بچوں کی طبعی رغبت اور بڑھاپے کی طرف لپکے تو اولاد کی طرف والدین کے لئے خدمت کا داعیہ اور دوست احباب، عزیز رشتہ داروں کا باہمی تعلق۔ الغرض ایک سلسلہ محبت ہے جو ہر قدم پر انسان کو ایک دوسرے سے پیوست رکھتا ہے یہ نظام بھی بلاشبہ انسانی زندگی کا امتیازی وصف ہے۔ چپ نے دیکھا! اللہ تعالیٰ کو اپنی اس تخلیق سے کتنا پیار ہے۔ اسی لئے تو فرمایا: ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ کہ ہم نے انسان کو شرف و تکریم کے عالی مقام پر فائز کر دیا۔

اے انسان! تو بھی تو سوچ کہ کیا تجھے بھی اپنے آقا و مولیٰ سے اتنا ہی پاس تعلق ہے؟ کیا تیرے دل میں بھی اپنے خالق کی اطاعت و محبت کا جذبہ موجود ہے؟ تجھ پر تو اس کی عنایات لمحہ بہ لمحہ رزم برہم رہی ہیں لیکن تو دن میں کتنی بار اس کے احسانات کا شکر ادا کرتا ہے؟ تجھے اس نے صورت، صحت، تندرستی اور مال و دولت سے نوازا، تو نے ان نعمتوں کی کتنی تحدیث کی؟ وہ بے نیاز ہو کر کسی لمحے تجھ سے غافل نہیں رہتا۔ تو محتاج ہو کر بھی اس کی رحمت سے گریز پا ہے۔ وہ معبود ہو کر بھی تجھے نوازنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے تو عبد ہو کر بھی اس کی بارگاہ میں جھکنے سے عاری ہے۔ اس نے تجھے پوری مخلوق پر ترجیح دی، تو نے خود کو حیوانوں سے بھی نیچے گرا دیا۔ اس نے تجھے محبت کا پیامبر بنایا، تو نے چار روزہ زندگی میں

نفرتوں کے بیچ بونے شروع کر دیئے۔ اس نے تجھے دوسرے بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کا امین بنایا، تو ہر روز ناحق خون بہاتا ہے، ڈاکے ڈالتا ہے، عزتوں سے کھیلتا ہے اور عصمت کی چادر کو تار تار کرتے نہیں شرماتا۔ اے انسان کبھی یہ بھی سوچ کہ اس باغیانہ روش سے تیرا رب کتنا راض ہوتا ہوگا اور پھر یہ روش تیرے شایان شان بھی تو نہیں۔ تجھے اس سے کیا ملتا ہے؟ سوچ اے انسان! تو کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ تو نے جانا کہاں ہے؟ مہلت عمل کو غنیمت سمجھ، زاوراہ کی فکر کر، انسانیت کا احترام کر کسی کے کام نہ بھی آسکے تو خیر ہے اپنی فکر تو کر....

”تو اگر میرا نہیں بتانا بن اپنا تو بن“

(اکتوبر ۱۹۹۵ء)

اقوام متحدہ (UNO) کی..... پچاسویں سالگرہ

پیسویں صدی کے ترقی یافتہ مہذب اور پڑھے لکھے انسان کی سب سے بڑی اور معتبر عالمی تنظیم ”انجمن اقوام متحدہ“ کو بنے ہوئے آج ٹھیک ۵۰ سال ہو گئے ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے اختتام پر اس کی تشکیل و تاسیس بظاہر ایک مستحسن قدم تھا کیونکہ اس کے چارٹر میں کوئی ایسی شق نہیں تھی جس سے رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے فرق و امتیاز کی بو آتی ہو لیکن پچھلے پچاس سال کے واقعات نے تسلسل کے ساتھ یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ یہ دراصل ایک ایسا منظم عالمی ادارہ ہے جو عالم اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہے۔

سیاسی، سماجی، اقتصادی اور عسکری محاذوں پر پورا عالم کفر اس کی زیر نگرانی اسلام کے خلاف سر پیکار ہے۔ اس کے چارٹر میں تھا کہ اس پلیٹ فارم سے مظلوم قوموں کی دادرسی کی جائے گی، دنیا میں امن حال رکھنے کے لئے کوششیں ہوں گی انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ممبر ممالک کے مسائل حل کئے جائیں گے لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ اقوام متحدہ کے بننے کے چند سال بعد کشمیر اور فلسطین، عالم اسلام کے دو اہم مسائل اس کے ایجنڈے پر گئے اور وہ آج تک جوں کے توں ہیں بلکہ بد سے بدتر انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ اقوام متحدہ بتدریج امریکہ کی بے دام کنیز بن گئی ہے جبکہ امریکہ اس وقت مٹھی بھر یہودیوں کے ہاتھوں پر غمال بن چکا ہے۔ اس اعتبار سے جاپور پر کہا جاسکتا ہے کہ UNO یہودی مفادات کا تحفظ کر رہی ہے اور اس کا سب سے بڑا ہدف عالم اسلام ہے۔

انسانی حقوق کی محافظ یہی اقوام متحدہ اسرائیل کو تحفظ دیتی چلی آرہی ہے وہاں دنیا بھر سے لاکھوں یہودیوں کو آباد کیا جا رہا ہے اور اس ارض مقدس کے صدیوں پرانے وارث مسلمانوں کو دردر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے نکال باہر کیا گیا ہے۔ کشمیر میں نصف صدی سے مظالم کی خونی داستان اور بھارت کے غاصبانہ قبضے کا کسے علم نہیں، لیکن اس نے

ابھی تک نہ تو بھارت کو اور نہ ہی اسرائیل کو تنبیہ کی جبکہ کویت، عراق، جھگڑے میں مداخلت کر کے فوری کارروائی کو اس نے اپنا فرض منجھی سمجھا اور دنیا بھر کی مسلح افواج عراق کے مقابلے میں لاکھڑی کیں کیونکہ امریکہ اور یورپ کو وہاں کے پیٹرول میں دلچسپی تھی۔ اب کویت پر عراق کا قبضہ ختم ہو گیا مسئلہ حل ہو چکا ہے لیکن عراق پر عالمی دباؤ اس شدت سے جاری ہے کہ وہاں کے معصوم بچے اور بوڑھے کھانے پینے سے لیکر ضروری ادویات تک کو ترس گئے ہیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں کو نہتہ کر کے ختم کیا جا رہا ہے۔ چیچنیا میں روس کے ظلم پر بھی UNO خاموش ہے اس کے برعکس عالم کفر کی اس مشترکہ تنظیم نے لیبیا، سوڈان اور ایران جیسے مسلمان ممالک پر ابھرتے ہوئے اسلامی جذبے کے پیش نظر تجارتی پابندی لگا رکھی ہیں۔ امریکہ جیسا عالمی غنڈہ جو چاہے کر لے لیکن کوئی مسلمان ملک اگر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہے تو اس کی مشینری حرکت میں آجاتی ہے اور وہاں اس کی قراردادیں موثر ہونے لگتی ہیں۔

ایسے میں ان مسلمان ممالک کو غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ اقوام متحدہ میں ایک تہائی اکثریت (۵۳) اسلامی ممالک کی ہے۔ ان کے پاس O-I-C کی اپنی تنظیم بھی ہے لیکن انہیں روز بروز عالم کفر کا اتحاد اور ان کی طرف سے مسلسل زیادتیوں کا ادراک نہیں ہو رہا۔ تعجب ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک کے اقتدار پر ست سزبر اہان عالم کفر کی حمایت سے کرسی اقتدار کو تحفظ دے رہے ہیں۔ ایسے میں پاکستان کی پوزیشن بہت نازک اور حساس ہو چکی ہے لیکن براہویہاں کے بدطنیت سیاسی وڈیروں کا جنہوں نے ہوس اقتدار میں اسلام کے اس مضبوط قلعے کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ پاکستان، جس نے عالم اسلام کی راہنمائی کرنا تھی خود داخلی مسائل کا شکار ہے۔ کراچی سے لے کر کشمیر اور بلوچستان سے خیبر تک اس کے زخموں سے رستا ہوا خون ہمارا بہت بڑا المیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستانی قوم کو شعور عطا فرمائے کہ وہ اس نازک موڑ پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔

علماء و مشائخ کی ذمہ داریاں

انسانیت کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے رسالت و نبوت کا جو طویل اور نوارنی سلسلہ قائم فرمایا وہ حضور ختمی مرتبت نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر پورے اتمام و کمال کے ساتھ ختم ہو گیا لیکن اس تغیر پذیر اور رواں دواں کاروان حیات کے زاویئے فطری اصولوں سے ہم آہنگ رکھنے کیلئے قیامت تک ہدایت و راہنمائی کے ایک مربوط نظام کی قدم قدم اور لمحہ لمحہ ضرورت تھی جس کی تکمیل کیلئے قدرت نے ہر دور میں صاحبان علم و فکر کا تسلسل قائم رکھا جنہوں نے حسب توفیق اور حسب صلاحیت اس پیغمبرانہ مشن کو آگے بڑھایا۔ اسی لئے ہادی عالم نے فرمایا: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ” میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں ” مدعا یہ کہ دعوت حق کا جو فریضہ سابقہ امتوں کے انبیاء و رسل انجام دیتے تھے۔ اب قیامت تک یہ حساس ذمہ داری امت مصطفوی کے علماء کے کاندھوں پر عائد رہے گی۔ چنانچہ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جس طرح صحابہ کرامؓ نے چہارگانہ فرائض نبوت (دعوت و تبلیغ اور تعلیم کتاب و حکمت) کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اطراف و اکناف عالم میں جہاد کا فریضہ سر انجام دیا بعد ازاں تبع تابعین کے دور میں بھی جاری رہا اور آج تک تاریخ کے ہر نازک دور میں اللہ تعالیٰ کے ان اولوالعزم بھدوں نے امت کی راہنمائی فرمائی۔ انہوں نے مال و دولت، وطن، اولاد اور جان کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔

ہر دور میں اسلام کونت نئے فتنوں اور چیلنجوں کا سامنا رہا ہے لیکن دین اسلام چونکہ خالق کون و مکان کا تخلیق کردہ دین ہے اور اس کی تعلیمات میں بنی نوع انسان کی جملہ ممکنہ بیماریوں کا علاج مضمر ہے اس لئے ہر دور کا ستم رسیدہ انسان بلاآخر اس خدائی نظام کی طرف لپکا۔ آج کا دور پہلے ادوار سے قطعاً مختلف ہے۔ اس دور کی ہر چیز پر مادیت کی چھاپ

اتنی گہری ہو چکی ہے کہ انسان مادی ترقی کی دوڑ میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ یہ دوڑ اس قدر سرعت اور تسلسل کے ساتھ جاری ہے کہ ہر شخص مشین کا پرزہ بنتا جا رہا ہے۔ اس نام نہاد ترقی کی خواہش نے اس سے بہت سی انسانی اور ملکوتی خصوصیات چھین لی ہیں جن میں دینی مذہبی اور اخلاقی اقدار سر فہرست ہیں۔

آج کا انسان ترقی یافتہ ہو کر بھی جاہلی دور کے انسان سے مشابہت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ مادیت کا ثمر 'لادینیت' دہریت اور عریانیت اس دور کے خاص تحائف ہیں اور یہ تحائف ایک خاص سکیم اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اب مشرق (اسلامی دنیا) میں پہنچائے جا رہے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ آج اسلام کو جہاں اہل کفر کی عسکری جارحیت کا سامنا ہے وہاں جسد ملت لادینیت دہریت اور مادیت کے خطرناک بلکہ جان لیوا حملے کی زد میں بھی ہے۔

کفر کی ننگی جارحیت کا مقابلہ کسی قدر آسان ہے لیکن افکار و نظریات اور دل و دماغ کے راستوں سے در آنے والی روحانی بیماریوں کا قلع قمع بہت مشکل اور وقت طلب کام ہے۔ بد قسمتی سے جملہ اسلامی ممالک اس وقت بری طرح ہر دو قسم کے حملوں کی زد میں ہیں۔ عسکری محاذ پر بھی جنگ جاری ہے اور نظریاتی محاذ پر بھی تصادم شروع ہیں لیکن قابل توجہ اور لائق التفات بات یہ ہے کہ عسکری محاذ پر جارحیت کا مقابلہ ہر شخص پڑھا لکھا ان پڑھ مرد عورت بوڑھا جوان کر سکتا ہے مگر دوسرے محاذ پر مقابلہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں وہاں صرف رجال کار اور اصحاب فکر و عمل ہی فعال کردار ادا کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تحریک منہاج القرآن نے اپنی مساعی کا رخ بالخصوص دوسرے محاذ پر جا رہے حملوں کے تدارک کی طرف کیا ہوا ہے۔ تحریک منہاج القرآن اپنے رفقاء کار کمان اور اہل درد اصحاب فکر و دانش کی وساطت سے دنیا بھر کے انسانوں اور بالخصوص مغربی اقوام کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ اے مادیت کے راستے دہریت لادینیت اور حیوانیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے انسانو! آؤ اسلام کے دامن رحمت میں تمہیں اطمینان

سکون، عافیت اور راحت ملے گی۔ یہ تحریک مسلمانان عالم کو بالخصوص یاد دہانی کروانا چاہتی ہے کہ مغربی تہذیب کے چنگل سے نکلیں۔ اپنی ملت، دین اور مذہب کا تشخص قائم رکھیں۔ سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی نظام وہی بہترین اور مفید ہے جو سرور کائنات ﷺ نے تمہارے لئے متعین فرمایا اور جسے خالق کائنات نے ”ان الذین عند اللہ الاسلام“ کہہ کر پسند فرمایا۔ ترقی پسند کے نام پر تہذیب جدید تمہیں تباہی کے گڑھوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ تمہارے مسائل کا حل انسان ساختہ مغربی قانون کے پاس نہیں بلکہ خدا ساختہ دین فطرت کے اصولوں کی اتباع میں مضمر ہے۔

لوٹ جا عہد نبی کی سمت، رفتار جہاں! پھر میری پسماندگی کو ارتقاء درکار ہے

یہ تحریک عہد حاضر کے علماء و مشائخ کی خدمت میں بصد ادب درخواست گزار ہے کہ آپ اس ملت کے پاسبان ہیں، آپ کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی تقدیریں تھما دی ہیں، آپ اس لٹی ہوئی قوم کے پیشوا ہیں، اس در ماندہ کارواں کے نقیب ہیں، قیامت و سیادت کی ساری عظمتیں آپ کو مبارک لیکن سوچئے تاریخ کے اس نازک موڑ پر آپ کے کاندھوں پر کتنی بھاری ذمہ داریاں عائد ہو چکی ہیں اگر آپ امام حسینؑ، امام حسن بصریؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام غزالیؒ اور محد الف ثانیؒ جیسے اکابر عقیدت رکھتے ہیں تو خود فیصلہ کرنا ہو گا کہ ان کی زندگیوں سے اکتساب فیض کے لئے ان کی سیرتوں پر عمل کرنا یا فانی دنیا کی وقتی مصلحتوں کو مطمح نظر بنا کر حیات مستعار گزار دینی ہے۔ یہ وقت آپ کے دو ٹوک کردار کا منتظر ہے ایسا کردار جو اسلاف کی پیروی میں قوم کا رخ متعین کر دے۔ یہ قوم جو اپنا تائبناک ماضی فراموش کر کے دن بہ دن مایوسیوں میں گھر کر فکری عملی اور روحانی توانائیاں کھورہی ہے۔ یہ توجہ دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے، آپس میں متصادم اور باہم دست و گریبان ہے۔ یہ قوم جسے ہر موڑ پر رہنما کی صورت میں نیا رہزن ملتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اس کی قسمت سے کھیلتا ہے۔ اس ملک کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم کون رکھے گا۔ کراچی سے خیبر اور بلوچستان

سے پنجاب تک بھنے والے ناحق خون کا حساب کس سے لیا جائیگا۔ اس کی شہ رگ کشمیر سے بہتے ہوئے معصوم خون کے فوارے کب تک جاری رہیں گے، کشمیر کی مسلمان ماؤں، بسہنوں اور بیٹیوں کی لٹی پٹی عصمتوں کی پکار کون سنے گا، اس ملک کے لاکھوں بے راہ رو نوجوان دین و مذہب سے ناشتا ہیں ان کی تعلیم و تربیت پوری قوم کی تربیت ہے۔ آپ نے یہ فریضہ بھی سر انجام دینا ہے۔ آئندہ تاریخ آپ کی منتظر ہے۔۔۔ اٹھئے! حسینؑ کی صدائیں کر وقت کے یزیدوں کو للا کر یئے، تاجدارِ کائنات کے غلام آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

(دسمبر ۱۹۵۵ء)

(آل پاکستان مشائخ کا نفرنس کے موقع پر)

سال 96ء

لمحات کی مقروض انسانی زندگی

قارئین کرام کو نیا عیسوی سال مبارک ہو..... وقت کی تیز دھاری تلوار نے ۹۵ء کو بھی ہماری زندگیوں سے کاٹ کر الگ کر دیا ہے اور ہم ایک بار پھر اپنے کاندھوں پر مسائل کے انبار لئے زندگی کو اگلے سال کے سپرد کر چکے ہیں۔

رو میں ہے رخسِ عمر کہاں دیکھئے تھمے نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں ہر شخص کی زندگی دراصل گنے چنے چند لمحات کا مجموعہ ہے۔ ایک ایک لمحہ جو حال سے ماضی بن کر گزر رہا ہے ہمیں آگے نہیں پیچھے دھکیل رہا ہے۔ لمحے گھنٹوں میں گھنٹے دنوں میں دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں ڈھل کر ہم سے جدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور یوں چند سالوں کے بعد انسان موت کی دہلیز پر جا پہنچتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ موت کے ہاتھوں بھی نہیں مرتے بلکہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو زندہ ہو کر بھی مردہ ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے طبقہ کو قرآن نے انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کا ٹائٹل دیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ انعام یافتہ بندگانِ الہی مرتے ضرور ہیں لیکن موت کا جام ان کے لئے آبِ حیات بن جاتا ہے۔ وہ ظاہری زندگی میں موجود ہوں تب بھی فیضِ رسانی کے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور اس قیدِ حیات سے خلاصی پا کر تہہ خاک جا بسیں تب بھی مردہ دلوں کو زندگیاں عطا کرتے ہیں۔ لمحات، ایام، شہور اور سالوں کی گرفت سے آزاد یہ لوگ لہدی اور سرمدی حقیقت بن کر صدیوں پر پھیلے کاروانِ حیات کے نقیب بن جاتے ہیں اسی لئے اقبال نے بجا طور پر کہا۔ ”ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر“

ان نفوسِ قدسیہ کو زمان و مکان پر قدرت کیونکر حاصل ہوتی ہے؟ صرف اس لئے کہ یہ لمحاتِ حیات کو خالق کی منشاء کے عین مطابق اس کی رضا میں فنا ہو کر گزارتے ہیں۔ زندگی، موت، دنیا، آخرت اور جملہ اسبابِ حیات کا خالق، اللہ رب العزت ہے۔ ہوا کے

جھونکے سے درخت کے پتوں کی حرکت ہو یا سمندر کی لہروں پر تیرتے ہوئے بلبے کا ابھار، فضاؤں میں چاند، سورج اور ستاروں کی تابانی ہو یا سمندر کی عمیق تہہ، ذی روح مخلوق کا قرار، برف پوش سنگلاخ پہاڑوں کی ہیبت ہو یا سبزہ زار میدانوں میں بہاروں کا بانگ، سب میں اسی کی قدرت کا مکمل عمل دخل ہے۔ جو لوگ اس کے رنگ میں رنگے جائیں ان کے لئے بھی زمان و مکان کی وسعتیں مسخر ہو جاتی ہیں اور وقت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں تھما دی جاتی ہے۔ یہ تو ہدایت یافتہ اور خاص بندگانِ خدا کی باتیں ہیں اور ہم؟..... ہم تو وقت کی اس تیز گام کی بے اختیار سواریاں ہیں جس کی کوئی منزل ہے نہ جہت، انفرادی زندگی سے لے کر قومی اور بین الاقوامی سطح تک پھیلے ہوئے معاملات میں اپنی زندگی کے کردار پر غور کریں تو آئینہ ایام میں اپنا چہرہ صاف نظر آجائے گا۔

ہم اس زندہ قوم کے فرد ہیں جس کے دے کفر کی تاریکی، ظلمت اور جہالت کی سمت جانے والے قافلوں کو حیات بخش روشنی فراہم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید معرفت اور خشیت و محبت کی روشنی، مقصود کائنات فخر موجودات نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی محبت، اتباع اور غلامی کے تعلق کی روشنی۔ کفر چاہتا ہے کہ یہ روشنی نہ رہے اور نہ پھیلے لیکن اس نے اسی طرح ضوفشاں رہنا ہے۔ منہاج القبرآن کا مصطفوی قافلہ اسی روشنی کو لے کر ظلمت کدہ عالم میں پھیل چکا ہے۔ وقت کی تیز دھاری تلوار کا شکار ہونے سے پہلے خود کو اس روشنی کا علم بردار بنالیں تو ”بعد مرنے کے لحد میں بھی اجالا ہوگا“

(جنوری ۱۹۶۶ء)

شبِ برأت سے شبِ بسنت تک، ثقافتی یلغار کا خطرناک سفر

ہر قوم، مذہب اور علاقے میں بعض دن مخصوص ہوتے ہیں جن کو قومی، مذہبی یا علاقائی تہوار کا نام دیا جاتا ہے۔ اس لئے ہر تہوار کسی نہ کسی تہذیبی و ثقافتی روایات اور مذہبی و تاریخی اقدار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مثلاً مسلمان ہر سال پوری دنیا میں اجتماعی سطح پر دو عیدیں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) مناتے ہیں۔ یہ عیدیں دراصل دو بنیادی ارکانِ اسلام (روزہ اور حج) کی ادائیگی کے اختتام پر بطور تشکر منانے کا حکم ہے۔ اسی لئے شرق سے غرب تک بلا تمیز رنگ و نسل اور زبان سب مسلمان ان مذہبی تہواروں کو مناتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے یومِ میلاد کو پوری دنیا کے مسلمان خوشی اور جشن کے طور پر مناتے ہیں کہ اس دن اللہ جل مجدہ نے کائنات کو اپنا محبوب رسول ﷺ عطا فرما کر انسانیت پر سب سے بڑا احسان فرمایا۔ علاوہ ازیں ہر ہفتیسوں جمعۃ المبارک بھی ہمارا دینی اور مذہبی تہوار ہے پھر ان دنوں کے علاوہ چند راتیں بھی مخصوص ہیں جن میں انوارِ الہیہ کا نزول ہوتا ہے اور اسلامیانِ عالم ان انوار کو سمیٹنے کی حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ ان میں شعبان کی پندرہویں رات ”شبِ برأت“، رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتیں اور بالخصوص ستائیسویں رات ”لیلۃ القدر“ اور جس رات تاجدارِ کائنات ﷺ اپنے مولا کے اہتمام خاص سے عالم بشریت کی نمائندگی کرتے ہوئے عرش کے راہی بنے ”شبِ معراج“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کوئی بھی اسلامی تہوار خواہ دن میں ہو یا رات میں اس کے لئے باقاعدہ اصول و ضوابط اور سرگرمیوں کا طے شدہ شیڈول ہے جو خود نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے مرتب ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان جملہ دینی تہواروں کی ایک ہی خصوصیت نظر آتی ہے اور وہ ہے تقدس، پاکیزگی، اجتماعیت، عالمگیریت اور روحانی ماحول، تاکہ ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کعبہ کو ماننے والے خوشی مناتے ہوئے بھی باہمی

اخوت اور عالمگیر رشتہ محبت میں مربوط نہیں اور اپنے خالق و مالک کے حضور سر بسجود ہو کر حق بندگی بجلائیں۔ الغرض ان تہواروں کی ہر سرگرمی بندگی کی علامت اور ہر لمحہ تشکر و امتنان کا مظہر ہوتا ہے۔

جہاں تک تفریح طبع کا تعلق ہے تو اسلام میں اس کی پوری گنجائش موجود ہے لیکن ایک مخصوص حد تک یعنی شرافت، طہارت اور شانستگی جیسی انسانی صفات کے دائرے میں رہتے ہوئے انجوائے کرنے کی اجازت ہے۔ ہاں وقت کے ضیاع، مال و دولت کی بربادی، عریانی، فحاشی، ہلڑبازی اور غیر شائستہ میل جول پر مبنی بے مقصد سرگرمیوں کی اسلام کے ہاں قطعاً گنجائش نہیں۔

ہمارا قومی المیہ یہ ہے کہ ہمارے معاشروں سے دینی اقدار اور اسلامی ثقافت کی گرفت ختم ہو کر غیر اسلامی اقدار اور مغربی تہذیب و ثقافت کی چھاپ گہری ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا مظاہرہ یوں تو ہر دن ہوتا ہے لیکن گزشتہ چند سالوں سے مختلف مواقع پر اس کا اظہار کھل کر ہو رہا ہے۔ پچھلے تین چار برسوں سے نیو ایئر ناٹ، شبِ برأت، شبِ قدر، عید اور شبِ بسنت تھوڑے تھوڑے وقفے سے یکے بعد دیگرے آرہی ہیں۔ اول الذکر رات فرنگیوں کا تہوار سمجھا جاتا ہے جس میں وہ محافلِ شراب و شباب اور زقص و سرور کا اہتمام کر کے نئے سال کا استقبال کرتے ہیں۔ دوسری رات مسلمانوں کے ہاں بالاتفاق وہ عظیم رات ہے جس میں گناہوں کی بخشش طلب کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت و بخشش جوش میں ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق اس رات سال بھر کا رزق تقسیم ہوتا ہے اور موت و حیات کے فیصلے کئے جاتے ہیں، اس لئے جملہ اہل اسلام حسبِ توفیق رات بھر جاگ کر عبادت و ریاضت اور تسبیح و مناجات میں گزارتے ہیں۔ اسی طرح شبِ قدر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرمایا اور اسے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیکر اس میں شبِ بیداری کی ترغیب دی گئی۔ چنانچہ مسلمان اس رات بھی تسبیح و مناجات کرتے ہیں۔ جبکہ چوتھی رات ”شبِ بسنت“ ہے اور بسنت بنیادی طور پر ہندوؤں کا مخصوص تہوار ہے

جسے وہ آمدِ بہار کی خوشی میں مناتے ہیں۔

قارئین! ان تینوں راتوں کے پس منظر اور موجودہ نوعیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ہم اپنے ملک کے عوام الناس اور بالخصوص نوجوان طبقے کو دیکھیں تو ہمیں مستقبل کے قومی افق پر بہت بھیانک مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ غیر اسلامی تہوار دراصل بے غیرتی اور ڈھٹائی کے ایامِ تجدید و ترویج بنتے جا رہے ہیں۔ ”نیو ایئر نائٹ“ پر مغرب زدہ مرد اور عورتیں اعلیٰ ہوٹلوں، گھروں اور ناچ گانے کے مراکز میں جس ”بے باکی“ کے ساتھ مغربی آقاؤں کے ساتھ اظہارِ بیعتی کرتے ہیں، اخبارات پڑھنے والا ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ اس تقریب کے اہتمام میں ہر سال بتدریج تنوع آرہا ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں اس ایک دن کے ناچ گانے اور شراب و شباب کے اخراجات کا تخمینہ کروڑوں میں لگایا گیا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ انتظام و انصرام سرکار کے اعلیٰ اہلکاروں کی زیر نگرانی ہوتا ہے اور وہ بھی پوری حفاظت اور ”مکمل تفریح“ کی ضمانت کے ساتھ۔ جہاں تک ”شبِ برات“ ”شبِ قدر“ یا ”شبِ معراج“ وغیرہ کا تعلق ہے تو عام مشاہدہ تو یہی ہے کہ اس قسم کی راتوں کا پہلے تو کسی کو علم ہی نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو ان میں مسنونہ معمولات یا شب بیداری کے جھنجھٹ میں پڑنے کی کوشش ہی نہیں کی جاتی۔ صاف ظاہر ہے شب بیداری، توبہ و استغفار اور بخشش و مغفرت کی طلب اسی کو ہوگی جسے اپنے گناہوں کا احساس ہو گیا وہ قبر اور آخرت میں پیش آنے والے احوال سے آگاہ ہوگا، جبکہ ہمارے ہاں آج اس قسم کی بنیاد پرست سوچ ”اور ”مولویانہ رجحان“ کا رواج ہی نہیں رہا۔ مساجد میں وہی گنے چنے لوگ جاتے ہیں جنہیں اس ترقی یافتہ تعلیم و ثقافت کی ہوا نہیں لگی۔ رہی موجودہ پڑھی لکھی نوجوان نسل تو الا ماشاء اللہ اکثریت مذہبی حدود و قیود سے آزاد ہے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ، نماز کا سبق اور دیگر مسنونہ دعائیں یاد کرنا ان کے دائرہ کار سے خارج ہے۔ البتہ انڈین اور پاکستانی فلموں کے نئے نئے گانے اور ان کی دھنوں پر رقص اس نسل کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے شبِ برات کو تین بے راست نوجوانوں کا ایک گروہ دیکھا جو سڑک پر

مخصوص سائل کے ساتھ مل کر گائے چارہا تھا ”اساں تے جاناں بلودے کار“ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں اس قوم کا کیا حشر ہو گا جو اس مقدس رات کو بھی اللہ کے گھر جانے کی بجائے ”بلو“ کے گھر جانے کے نغمے آلا رہی ہو۔

اب آئیے! شبِ بسنت کی طرف اس سال واپڈا کے انتباہ اور اخبارات اور ٹی۔وی پر اس کے نقصانات کا چرچا کرنے کے باوجود بے سنتی قوم نے اس اہتمام سے بسنت منایا کہ زندہ دلانِ لاہور کے جوش و خروش کو ایک قومی اخبار نے فرنٹ ہیڈ لائن میں یوں خراجِ تحسین پیش کیا ”بسنت میلہ میں پورا شہر پاگل ہو گیا“۔

یہ پاگل پن ہی تو ہے کہ ہم دو قومی نظریے کی بنیاد کو فراموش کرتے ہوئے نصف صدی گزرنے کے باوجود سرکاری اور نجی سطح پر اسی ہندو کی رسمیں دھوم دھام سے منارہے ہیں جس سے نجات حاصل کرنے کیلئے ہم نے لاکھوں قربانیوں کے بعد یہ ملک حاصل کیا۔ وہی ہندو جس کے دستِ جفاکش کے ہاتھوں آج بھی کشمیر کا چپہ چپہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے، جس نے پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے اور جس کے ”پرتھوی میزائل“ کراچی سے پشاور اور اسلام آباد سے کوئٹہ تک ہمیں نیست و نابود کرنے کی خاطر توپوں سے نکلنے کیلئے بے تاب ہیں۔ اسی دشمن ملک سے اس سال ذر جنوں بڑی شخصیات بھجوا ڈالنے زندہ دلانِ لاہور کے پاس آئیں۔ ان کے لئے خصوصی محافل و مجالس کا اہتمام کیا گیا جہاں دوسرے ممالک کے شرکاء کے ساتھ ملکر انہوں نے بسنت کی ”قومی تقریبات“ میں اہل پاکستان کی فراخ دلی اور تفریح پسند جذبوں کی داد دی۔ اسی رات کشمیر کے کئی علاقوں میں بھارتی فوجیوں نے نہ جانے کتنے بے گناہ مسلمانوں کے گھر لوٹے ہوں گے، کتنی عزتیں پامال کی ہوں گی اور کتنی مائیں اپنے شہید بیٹوں کے غم میں روتی رہی ہوں گی۔ اس بار بھارتی وفد کا بسنت منانے کیلئے لاہور کا رخ کرنا اس بات کا اعلان تھا کہ پاکستان کے باسی اب اس دو قومی نظریے سے خود بخود دست کش ہو رہے ہیں جو اس ملک کی اساس تھا اور جس کے لئے لاکھوں جانیں رزقِ خاک ہوئیں۔ اس وفد کے ساتھ گڈے اڑانے

والے خواتین و حضرات نے رقص کر کے بتا دیا کہ کشمیر سمیت بھارت کے دیگر علاقوں میں مرنے والے مسلمان مرتے ہیں تو مرتے رہیں۔ اسلام، آزادی اور باری مسجد کی شہادت پر غم و غصہ کا اظہار ان کا مسئلہ نہیں ہے۔ بھلا بسنت کے میلے میں ان بدقیانوسی چیزوں کا خیال بھی کوئی بات ہے۔ اب تو ویسے بھی موجودہ نظریاتی اور ”محب اسلام“ نواز حکومت نے بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دیکر اسکے ساتھ تجارت کو فروغ دینا اپنی خارجہ پالیسی کی بڑی اہم کامیابی سمجھ لیا ہے۔

صرف ایک بھارتی وفد کی ہی بات نہیں لاہور کے زندہ دلوں کی ہلڑبازی دیکھنے کیلئے اب تو غیر ملکی سفیر بھی آتے ہیں۔ اس سال ایک اخباری رپورٹ کے مطابق لاہور کے تمام اچھے ہوٹلوں اور ”پوش“ علاقوں میں رہنے والے ”بڑوں“ کے گھروں کی چھتیں رات بھر ایسے ہی مہمانوں کے ڈانس کلب کا منظر پیش کرتی رہیں۔

گذشتہ شام ڈھلتے ہی زندہ دل لاہور یے چھتوں پر چڑھ چکے تھے اور ان کے بڑے بڑے ڈیک انڈین گانوں کی فل آوازیں، گڈوں اور پریوں کے ساتھ فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔ رات کے اندھیرے میں سرچ لائٹوں کے باوجود دور تک دیکھنے کی سہولت موجود نہیں ہوتی اس لئے اکثر پارٹیوں کو گانے گاتے، مخلوط ڈانس کرتے اور جدید اسلحہ سے بے دریغ ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ یہ اس نظریاتی ملک کے باشعور شہری ہیں جو اس وقت اندرونی سازشوں سے لے کر بین الاقوامی تخریب کاریوں کا ہدف بنا ہوا ہے۔ ایک طرف کراچی جیسا عالمی تجارتی شہر آگ کے شعلوں کے زد میں ہے اور دوسری طرف ہماری شہر گ کشمیر آتش فشاں کے دھانے پر ہے۔ تیسری طرف کرپشن کا سیلاب اس ملک کی بقیہ توانائی، شرافت، دیانت اور خود احتسابی جیسی لازمی صفات کو بہائے لے جا رہا ہے۔ تخریب کاری اور بد امنی کے ہاتھوں ہر شہری عدم تحفظ کے احساس میں لرزاں و ترساں ہے۔

(فروری ۱۹۶۶ء)

سرحدوں پر متڈلاتے ہوئے خطرات

بھارت ہمارا جتنا قریبی پڑوسی ملک ہے اتنا ہی شدید اور بے اصول دشمن بھی۔ اس دشمنی کا ایک واضح سبب تو کفر و اسلام کی کھلی دیرینہ جنگ ہے لیکن اس ملک کے بٹے کو زیادہ تکلیف تقسیم برصغیر کے نتیجے میں اسلام کے نام پر ایک مضبوط اسلامی ریاست کے وجود سے ہے۔ بھارت نے پاکستان کو علیحدہ ملک کی حیثیت سے ذہنی طور پر کبھی تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ اپنی ایک باغی ریاست سمجھ کر جب چاہا ”سرکونی“ کیلئے چڑھ دوڑا۔ اب تک کی تین جنگیں اس کی اسی خواہشِ ناتمام کا شاخسانہ ہیں۔ اس کے یہ تو سنیع پسندانہ عزائم آئے روز انگڑائی لیتے رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی کئی ریاستوں میں علیحدگی پسند تحریکیں اس وقت عروج پر ہیں اور خود بھارت کا وجود بھی خطرے میں ہے۔ اس کی اقتصادی صورتحال اور سیاسی انتشار بھی اس کیلئے اگرچہ دو اہم مسائل ہیں لیکن کشمیر میں جاری جہاد اور مجاہدین کی جرأت مندانہ سرگرمیاں اس کے اعصاب زیادہ شل کر رہی ہیں۔ اس کا ثبوت اس کا وہ چڑچڑاپن ہے جس کے تحت وہ کشمیر کے اندر نہتے شہریوں کی قیمتی املاک جلا کر اور بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر کے فراہم کر رہا ہے لیکن اب اس نے اپنی مجرمانہ حرکتوں کا دائرہ پاکستانی سرحدوں تک پھیلا دیا ہے۔ پچھلے چھ سالوں میں آزاد کشمیر کے سرحدی علاقوں میں ان گنت لوگ مارے گئے ہیں، وادی نیلم سے ہزاروں لوگ ہجرت پر مجبور ہو گئے ہیں، چکوٹھی، سسماہنی، پیرہ کیپہ جیسے سرحدی سکیڑاسکی گولیوں کی زد میں ہیں اور وہاں سے بھی لوگ گھر بار چھوڑ کر غریب الوطنی، کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں فارورڈ کھوٹہ کی جامع مسجد میں گولہ باری سے درجنوں مسلمان شہید ہو گئے۔ الغرض راجستھان کے صحراؤں سے لیکر سیاحتیں گلشیر کی برفانی سرحدوں تک اس کی چھیڑ چھاڑ اب خطرناک رخ اختیار کر رہی ہے۔ اس نے جدید ہتھیاروں کی تیاری اور ان کی نمائش کے ذریعے پاکستان اور دیگر پڑوسی ممالک کو ڈرانے

دھمکانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ عالمی برادری اور خاص طور پر امریکی دباؤ اور تشویش کے باوجود بھارت نے پچھلے دنوں دور مار اور مہلک ترین پر تھوی میزائل کا ۱۵واں تجربہ کر لیا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نر سیمار او اپنے ملک کے یوم جمہوریہ کی تقریب سے خطاب میں یہ اعلان کر چکے ہیں کہ پر تھوی میزائل پاکستانی سرحدوں پر نصب کئے جا رہے ہیں۔ نیز اس کے اگنی میزائل بھی ہائیڈروجن بم سمیت پاکستانی شہریوں کو نشانہ بنانے کیلئے پیتا ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ازل سے تا امروز حق و باطل اسی طرح نبرد آزما رہے ہیں۔ کفر ہمیشہ ظاہری ساز و سامان کی برتری کے ساتھ اسلام کے مقابلے میں آتا رہا اور ایمانی جذبوں سے لیس لشکرِ اسلام نے اس کو ناکوں چنے چبوائے لیکن محض ایمانی جذبے کفر کی ننگی جارحیت کے مقابلے کیلئے کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیا ہے کہ ”تم سے جس قدر ہو سکے دشمن کے مقابلے کی تیاری کرو“۔ سوال یہ ہے کہ ہم نے ان خطرات کو بھانپتے ہوئے دین دشمن عالمی طاقت سے مقابلے کیلئے کیا تیاری کی ہے۔ ایک طرف بھارت کی یہ سرگرمیاں اور دوسری طرف ہماری حکومت اس کو پسندیدہ قوم قرار دے کر اس کے ساتھ تجارتی معاہدے بھی کر رہی ہے۔ اہل اقتدار کی طرف سے آئے روز ایسے بیانات بجنرت پڑھنے کو ملتے ہیں جن میں معذرت خواہانہ پالیسی اور بزدلی کی عکاسی ہوتی ہے۔ امن پسندی اچھی بات ہے لیکن بھارت کی گیدڑ بھجیاں اور اسلحہ کے رعب کے سامنے بھیگی ملی بن کر گزارہ نہیں ہوگا۔ پاکستان کی غیور عوام اور اس کی جرات مند عالمی شہرت کی حامل فوج اس قدر باحمیت ہے کہ ”گاؤماتا“ کے ان پجاریوں کی عقل درست کر دیں لیکن بیجادی ذمہ داری ایوان ہائے اقتدار میں بیٹھنے والوں اور اندروں و بیرون ملک پاکستان کی نمائندگی کرنے والوں کی ہے کہ وہ اس عالمی دباؤ میں پاکستان جیسے اہم اسلامی ملک کی نمائندگی ایمانی جذبوں، دوستی اور دشمنی کے قرآنی معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے کریں۔ نیز ذرائعِ لبلاغ کے ذریعے قوم کو ناچ گانے اور بدکاری کی ترغیب نہ دی جائے بلکہ جہادی جذبوں کو بیدار کر کے آنے والے کڑے وقت کی تیاری کی جائے۔

(مارچ ۱۹۶۶ء)

مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی "عالمی فاختاؤں" سے ایک سوال

حال ہی میں اسرائیل کے شہر یروشلم میں یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے جن میں تقریباً ۶۰ یہودی ہلاک ہو گئے۔ یہ دھماکے پچھلے کئی واقعات کا تسلسل ہیں جن میں حریت پسند فلسطینی مسلمان نوجوان اپنے جسموں سے بم باندھ کر اسرائیلی یہودیوں سے ٹکر اجاتے ہیں اور اپنے جسموں کے پرچے اڑا کر غاصب یہودیوں کو واصل جہنم کرتے ہیں۔ حالیہ واقعات کی پوری دنیا میں اتنی تیزی سے تشہیر ہوئی کہ فوری رد عمل میں اسرائیل سے لے کر امریکی ایوانوں تک آتش انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے۔ یوں لگا جیسے یروشلم کی ڈوبسوں میں نہیں واشنگٹن ڈی سی کے وائٹ ہاؤس میں بم بلاسٹ ہو گیا۔ پوری دنیا کا پریس اور الیکٹرونک میڈیا ان واقعات کو یوں اچھالتا ہے جیسے اس سے بڑا ظلم تو کبھی ہوا ہی نہیں۔ اس آتش انتقام کے مناظر اس مرتبہ بہت نمایاں نظر آ رہے ہیں۔

امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنی تمام تر مصروفیات ترک کر کے ان ۶۰ یہودیوں کی ہلاکت پر توجہ مرکوز کر دی۔ یہودی مرشدوں کی ہدایت پر اس نے فوری طور پر دو اقدام کئے، اولاً یہ قانون پاس ہوا کہ امریکہ میں مقیم عربوں کی پوری تحقیق و تفتیش کی جائے گی اور اگر ان میں سے کسی کی طرف سے حماس کیلئے ہمداری کے جذبات پائے گئے تو انہیں امریکہ سے نکال باہر کیا جائے گا۔ نیز پوری دنیا میں جہاں جہاں سے حماس کیلئے فنڈز مہیا کئے جاتے ہیں ان اداروں اور شخصیات کا مکمل طور پر قلع قمع کیا جائے تاکہ اس اسلامی تنظیم کی سرگرمیوں کا کلیتاً ختم کیا جاسکے۔

ثانیاً یہ طے ہوا کہ پوری دنیا کے حکمرانوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مرنے والے اسرائیلی یہودیوں کی مذمت ہونی چاہئے۔ اس طرح "امن پسند" امریکہ کو عالمی ہمدردیاں بھی حاصل ہوں گی اور مرنے والے اسرائیلی یہودیوں کی شایان شان تعزیت بھی ہو

جائے گی۔ اس ”عالمی تعزیتی اجلاس“ کا نام انہوں نے Conference Of Peace Makers (امن سازوں کا اجتماع) رکھا اور دنیا پر اپنے نیو ورلڈ آرڈر کی مزید دھاک بٹھانے کیلئے اس اجلاس کو امریکہ یا اسرائیل کی سر زمین کی بجائے کسی تیسرے ملک میں منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ امریکہ کی نظر انتخاب مصر پر جا پڑی جسے اسرائیل کا قریبی ہمسایہ ہونے کے ساتھ ساتھ مشرق وسطیٰ میں معتمد ترین امریکی دوست اور ہماز ہونے کا ”شرف“ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے امریکی بحث میں اس کا حصہ اسرائیل کے برابر رکھا جاتا ہے۔ ان عنایات خسروانہ پر موجودہ مصری حکومت بہت خوش ہے اور نمک حلائی کا پورا پورا حق ادا کر رہی ہے۔ عراق کی تباہی سے لے کر مسلمانوں کے ساتھ نام نہاد فلسطینی خود مختاری جیسے تاریخی مذاق اور خلیج میں اب تک کی جملہ اسلام دشمن کاروائیوں تک اسرائیل کے بعد امریکہ کا دوسرا بڑا مٹوید اور معاون یہی مسلمان ملک ہے۔ اس مرتبہ بھی امریکہ کا دست و بازو بن کر اس نے اسرائیل کے تازہ زخم پر مرہم رکھا اور اپنے سینائی سرحدی شہر ”شرم الشیخ“ میں اس ”تعزیتی کانفرنس“ کے جملہ انتظامات دن رات لگا کر مکمل کر کے پوری دنیا پر یہ حقیقت آشکار کر دی کہ صحرائے سینا کا یہ علاقہ جو مصر نے عسکری حملے کے ذریعے واپس لے لیا تھا اب بھی یہودی جب چاہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ۱۳ مارچ کو سینائی قصبے الشیخ میں منعقد ہونے والے اس ”عالمی امن اجتماع“ کا میزبان امریکہ تھا۔ کلنٹن نے روس یورپ اور افریقہ کے حکومتی سربراہان کے سامنے اجلاس میں موجود درجن سے زائد ممالک کے نمائندوں سے مخاطب ہو کر اسرائیل کے اقدامات کی حمایت کی جو براہ راست قبلہ اول کیلئے مسلمانوں کی جملہ کوششوں کی مذمت تھی۔ ”امن امن“ کے راگ الاپنے کے بعد یہاں سے اٹھ کر اسرائیل کے مقتول وزیراعظم اسحاق رابین کی قبر پر جا کر اس کے ”مشن“ کو مکمل کرنے کی اپنی عملی کوششوں کا تحفہ پیش کیا۔ اس آقائے ولی نعمت کے اشارے پر حسنی مبارک اور یاسر عرفات نے بھی یہودیوں پر ”ڈھائے جانے والے اس ظلم“ کی مذمت کی اور بلا وجہ ایران کو گالیاں دینے کا استعماری سبق دھرایا۔ حالانکہ اسی

دن اسرائیل نے ہم دھماکے کرنے والے دو مسلمانوں کے لواحقین کے گھروں کو بموں سے اڑادیا۔ ہزاروں فلسطینی مسلمانوں کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا اور غزہ اور شرق اردن کی سرحدیں بند کر کے ان کے منہ سے رزق چھین لیا جبکہ ہزاروں مسلمانوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں جکڑ دیا اور یہ سلسلہ زور و شور سے تاحال جاری ہے۔

مسلمان حکمرانوں سمیت کسی نے امن کی ان عالمی ”فاختاؤں“ سے یہ نہیں پوچھا کہ اس وقت دنیا میں کتنے واقعات ہر روز رونما ہو رہے ہیں۔ بوسنیا، چیچنیا اور کشمیر کو تو ایک طرف رکھیں پچھلے ساٹھ برس سے فلسطینی مسلمانوں کو جس بے دردی سے تہ تیغ کیا جا رہا ہے انہیں اپنے آبائی وطن سے نکال کر در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا گیا اور مسلمانوں کی مقدس سر زمین پر یہودی قابض ہو گئے۔ اس دوران اس نوعیت کا اجتماع کیوں نہ ہوا؟ ”امن سازوں“ کے ضمیر اس وقت کہاں تھے جب اسی سر زمین پر گزشتہ سال حرم ابراہیمی میں ایک جنونی یہودی نے درجن مسلمان نمازیوں کو ڈھیر کر دیا تھا۔ ابھی حال ہی میں آزاد کشمیر کوٹہ کی مسجد میں بھارتی میزائل سے ۳۰ مسلمان شہید ہو گئے۔ ہر روز چھ لاکھ مسلح فوج کشمیری مسلمانوں کا بے دریغ خون بہا رہی ہے۔ روسی بمبار طیارے چیچنیا میں کھلم کھلا ظلم کر رہے ہیں، سریوں نے بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ ظلم کی کون سی نوعیت روا نہیں رکھی۔ کیا عالمی امن کو صرف اسرائیلی یہودیوں کی ہلاکت پر خطرات لاحق ہوتے ہیں، کویت کے خلاف عراقی جارحیت پر پورا عالم کفر خلیج میں جمع ہو گیا کیونکہ یہاں انہیں تیل کے کنوئیں نظر آتے تھے لیکن اسی خلیج میں اسرائیل نے فلسطین کے علاوہ مصر، اردن، شام اور لبنان کے بہت سے علاقے اعلانیہ جارحیت سے ہتھیائے تو اس وقت عالمی ہمدردانہ جذبات کیوں نہیں بھڑکے؟ ان امن سازوں کو یہ کیوں سمجھ نہیں آتی کہ حماس کی یہ سرگرمیاں دہشت گردی نہیں بلکہ پچھلے ساٹھ برس سے ڈھائے جانے والے بے پناہ مظالم کا ردِ عمل ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے تجزیہ نگار یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہر سبب کے نتیجے کی طرح یہ دھماکے بھی مکروہ اسرائیلی عزائم اور اس کی طرف سے مسلسل زیادتیوں کا منطقی نتیجہ ہیں۔ حقیقت یہ

ہے کہ مسلمان کبھی تشدد پسند یا دہشت گرد نہیں ہو سکتا۔ حماس سمیت اس وقت دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلمان جوانی کاروائیاں کر رہے ہیں یہ ان کے پیمانہ صبر لبریز ہو جانے اور ظلم کے حد سے بڑھ جانے کی علامت ہیں۔ اسرائیل میں یہودیوں کو ہلاک کرنے سے پہلے اپنے جسم کے ٹکڑوں کو ہوا میں بھیرنے پر آمادہ ہو جانے کا عمل نوجوان فلسطینی نسل کے صبر کی انتہاء نہیں تو اور کیا ہے؟

اس وقت عالم اسلام کے ساتھ ہونے والی ان ہیمنانہ کاروائیوں میں وہ ملت فروش اقتدار پرست طبقہ برابر کا شریک ہے جس نے دینی حمیت مذہبی غیرت اور قومی و ملکی مفاد کو داؤ پر لگا کر ہر قیمت پر اقتدار کی مدت دراز کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے ورنہ یا سر عزفات جیسا ننھا مناڈ کٹیٹر اسرائیل کے اشارے پر چھ سو فلسطینی مسلمانوں کو حماس کے کارندے سمجھ کر جیلوں میں نہ بھیجتا۔ تعجب ہے ان مصلحت پسند مسلمانوں پر جو اپنی تاریخ، ملی تشخص اور دینی غیرت کو قربان کر رہے ہیں اور افسوس ہے ان مہربان لب مسلمان حکمرانوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے حق کی خاطر چند کلمات کہنے کی توفیق سے بھی محروم کر دیا ہے۔

(اپریل ۱۹۶۶ء)

تحریک آزادی کشمیر کا ایک اور نازک موڑ

چھٹی نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط تحریک آزادی کشمیر تاریخ کے انتہائی نازک موڑ پر پہنچ چکی ہے۔ کشمیری قوم کی بڑی بد قسمتی شاید یہ بھی ہے کہ اس کا مقابلہ ایک بے اصول، مکار اور جھوٹے دشمن سے ہے۔ مغلیہ دور کی سیاسی تاریخ ہو یا برطانوی عہد کا متحدہ ہندوستان، انگریز کے خلاف تحریک آزادی کا مسئلہ ہو یا تقسیم ہند کا مرحلہ، ہر کہیں اس مکار بزدل قوم کی انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔

دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تقسیم ہند کے مرحلے پر اس ہندو بیٹے نے جس ڈھٹائی سے آزاد مسلم ریاست پر قبضہ کیا وہ بذات خود تاریخ کے بدترین واقعات ہیں۔ دراصل اس بت پرست قوم کا نہ کوئی مخصوص مذہبی ضابطہ ہے اور نہ اخلاقی و معاشرتی معیار۔ گاؤں کے پجاری ہندوستان کی سر زمین پر توحید و رسالت کی دعوت لیکر آنے والوں کو اسی طرح بلا شرکتِ غیرے اپنی ملکیت سمجھتے رہے ہیں جس طرح یہودی ارضِ فلسطین پر قبضے کو اپنا پیدائشی حق تصور کرتے ہیں۔ ہر دو مقامات پر خونِ مسلم ارزاں بھی ہے اور ناقابلِ شکست بھی، لیکن بد قسمتی سے عالم اسلام نے آج تک کوئی متفقہ لائحہ عمل طے نہیں کیا جس کے تحت وہ یہود و ہنود کی سازشوں کا ادراک بھی کر سکیں اور مقابلہ بھی۔

جس طرح اسرائیل لبنان میں ایک طرف حزب اللہ کی بستیوں کو تاخت و تاراج کر کے قتل عام کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے اور دوسری طرف غزہ اور شرق اردن میں امن کا نمائندہ بن کر یاسر عرفات سے بغل گیر ہوتا نظر آتا ہے، ہندو بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اس نے چھ لاکھ فوج کو وادی کشمیر میں داخل کر کے قتل و غارت اور جلاؤ گھیراؤ کا گناؤنا عمل بھی جاری رکھا ہوا ہے اور عالمی سطح پر خود کو دنیا کا سب سے بڑا امن پسند اور جمہوری ملک بھی کہلوایا ہے۔ گزشتہ سات آٹھ سال سے کشمیری مسلمانوں کو جس اذیت ناک صورت حال

سے واسطہ ہے اور حق خود ارادیت کیلئے انہوں نے جس جو انمردی سے بھارت کو چیلنج کیا ہے اس کی مثال دنیا میں کم ہی ملتی ہے لیکن ان کی قربانی پر پانی پھیرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی سوا کروڑ آبادی میں اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکے ہیں۔ اس سے قبل ہونے والے الیکشن کا مکمل بائیکاٹ کر کے کشمیریوں نے آزادی کی منزل کو ہی اپنا مطمح نظر بنایا مگر ہندو ذہنیت ایک بار پھر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کے درپے ہے۔

بھارت میں آج کل لوک سبھا (قومی اسمبلی) کے انتخابات کی تیاریاں ہو رہی ہیں جو مئی 1996ء کے پہلے ہفتے میں منعقد ہو رہے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر سے حکومت کے اشاروں پر بعض ملت فروش غیر معروف نام نہاد مسلمانوں نے بھی کاغذات نامزدگی جمع کروا رکھے ہیں جبکہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی نمائندہ حریت کانفرنس نے متفقہ طور پر اس الیکشن سے ایک بار پھر بائیکاٹ کا اعلان کیا ہوا ہے۔ اس کے باوجود بھارت یہاں زبردستی 7 لاکھ فوج کی زیر نگرانی انتخابات کرانے پر بضد ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے علاقے کو لوک سبھا کی 6 نشستوں میں تقسیم کر کے تین مرحلوں میں انتخابات مکمل کروانے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔ اس انتخابی مہم کیلئے پہلے سے موجود مسلح بھارتی فوج کے ساتھ ایک لاکھ فوجی مزید بھیج دیئے گئے ہیں جن میں سے بھاری تعداد ان تربیت یافتہ افراد پر مشتمل ہے جو نام نہاد الیکشن کو کامیاب کرانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گے۔ ایک طرف خوف و ہراس بھوک و تنگ اور مسلح افواج کے آئے روز مظالم ہیں اور دوسری طرف غیرت ایمانی جذبہ آزادی اور قومی و ملی غیرت کا تقاضہ ہے۔ مکار ہندو نے اس وقت مقبوضہ کشمیر کے مظلوم و مجبور لوگوں میں اپنی ہمدردیاں بحال کروانے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ گھر گھر حریت پسندوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے ان کے کردار کو مشکوک بنا کر انہیں قابل نفرت ٹھہرانے کی کاروائیاں بھی ہو رہی ہیں۔ ہتھیار چھوڑ کر ”امن پسند کشمیری“ بن جانے والوں کو بھاری مالی معاونت اور انکی حفاظت کا اہتمام بھی حکومتی سازشوں کا حصہ ہے۔ اس کے باوجود غیور کشمیری بدستور چیلنج

بنے ہوئے ہیں۔ مجاہدین نے سری نگر کے قریب ایک قصبہ ”رونتی پورہ“ کے امیدوار کو قتل کر کے اور دہلی کے ہم دھماکے کی ذمہ داری قبول کر کے اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمان تو انتخاب میں حصہ نہیں لیں گے لیکن ۷ لاکھ فوج کی صورت میں خود انڈین ووٹر اگر بیلٹ بکسوں کو بھر دیں تو بعید نہیں کہ بھارت اس ڈرامے کو استصواب رائے کے متبادل کے طور پر پیش کر دے۔ ہندو بننے کی چالاکی اور مکاری سے تو کچھ بھی بعید نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حکومت پاکستان اور کشمیر کمیٹی کے ذمہ دار ان اس صورت میں کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔ کیا اس بار بھی سفارتی میدان بھارت کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے گا یا چپے چپے پر پھیلا ہوا خونِ مسلم بدکار پاکستانی سفارتکاروں، نام نہاد خارجہ پالیسی کے ذمہ داروں اور حکومتی مصلحت پسندیوں سے او جھل رہیگا؟ دیکھئے ظلم کی اس اندوہناک تاریخ کا یہ نازک موڑ کیا رخ اختیار کرتا ہے؟

(مئی ۱۹۶۶ء)

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

امتِ مسلمہ کیلئے یہ دور ہمہ گیر زوال کا دور ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں خواہ وہ اکثریت میں ہیں یا اقلیت میں، من حیث المجموع باطل استعماری طاقتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں۔ دنیا کے جس خطے کی طرف نگاہ اٹھائیں وہیں سے مسلمانوں کی چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔ ان کا خون وہاں کی ہر جنس سے ارزاں اور ان کی جان ہر چیز سے غیر محفوظ۔ یہ آفتِ اعمال ہی تو ہے کہ بہترین امت ہو کر بدترین قوموں سے دھکے پڑ رہے ہیں۔ نہ اپنے گھر میں سکون نہ باہر عزت۔ کفر ہزار بابا، ہی اختلافات کے باوجود ہمارے خلاف ایک ملت بن چکا ہے اور ہم ایک ملت ہو کر بھی ہزار فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ ہمارے پاس وسائل کی کمی ہے اور نہ عددی قلت، ہم اپاہج ہیں اور نہ تنگ دست۔

اللہ رب العزت نے ہر لحاظ سے ہمیں نوازا ہے لیکن ہماری پٹائی دو صدیوں سے مسلسل ہو رہی ہے۔ کیا اس میں ساری اغیار کی سازش کا فرما ہے یا ہمارا بھی قصور ہے؟ غور کیا جائے تو سارا قصور ہی ہمارا اپنا نکلتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے اور آخری نبی ﷺ کی امت کو اس قدر بے دست و پا کر کے ذلت و خواری کے اس درجے پر پہنچانا ہرگز گوارا نہیں۔ اس کو یہ کب منظور ہے کہ اس کے نام لپو، ”بہترین امت“ ہو کر اس کے دشمن کی ٹھوکروں میں زندگی بسر کریں، خداوندِ قدوس یہ کب چاہتا ہے کہ اس کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے والے اس کے نافرمانوں کی چوکھٹ پر دامنِ مراد پھیلاتے پھریں۔ رب کائنات کی غیرت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ تاجدارِ کائنات حضور سیدِ دو عالم ﷺ کو جھٹلانے والی اقوام ہماری معاون و مددگار ہوں۔ اس کی رحمت تو ہمیشہ کی طرح آج بھی مائل بہ کرم ہے۔ وہ آج بھی فرعون کے گھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کی پرورش کروا کر ”خدائی کے تمام بتوں“ کو نیست و نابود کر سکتا ہے اور ابابیلوں سے ہاتھیوں کو آج بھی ختم کروا سکتا ہے۔

۳۱۳ ہتے مجاہدین سے ہزاروں مسلح کفار کو شکست سے دو چار کرنے والا ربِ جلیل آج بھی مسلمانوں کی مدد و نصرت کو تیار ہے لیکن مدد و نصرت کن کی؟ کیا ان کی جو اسے بھول کر غیروں کے دروازوں پر مدد کی بھیک مانگیں، جو اس کے اوامر و نواہی کو محض تلاوت کیلئے رکھ چھوڑیں اور حسبِ منشاء یہود و نصاریٰ سے دوستی کی پیٹنگیں بڑھائیں؟ یہ تعاون اور دوستی محض دنیا داری یا ضرورت و حکمت کے تحت ہو تو کسی حد تک قابلِ برداشت ہے لیکن اپنی تقدیروں کے فیصلے اگر ”ان دوستوں“ سے کروائے جائیں تو کیا غیرتِ خداوندی جوش میں نہیں آئے گی؟ اس امت پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یہ ناراضگی کیا کم ہے کہ ہمارا کھلا دشمن امریکہ جو ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہے اسی کو ہم اپنی حفاظت کا ٹھیکہ دے چکے ہیں۔ کسے معلوم نہیں کہ وہ امن میں بھی ہماری دولت و ثروت سے معاشی استحکام حاصل کرتا ہے اور جنگ کروا کر بھی ہمارے سرمائے سے تیار کیا گیا اسلحہ ہمیں فروخت کر کے ہمارے اوپر ہی استعمال کرواتا ہے۔ خلیج میں حالیہ جنگ میں کیا یہ سب کچھ نہیں ہوا؟ لیکن اس سے ہم نے کیا سبق سیکھا؟ اپنی جوتیوں سے اپنے سر پھوڑ کر بھی ہمیں عقل نہیں آئی۔ ہمارے روحانی مراکز پر آتش و آہن کی بارش کروانے والا بغداد میں ۱۴ سو سالہ اسلامی تاریخ کو تہہ و بالا کرنے والا اور حجازِ مقدس کی سر زمین کو ناپاک قدموں سے آلود کرنے والا مرکزی کردار سابق امریکی صدر ”بش“ بعد ازاں ہماری مرکزی اسلامی حکومت کے سب سے بڑے اعزاز سے نوازا گیا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

فاروقِ اعظمؓ، علی شیر خدا، خالد بن ولیدؓ، عبیدہ بن جراحؓ، طارق بن زیادہؓ اور محمد بن قاسمؓ کی سر زمین پر خدا اور رسول ﷺ کے دشمن ہمیں امن کی بھیک دیتے پھر رہے ہیں۔ تاجدارِ کائنات پیغمبر انقلاب ﷺ کی قیادت میں بدر واحد و حنین کے معرکوں سے شروع ہو کر قیصر و کسریٰ کے استبداد کو ان کی سر زمین پر جا کر پے در پے شکستیں دینے والی قوم کی تاریخ میں یہ تمام واقعات کیسے لکھے جائیں گے؟ تاریخِ اسلام کی پر شکوہ پیشانی پر امت کے

موجودہ حکمران بلاشبہ بد نما دھبے اور اس کے رستے ہوئے زخموں کے ناسور ہیں۔ انہیں کسی مذہب، کسی دین اور کسی نظریے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اقتدار ہی ان کا خدا ہے اور یہی ان کا دین و مذہب۔ اللہ کا دین آغاز میں بھی غریبوں ہی سے آگے بڑھا تھا اور انہی کی قربانیوں سے اب بھی کشتِ ایمان سر سبز ہے۔ جہاد اس امت کی غذا ہے اور شہداء کا خون اس کے امراض کیلئے دوا۔ یہ ہر دور میں جاری رہا ہے اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔

امت کی مجموعی حالت مایوس کن سہی مگر رنگِ چمن دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کوکبِ غنچہ سے شاخیں نمودار ہو رہی ہیں۔ مجاہدین جہاں جہاں کفر کا مقابلہ کر رہے ہیں خوب کر رہے ہیں۔ کشور کشائی اور مال و دولت کی خواہش سے بے نیاز یہ لوگ محض دین کی حرمت پر کٹ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت ان نہتے لوگوں کے ہاتھوں بڑی بڑی طاقتوں کو ہزیمت سے دوچار کر رہا ہے۔ ان کا خون زمین میں جذب ہو کر امیدوں کے نئے گلشن آباد کر رہا ہے۔ فلسطین، کشمیر، یوسنیا، چیچنیا اور لبنان وغیرہ میں ظلم کی سیاہ رات اگرچہ گہری ہوتی جا رہی ہے لیکن اس نے صبحِ درختوں میں بہر حال تبدیل ہونا ہے۔ کشمیر میں ۷ لاکھ سے زائد مسلح بھارتی افواج کے مقابلے میں نہتے مسلمان جراتوں اور قربانیوں کی نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ فلسطین میں حماس کے سر فروش نوجوانوں نے امریکہ سمیت اسرائیل کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ یورپ میں یوسنیا کے بے گناہ مسلمانوں کی ان گنت قربانیوں نے اسلام کے احیاء کی لہر دوڑادی ہے اور سرخ روسی سامراج افغانستان کے پہاڑوں سے بھاگ کر ماسکو میں پناہ لے چکا ہے اور اب زخمی ریچھ کی طرح چیچن مجاہدین کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ چیچن جانناز (کم تعداد میں ہو کر بھی) جس بے جگری سے اتنے بڑے اور جارح دشمن کے مقابلے میں ڈٹ کر لڑ رہے ہیں انہیں دیکھ کر واقعی اسلاف کی یادیں تازہ ہو رہی ہیں۔

کل تک گنناں چیچنیا آج اسلام کی غیرت و حمیت کی علامت بن کر ابھر چکا ہے۔ بارہ لاکھ نفوس اور ۱۹ ہزار مربع کلو میٹر پر مشتمل چھوٹے سے اس اسلامی ملک کی تاریخ، عزم و

ہمت اور شجاعت و بہادری کے لازوال کارناموں کی روشن دستاویز ہے۔ امام شاملؒ اور امام منصورؒ نے اسی سرزمین پر سرخ ریچھ کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ گزشتہ ماہ شہید ہونے والے چیچن رہنما جوہر داؤد یوف نے جس ہمت اور جرأت سے جہاد جاری رکھا اور آخر دم تک ایمان و یقین کی جس قوت سے دشمنانِ اسلام کو لکارتے رہے وہ ہماری جہادی تاریخ کا روشن باب ہے مگر افسوس کہ عالم کفر کی تقلید میں کسی اسلامی ملک نے اس مرد مجاہد کی صدائے حق پر کان نہیں دھرے اور نہ ہی آج تک چیچنیا کو کسی اسلامی ملک نے تسلیم کیا کیونکہ ان کے ”آقاؤں“ کو یہ منظور نہیں۔ ان ہزدل حکمرانوں کو باطل کی غلامی مبارک اور غیرت مند شہید صدر کو شہادت کی موت مبارک۔

(جون ۱۹۹۶ء)

(چیچنیا کے یومِ آزادی پر)

میلاد النبی ﷺ..... جشن اور احتساب کا دن

ماہ میلادِ رسول ﷺ..... ربیع الاول..... ہر سال کی طرح محبتوں، مسرتوں اور سعادتوں کی متاعِ گراں بہا لے کر اہل ایمان و یقین کے مضطرب جذیوں کو سیراب کرنے کے لئے ہماری زندگیوں میں ایک مرتبہ پھر جلوہ گر ہونے کو ہے۔ مہشاق روہیں بے چین جذیوں کے ساتھ اس مطلعِ صبحِ ازل کی منتظر ہیں۔ اہلِ عشق و محبت اشکوں سے وضو کر کے حرمِ دیدہ و دل سجا رہے ہیں۔ اس ماہِ مقدس کا ہر دن، ہر لمحہ اور ہر گھڑی کشتِ ایمان کیلئے بہارِ جاوداں کی پیامی ہے۔ کائناتِ ہست و بود کو تاریخ کے ان مقدس لمحات پر ناز ہے جو اسی ربیع الاول کی ایک صبحِ سعادت کے دامن میں سمٹ آئے تھے۔ ظہورِ قدسی کی وہ نورانی ساعتیں جن میں عرب کا چاند وادیِ مکہ میں چمکا اور پورے جہاں کو تابدار روشن کر گیا، کارخانہٴ قدرت کا سرمایہٴ افتخار ہیں۔

وہ صبحِ درخشاں جب، فضائے عالم مسرتوں کے دلاویز نغموں سے گونج اٹھی آج تک مطلعِ عالم میں بہاروں کو بانگین لٹا رہی ہے۔ اس صبحِ انقلاب کی اثر آفرینی کا کیا کہنا جس نے تاریخِ نیاں کو موڑ دیا۔ وہ تاریخ جس کا ورق و ورق در ماندگی اور انسان دشمنی کی گواہی دے رہا تھا، وہ تاریخ جس کا دامن ظلم و بربریت سے تار تار تھا، وہ تاریخ جس میں قیصر و کسریٰ کا استبداد لوگوں کا مقدر بن چکا تھا۔ ظہورِ قدسی کے ان مبارک لمحات نے تہذیبِ انسانی کو وقار سے نوازا، ثقافت کے چہرے کو تقدس کے زیور سے آراستہ کیا، علم کو عرفان کی منزل تک پہنچایا، عمل کو صالحیت و مقصدیت کا حصار عطا کیا، زندگی کی ویران راہوں پر سرورِ بندگی کے شجر ہائے شرم دار اگائے، نفرتوں اور عداوتوں کے لامتناہی صحرا میں اخوت، محبت، مروت اور خلوص کے حیات بخش گلستاں آباد کئے، بے مقصدیت کی شاہراہ پر سکتی، بلکتی اور بھٹکتی انسانیت کو عرفان و آگہی کی دولت سے نواز کر خالق تک رسائی کی حقیقی منزل

سے ہمکنار کیا۔

اس صبحِ نور کے پاکیزہ اجالے کا کیا کہنا جس نے شمس و قمر کو روشنی اور ستاروں کو ضوفشانی عطا کی۔ بلاشبہ یہی وہ لمحات تھے جن کے انتظار میں گردشِ شام و سحر نے ماہ و سال کی لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں۔ قدرت نے انسان کے شعور کو تمام ارتقائی منازل سے گزار کر بلوغت کے اس مقام پر پہنچا دیا تھا جب وہ ہدایت و رہنمائی کیلئے کسی جامع صفات ہستی کیلئے بے تاب ہو گیا تھا۔

یومِ میلاد النبی ﷺ۔۔۔۔۔ دراصل پوری انسانیت کا یومِ نجات ہے۔ کفر سے نجات، شرک سے نجات، جہالت سے نجات اور جنگل کے قانون کی چکمرانی سے نجات۔ میلاد النبی ﷺ اس لامتناہی مایوسی اور غلامی سے چھٹکارے کی نوید ہے جس میں یتیموں، بے کسوں اور مفلسوں کو بھی زندگی گزارنے کے وہی حقوق ملے جو معاشرے کے دیگر صاحبِ ثروت لوگوں کیساتھ ہی مختص تھے۔ میلاد النبی ﷺ اس عظمت و شرفِ انسانی کی پاسبان ہے جس نے بلال و یاسر جیسے سیاہ فام غلاموں کو عرب کے سرداروں پر سبقت دلائی۔ میلاد النبی ﷺ ظلمتِ دہر میں روشنی کا وہ مینارہ ہے جس سے قیامت تک بھٹکنے والے قافلوں کو منزل کا سراغ ملتا رہے گا۔

میلاد النبی ﷺ انسانیت کیلئے خالق کے اس نظام کا اجراء ہے جس کی حکمرانی تمام نسلی، جغرافیائی، لسانی اور طبقاتی بتوں کو پامال کر کے سب کو برابری کے حقوق عطا کرتی ہے بلکہ مجھے کہنے دیجئے کہ میلاد النبی ﷺ خالق کائنات کا وہ آخری ”ورلڈ آرڈر“ ہے جس کے بعد کسی نئے یا پرانے ورلڈ آرڈر کی ضرورت نہیں۔ اس لئے امتِ مسلمہ اور اے اس عظیم و جلیل پیغمبر ﷺ کے نام لیوا غلامو! آؤ سب اپنے آقا کے جشنِ میلاد میں شریک ہو جائیں۔ گھر گھر، گلی گلی، قریہ قریہ، شہر شہر، اور ملک ملک درود و سلام کے نعماتِ سرمدی کی دھوم مچادیں۔ دہر میں اسم محمد ﷺ سے جتنا اجالا کرو گے، قوتِ عشق سے اپنی پستیوں کو بلند یوں میں بدلتے جاؤ گے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ سے محبت و وفا تم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ان کی

آمد کے جشن میں اپنی ممکنہ توانائیاں صرف کر دو لیکن کیا یہ ایک دو روزہ جشن میلاد میں جوش و خروش تمہارے ایمان و عمل کا معیار ہوگا؟ ہر سال ۲ ربیع الاول کو مہفلِ میلاد کا اہتمام، جلسے جلوس اور لنگر کا اہتمام کر کے کیا محبتِ رسول ﷺ کے امتحان میں ہم کامیاب ہو جائیں گے؟ یہی نکتہ قابلِ غور ہے اور یہی مقام محتاجِ توجہ۔

اس لئے آئیے! ایک لمحے کیلئے ہم سب اپنے من میں جھانک کر دیکھیں اور اپنی ذات سے کائنات تک نظر دوڑائیں۔ حرص و ہوس، کبر و نخوت اور خونخواری کے بڑے بڑے بت بھی نظر آئیں گے اور ظلم و ستم اور قتل و غارتگری کے عالمی سلسلے بھی۔ کائنات کو امن عطا کرنے والے نبی رحمت ﷺ کی امت خود بے امنی کا شکار ہے۔ دنیا کو محبت کا درس سکھانے والی قوم کے افراد باہمی نفرتوں کا شکار ہیں، ستاروں کو نشانِ راہ دکھانے والے خود بے جہت جھنڈ بن چکے ہیں، فطرت کی طاقتوں کو مسخر کرنے کا عہد لے کر آنے والی قوم خود بکھرے ہوئے ریوڑ کی طرح قدم قدم پر خونخوار بھیڑیوں کی زد میں ہے۔ فلسطین، کشمیر، یو سنیا اور چیچنیا سے اس امت کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں لیکن ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بیت المقدس ہو یا بابر کی مسجد، ہمارے سامنے دینی شعائر مٹائے جا رہے ہیں لیکن ہم بے حس و حرکت ہیں۔ ہمارے گھروں، محلوں اور شہروں میں کفر و الحاد اور شیطنیت، فحاشی و عریانی کی صورت میں ننگا ناچ رہی ہے لیکن ہم نے اس سے بھی سمجھوتہ کر لیا ہے۔ یاد رکھو یہ ثقافتی یلغار کفر کا بہت بڑا خطرناک حملہ ہے جس کا مقابلہ ہموں اور میزائلوں سے نہیں صرف اور صرف جذبہ ایمان سے ہو سکتا ہے اور یہ جذبہ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ کی خیرات ہے۔ ہاں غور سے سنو تو سازِ فطرت سے تمہیں ہر سو یہ سنائی دے گا۔

کی محمد ﷺ سے وفاتونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جمالِ چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(جولائی ۹۶ء)

مادیت و نفسانیت کی وادیوں میں قافلہ عشق و جنوں

انسان کی نظروں سے جب اصل مقصد غائب ہو جاتا ہے تو وہ بے جہت راہوں پر دوڑنے میں اپنی توانائیاں کھودیتا ہے اور بے مقصدیت کی دلدل میں پھنس کر بالآخر دم توڑ دیتا ہے۔ آج امتِ مسلمہ کا کم و بیش یہی حال ہے۔ مادیت پرستی کی اندھی دوڑ میں خونی رشتوں سے لے کر فکری و نظریاتی ہم آہنگیوں پر خواہشاتِ نفس کی آری چل رہی ہے۔ انسانی تقدس کے سارے تصورات جو اسلام سمیت تمام مذہبی اخلاقیات کی بنیاد ہیں ایک ایک کر کے ہماری سوسائٹی سے عنقاء ہو رہے ہیں۔ مذہبی سرگرمیاں دینی اقدار اور روحانی واردات زہر پرست تہذیب کے طوفان میں نہہتی چلی جا رہی ہیں۔ عصر حاضر کی سیاست اور معاشرت دونوں معیشت کی لونڈیاں بن چکی ہیں اس لئے اخلاق و کردار اور شرافت و سیادت کی جگہ دولت و ثروت نے لے لی ہے۔ لوگوں نے اپنے خالق و مالک کی بجائے دولت اور اقتدار کی پرستش شروع کر دی ہے جبکہ رہی سہی کسر عالم کفر کی فحش اور مخرب الاخلاق ثقافتی یلغار نے پوری کر دی ہے جس سے ماحول نیکس تبدیل ہو گیا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ برائی نے الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے فضائے عالم پر اپنا تسلط جمار کھا ہے اور نیکی کو گھروں اور بند کمروں میں مقید کر کے رکھا جانے لگا ہے۔

یہ ہیں وہ حالات جن میں تحریکِ منہاج القرآن اپنے فکر و عمل کے چراغ روشن کر رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک نے سستی جذباتیت کی رو میں بہہ کر بے مقصدیت کی وادیوں میں فنا ہونے والے نوجوانوں کو پاکیزہ انقلابی جذبات سے مالا مال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے وابستگان کی غالب اکثریت ایسے نوجوانوں پر مشتمل ہے جن کے سینوں سے مصطفوی انقلاب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ جذباتِ عشق و محبت نبوت محمدی ﷺ کی خیرات ہیں اور چراغِ نبوی ﷺ کی کرنیں ہیں جن کی ضواریوں سے کفر

ستانِ عرب میں ایمان و یقین کی کھیتیاں ثمر بار ہوئیں اور پورے جہاں کو بہار آشنا کر گئیں۔
 تحریکِ منہاج القرآن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و احسان ہے کہ نفسانیت اور
 مادیت جیسے ہمہ گیر فتنوں میں گھری ہوئی امت کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کا فریضہ سرانجام
 دے رہی ہے۔ اس تحریک کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس نے نشتِ ایمان و عمل میں عشق
 رسالتِ ﷺ کے گلستان آباد کر دیئے ہیں۔ ہم اسے بجا طور پر فروغِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی
 تحریک کہہ سکتے ہیں اور یہ وہ اعزاز ہے جس میں کوئی معاصر تحریک یا تنظیم اس کی شریک و
 شیل نہیں۔ اس کے بانی پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کا خمیرِ محبتِ رسول ﷺ
 سے اٹھایا گیا ہے اس لئے وہ خود بھی سراپا عشق ہیں اور تحریک سے وابستہ پچہ پچہ اس دولتِ گراں
 بہا سے فیضیاب ہے۔ یہ خصوصیت محض اتفاقی نہیں بلکہ اس کے پیچھے خاص الوہی حکمتِ کار
 فرما ہے۔ اس وقت دینی اقدار کو جتنی تیزی سے ختم کرنے کی تحریک شروع ہے اور مادیت
 کے نتیجے میں دھرتی کا رواج جڑ پکڑ رہا ہے ننگی تہذیب نے ہر گھر کے دروازے پر دستک
 دے رکھی ہے۔ یہ جذباتی سطح پر حملہ ہے اور بہت مہلک حملہ ہے۔ اس کے توڑ کے لئے اہل
 اسلام کے پاس اگر کوئی مضبوط ہتھیار ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
 اکرم ﷺ سے جذباتی وابستگی اور تعلقِ عشقی ہے۔

عشقِ رسول ﷺ کی چنگاری مسلمانوں کو کبھی بے حمیت نہیں بنے دیتی اور نہ کبھی
 بے عمل اور بے جہت ہونے دیتی ہے۔ اس جذبہٴ عشق و محبت کو اسی رفتار اور اہتمام کے ساتھ
 عام کرنے کی ضرورت ہے جس رفتار سے طاغوتی یلغار ہمارے گھروں اور معاشروں میں
 غارت گری کر رہی ہے۔ دھر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کرنے کی جتنی ضرورت اس وقت
 ہے شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔ ربیع الاول شریف اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کرنے کا سنہری
 موقع ہوتا ہے۔ ہر گھر، ہر گلی، ہر محلے اور ہر ملک میں جب حضور ﷺ کے تذکرے عام ہوں
 گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کی لاج رکھتے ہوئے وہاں ضرور
 برسے گی۔ منہاج القرآن کے حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم سعادت دے رکھی ہے کہ اس

کے پلیٹ فارم پر ہر سال پوری دنیا کی سب سے بڑی محفل میلاد النبی ﷺ منعقد ہوتی ہے۔ یہ اجتماع تحریک کا طرہ امتیاز بھی ہے اور اس کے کارکنان کے جذبوں کا امتحان بھی۔

اس روز لاکھوں غلامانِ رسول ﷺ جہاں اپنے آقا کی تشریف آوری کا جشن مناتے ہیں وہیں حضور ﷺ کے مشن کو آگے بڑھانے کا نیا عزم بھی کرتے ہیں۔ مبارک ہوں آپ کو اے مصطفوی انقلاب کے سپاہیو! اے ملت کے پاسبانو! اے اسلام کے فرزندو! یہ جواں جذبے، یہ نورانی نسبتیں، یہ پاکیزہ عزائم، یہ خوشگوار لمحات اور یہ دلکش مناظر --- عشق و جنوں کے ہمراہ ہو کر چلتے رہو۔ تمہارے جذبوں کی حدت ایک دن ظلماتِ شب کا سینہ چاک کر کے صبح انقلاب کی نقیب بنے گی۔ انشاء اللہ۔

(اگست ۱۹۶۶ء)

اہل وطن کو انچاسویں سالگرہ مبارک

آج سے انچاس سال قبل ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں اسلامی نظریاتی ملک (پاکستان) معرض وجود میں آیا۔ پاکستانی قوم کی بد قسمتی ہے کہ اس کاروان کو منزل آشنا ہوتے ہی لٹیروں نے ہتھیالیا۔ لاکھوں قربانیوں کا ثمر پاکستان، جن مقاصد کیلئے بنایا گیا تھا وہ آہستہ آہستہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے چلے گئے۔ ہمارے راہنماؤں نے اقتدار کی ہڈی سمجھ کر اسے دولت بھی کر دیا۔

نصف صدی گزر گئی ہے ابھی تک یہاں جمہوریت پنپ سکی اور نہ اسلام بطور نظام حیات نافذ ہو سکا۔ یہاں کے سیاسی مرے سامراجی ایجنٹ ثابت ہوئے جنہوں نے باری باری قوم کو لوٹ مار کے بعد اب اسے برائے فروخت کسمپرسی کے میدان میں چھوڑ دیا ہے۔ کرپشن اور بددیانتی میں اس کا کوئی ثانی نہیں، جہالت اور ناخواندگی میں دنیا کے کمزور ترین ممالک میں شامل ہے۔ پوری قوم پر مایوسی، اضطراب اور پریشانی کے گہرے سائے پڑے ہوئے ہیں۔ اندرونی خلفشار اور بیرونی خطرات کے بادل دن بہ دن گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کے نادان باسیوں کو اپنی قسمت تبدیل کرنے کا شعور عطا کرے اور یہاں مصطفوی انقلاب کا سورج بجلد طلوع ہو۔

(اگست ۱۹۶۶ء)

کشمیر، U.N.O کے ایجنڈے سے سری نگر کے گلشن شہداء تک

ملکی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں پچھلے دنوں یہ خبر گشت کرتی رہی کہ ”یو این او“ کے ادارے سلامتی کونسل نے دنیا کے کئی مسائل سمیت مسئلہ کشمیر کو اپنے ایجنڈے سے خارج کر دیا ہے۔ اس کے ردِ عمل میں پاکستان نے بعض ممالک سے مل کر احتجاج کیا تو کونسل نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو دوبارہ ایجنڈے میں شامل کر لیا۔ کشمیر کا مسئلہ پچاس سال پہلے انڈیا خود سلامتی کونسل میں لے گیا تھا اور طے پایا تھا کہ آزادانہ رائے شماری کے نتیجے میں کشمیری اپنے حق میں جو فیصلہ کریں گے وہ اقوام متحدہ سمیت پاکستان اور بھارت کو تسلیم کرنا ہوگا۔

اہل کشمیر نے طویل عرصہ تک اس عالمی ادارے کے فیصلے پر عملدرآمد کا انتظار کیا لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ عالمی ادارہ عالمی غنڈوں کی اجارہ داری کے زیرِ اثر ہے اور اس نے آج تک کوئی مسئلہ بلکہ امت مسلمہ سے متعلق فائدہ مند کوئی قرارداد بھی منظور نہیں ہونے دی تو پنتالیس سالہ صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے۔ آزادی کے متوالوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کا عزم کرتے ہوئے بالآخر مسلح جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ اب سات آٹھ سال سے وادی کشمیر میں مہنتے مجاہدین آٹھ لاکھ مسلح بھارتی افواج کا نہ صرف بے جگری سے مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ انہیں ناکوں چنے چبوارے ہیں۔ اس مسلح جنگ میں محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ اتنے ہی حریت پسند بھارتی جیلوں میں روٹنگٹے کھڑے کر دینے والے عذاب سے دوچار ہیں۔

نصف صدی سے خود ارادیت جیسے پیدائشی حق کیلئے لڑنے والی کشمیری قوم کی بد قسمتی ہے کہ اس کی وکالت پاکستان کی حکومتیں کرتی آرہی ہیں جو اول روز سے خود غیر مستحکم رہی ہیں۔ کشمیر کی آزادی تو کجا ان عاقبت ناندیش حکمرانوں نے خود پاکستان کو دو لخت کر دیا

- یہاں کے پالیسی سازوں کی ناقص اور بے اثر حکمتِ عملی کے باعث پاکستان کی خارجہ پالیسی کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ عالمی حمایت حاصل کرنے سے محروم رہا۔ ہر حکومت نے اسلام کی طرح اسے بھی سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا۔ کشمیر کمیٹیاں بنائی جاتی رہیں، بیرون ملک نااہل افراد پر مشتمل وفد کی فوجیں روانہ کی جاتی رہیں اور ہر مرتبہ سیر سپاٹے کر کے یہ وفد قومی معیشت پر اضافی بوجھ کا سبب بنتے رہے۔

ہماری اس مجرمانہ غفلت سے بھارت نے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو مظلوم اور حق بجانب ثابت کر دیا ہے۔ اور تو اور مسلمان ممالک مسئلہ کشمیر کی حقانیت سے بخوبی آگاہ نہیں ہو سکے اور وہ ہمیشہ بھارت نوازی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر سیکورٹی کونسل نے ایجنڈے سے مسئلہ کشمیر کو خارج کر دیا تو یہ عجب نہیں اور اگر دوبارہ شامل کر بھی لیا ہے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ قوموں کی تقدیریں کاغذوں پر لکھے گئے ایجنڈوں سے نہیں قربانیوں میں بہائے جانے والے خون سے بدلتی ہیں۔ عالم کفر کی نمائندہ ”اقوام متحدہ“ اس مسئلے کو اپنے کاغذی ایجنڈے سے خارج کر بھی دے تو کیا ہوگا۔ آزادی کا ایجنڈا تو کشمیری مسلمانوں نے اپنے خون سے رقم کر دیا ہے۔ وہ خون جو اس کے برف پوش پہاڑوں، سبزہ زاروں، کھیتوں، بازاروں اور گھروں میں بہہ چکا ہے اس کی آزادی کی ضمانت دے چکا ہے۔ کشمیر کا کوئی خطہ، کوئی شہر اور کوئی گھر ایسا نہیں جس نے شہادت کے مقدس خون کو نوش نہ کیا ہو۔ ہر شہر اور قصبے کے ساتھ شہداء کے قبرستان اس قوم کے دل سے آزادی کی تڑپ کیسے ماند پڑنے دیں گے۔ اور کچھ نہ ہو جب تک سری نگر کا ”گلشنِ شہداء“ اس صفحہ ہستی پر قائم ہے دنیا کی کوئی طاقت تحریکِ آزادی کو ختم نہیں کر سکتی اور نہ اس ایجنڈے کو کبھی فراموش کر سکتی ہے۔

(ستمبر ۱۹۶۶ء)

لمحوں کی خطا..... صدیوں کی سزا

یہ بات سچ ہے کہ تاریخ کا پیسہ بے رحمی سے چلتا ہے اور اس کی زد میں آنے والی اقوام و ملل 'بلا امتیاز رنگ و مذہب کچل دی جاتی ہیں۔ تاریخی سفر میں بعض لمحات صدیوں کو عظمت سے نواز دیتے ہیں اور بعض لمحوں کی لغزش صدیوں کی سزاوار کر جاتی ہے۔ ۱۹۹۰ء کی وہ شب جب عراق نے پڑوسی ملک کویت پر جارحیت کی اور اس سے اگلادن چب کویتی اور سعودی حکمرانوں نے دشمنان دین و ملت کے سرغنہ عالمی دہشت گرد امریکہ کو اپنی مدد کیلئے پکارا 'تاریخ اسلام کے دامن میں کم و بیش ایسے ہی لمحات ہیں جن کی سزا صدیوں تک پوری امت مسلمہ بھگتی گی۔ افغانستان کے پہاڑوں میں روس جیسی عالمی سامراجی طاقت کی پسپائی کے بعد دنیا کی واحد "سپر پاور" امریکہ نے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے "نیو ورلڈ آرڈر" جاری کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب پوری دنیا امریکہ کے اشاروں پر چلے گی اور وہی کچھ ہو گا جو امریکہ چاہے گا۔ اس لئے "امریکہ آرڈر" پر جس نے سر تسلیم خم کیا وہ اس کے الطاف و عنایات خسروانہ کا حقدار ٹھہرا اور جس نے یہ شیطانی حکم ماننے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ انکار کیا وہ معتوب قرار پا کر "دہشت گرد" کے خطاب سے نوازا گیا۔ امریکہ کے بقول ان "دہشت گرد" ممالک میں ایران، سوڈان، لیبیا اور عراق شامل ہیں۔ پاکستان کا نام بھی اگرچہ اسی لسٹ میں ہے مگر جوہ ابھی اسے یہ "سند" عطا کرنے کا اعلان نہیں ہوا۔ اس نئے عالمی نظام کے خاکوں میں رنگ بھرنے کیلئے امریکہ کو ہر قدم پر عالمی یہودی تنظیمات کی حمایت اور عملی تعاون حاصل ہے جن کے مراکز امریکہ اور اسرائیل میں مصروف عمل ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ اس نئے "عالمی نظام" کی تمام تر منصوبہ بندی اور نگرانی بھی وہی یہودی کر رہے ہیں جو ساری دنیا پر بلا شرکت غیرے حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور یورپی ممالک میں عیسائی اور یہودی یکجا ہو چکے ہیں اور بقیہ اسلام دشمن

مذہب و ممالک بھی ان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر الکفر ملتہ واحدة کے ارشادِ نبوی ﷺ کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں۔ عربوں کے سینے میں اسرائیل کا خنجر، یورپ کے دل میں یونینیا کی متوقع ریاست کے حامی بے گناہ مسلمانوں کا خون، چیچنیا اور کشمیر کے غیور مسلمانوں کو حق خود ارادیت کے جرم میں شہہ تیج کرنا انہی دین دشمن عالمی دشمنوں کے کارنامے ہیں۔

اسلام کے خلاف یہود کی ابدی دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں اس لئے یہ سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہونی چاہئے کہ امریکہ کا نیا یہودی برانڈ عالمی نظام سراسر اسلام مخالف منصوبہ ہے اور اس کا ایک جزو عظیم تر اسرائیل کا قیام ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ اس اسلام کش منصوبے کو عملی شکل دینے میں خود امت مسلمہ کے بیشتر حکمران پیش پیش ہیں۔ وہ ہر بار کفر کے آلہ کار بن کر جسدِ ملت کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ آئے روز شیطانی پروپیگنڈے کا شکار بن کر ایک دوسرے کا سر پھوڑتے ہیں، امریکہ سرکار کی خیر خواہی کیلئے اپنے ممالک میں مذہبی دینی جماعتوں کی جڑیں اکھاڑنے کیلئے بے لوث غیور عوام کا اسلام پسندی کے جرم میں خون بہا رہے ہیں اور قدم قدم پر باطل طاغوت کے اشاروں پر تنخواہ خوار ایجنٹ کی طرح تجدید و احیائے دین کی عالمگیر تحریک کو کچلنے میں مصروف ہیں۔ مصر، الجزائر، تیونس، اردن اور پاکستان اس کی واضح مثالیں ہیں۔ امت مسلمہ کی تقدیر پر مسلط یہ اقتدار پرست غاصب حکمران اب ایسے ناسور کی شکل اختیار کر چکے ہیں جس کا زہر پورے وجود کی سلامتی کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی چند روزہ کرسی اقتدار کو تحفظ دینے کیلئے صدیوں تک پوری ملت کو عالم کفر کے ہاں گروی رکھ دیا ہے۔

گزشتہ خلیجی جنگ میں عراق کی جو تباہی و بربادی ہوئی اس کی ذمہ دار جہاں خود عراقی حکومت ہے وہاں ان پڑوسی مسلمان ممالک کی ”ہمدردیاں“ بھی شامل ہیں جنہوں نے کفر کا اتحادی بن کر اپنے ایک مسلمان ملک پر بار بار حملے کئے۔ کویت پر عراقی قبضے سے لیکر خلیج میں دنیائے کفر کی افواج کا تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ ہجوم، عراق کی ابھرتی ہوئی اسلامی قوت کا خاتمہ اور اس ساری جارحانہ کارروائی میں استعمال ہونے والی اسلامی دولت کا ضیاع، یہ

سب کچھ کیوں ہو اور کس کے ہاتھ سے ہوا؟ اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اقتدار کو تحفظ دینے کیلئے مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں سے ہوا۔ ان ملت فروش حاکموں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان معدنی خزانوں اور مالی وسائل کو بھی آئندہ ایک صدی تک عالم کفر کے سپرد کر دیا ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ اور عالم اسلام کے معاشی و سیاسی استحکام کیلئے استعمال ہو سکتے تھے۔ آئندہ مورخ ان کے اس ایثار کو حماقت کے علاوہ کیا نام دے گا جس کی آمدنی سے یورپ اور امریکہ کی اسلحہ ساز فیکٹریاں ہر روز تباہ کن ہتھیار اگلتی ہیں اور وہی دوبارہ ہمیں فروخت ہو کر ہمارے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ امریکہ نے عراق پر حالیہ حملہ کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی مظلوم کی حمایت کرنے، کسی کا حق دلانے یا کسی خطے میں امن بحال رکھنے کی خاطر اپنے وسائل کو کام میں نہیں لاتا۔ وہ مشرق وسطیٰ میں آیا ہے تو کویت یا سعودی عرب کی حفاظت کیلئے نہیں بلکہ اس خطے میں اسلامی قوتوں کو دبانے اور یہاں عملاً یہودی عالمی نظام نافذ کرنے کیلئے لیا ہے۔ اسے اگر مظلوم کی حمایت عزیز تھی تو اسی خطے میں فلسطینی مسلمانوں کے خلاف اسرائیل کے خونین پنچوں کو بھی مروڑتا۔ اسے اگر عالمی امن برباد ہونے کا خطرہ تھا تو مظلوم کشمیریوں کے خلاف آراء بھارتی افواج پر بمباری کرتا۔ وہ اگر واقعی انسانی حقوق کا پاسدار تھا تو چیچنیا اور بوسنیا میں بہنے والے بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بھی دیکھتا۔ اسے یہ سب کچھ نظر نہیں آیا اور کویت پر عراقی جارحیت نظر آگئی ہے۔ اسرائیل، لبنان میں آئے روز مسلمانوں کی بستیاں بمبار طیاروں سے تہہ و بالا کرتا پھرے تو یہ امن بحال رکھنے کی کارروائی ہے اور عراق کر دوں کے باہمی جھگڑے میں مداخلت کرے تو عالمی امن کیلئے ہزاروں میل دور امریکی جہاز بردار بحری بیڑے اور مسلح افواج متحرک ہو جاتی ہیں جبکہ اسرائیل ساٹھ سالوں سے عرب مسلمانوں پر ظلم کے جتنے پہاڑ توڑتا ہے اسے خبر ہی نہیں ہوتی۔ عالم اسلام کو اب نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہئے کہ کفران کے گھر میں آکر ننگی جارحیت کر رہا ہے اور وہ اب تک اپنے باہمی اختلافات میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہم عرب لیگ کے حالیہ فیصلوں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور سعودی عرب سمیت ان مسلمان ممالک کے

جرات مندانه موقف پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس کے تحت انہوں نے پہلی بار امریکہ کو عراق کے خلاف من مانی کارروائیاں کرنے سے باز رکھنے کیلئے اختیار کیا ہے۔ مسلمان ممالک اب بھی سر جوڑ کر نہ بیٹھے اور انہوں نے اپنے خلاف ہونے والی سازشوں کا ادراک نہ کیا تو وہ نئے امریکی عالمی نظام کا حصہ بننے چلے جائیں گے۔ اس وقت کا ایک ایک لمحہ آئندہ صدیوں کا رخ متعین کرنے کیلئے اہم ہے۔ دشمن کے ہمارے اور میزائل بھی ہمیں بیدار و متحد نہ کر سکے تو تباہی کو ہمارا مقدر بننے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟

(اکتوبر ۱۹۶۶ء)

طالبان، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پیغام یا۔۔۔۔۔؟

قیام پاکستان کی طرح جہاد افغانستان کو موجودہ صدی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ روسی سامراج کے خلاف دس سالہ جہاد میں افغان مجاہدین کے ایمانی جذبوں نے بلاشبہ قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ کر دیں۔ مادی وسائل کے اعتبار سے کمزور لیکن ایمانی اور جہادی جذبوں سے بھرپور افغانستان ایک بار پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا کیونکہ اس نے ایٹمی ہتھیاروں سے لیس عالمی سپرپاور کونا کون چنے چبوا کر نہ صرف اپنے صحراؤں اور کوہساروں سے مار بگھایا بلکہ ایسی کاری ضرب لگائی کہ یہ عالمی طاقت کرچی کرچی ہو کر بکھر گئی۔ پوری دنیا میں اسلامی تحریکیں از سر نو منظم و متحرک ہوئیں اور جہادی جذبہ بیدار ہوا۔ اس کے فوری اثرات تحریک آزادی کشمیر میں تیزی، الجزائر، سوڈان، ترکی اور فلسطین میں اسلامی تحریکوں کی واضح کامیابیوں کی صورت میں مرتب ہونا شروع ہو گئے۔

یہ بیداری عالم کفر کو ایک آنکھ نہ بہائی بلکہ سوویت یونین کے خاتمے کے ساتھ ہی امریکہ کو متحدہ اسلامی بلاک کی صورت میں روس سے زیادہ خطرناک اور ناقابلِ تسخیر قوت نظر آنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ عالم مغرب کو ساتھ ملا کر اس نے اسلام کا راستہ روکنے کیلئے بھرپور منصوبہ بندی کی۔ اس منصوبہ بندی کو امریکہ نے ”نیو ورلڈ آرڈر“ کا نام دیا۔ پچھلے چھ سات سالوں سے عالم اسلام کے خلاف ہر محاذ پر ہونے والے حملے، سازشیں، خانہ جنگیاں اور قتل و غارتگری کے پیچھے یہی ”حکمتِ عملی“ کار فرما ہے خواہ اس کا تعلق خلیج کی گذشتہ جنگ سے ہو یا لبنان اور فلسطین پر اسرائیلی حملوں سے۔ ایران، کویت، عراق، سوڈان اور مصر کو آپس میں لڑانے کی کوششیں ہوں یا ان ممالک میں بعض کا اقتصادی بائیکاٹ۔ الجزائر اور مصر میں اسلامی قوتوں کو حکومتوں کے مزاحم رکھنے کی پالیسی ہو یا کردستان، قبرص اور یمن وغیرہ کے متنازع علاقوں میں خانہ جنگیاں، اسلام کی سر بلندی کیلئے سرگرم عمل افراد اور تحریکوں کو بنیاد پرست

دہشت گرد اور اس طرح کے ناپسندیدہ القابات سے نوازا جانا یہ سب کچھ اسی نئے یہودی عالمی نظام کا حصہ ہے۔

اس تناظر میں افغانستان کی موجودہ صورت حال کو دیکھیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہاں بھی امریکی سامراج دوہرا کھیل کھیل کر عالم اسلام کی امیدوں کے اس عظیم مرکز کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ دس سالہ جہاد کے نتیجے میں روسی کٹھ پتلی حکومت کے خاتمے کے بعد کابل میں داخل ہونے والے فاتح مجاہدین کو خانہ جنگی میں الجھا کر امریکہ نے ایک طرف اسلام کے تصور جہاد کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کیا اور دوسری طرف مجاہد تنظیموں کو آپس میں لڑا کر ان کی عسکری قوت اور سیاسی و سماجی اثر و رسوخ کو اس حد تک کمزور کر دیا کہ عوام کی نظروں میں ہیرو کھلانے والے ملک و قوم کے مجرم بن گئے۔ اس کارِ عمل یقینی تھا اور وہ طالبان کی شکل میں سامنے آیا۔

طالبان تحریک کے محرکات و اسباب اور مقاصد جو بھی ہوں لیکن پندرہ سال سے بحر ان کا شکار تباہ حال افغانستان کے عوام نے انہیں امن کا مسیحا سمجھ کر گلے لگایا۔ ان کے عقائد و نظریات اور لائحہ عمل سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن پچھلے دو سال میں ان کی مسلسل کامیابیاں اور افغانستان کے ۳۲ میں سے ۲۲ صوبوں پر ان کا قبضہ افغانستان کی حرئی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے۔ پچھلے ماہ کابل پر قبضہ ان کی پیش قدمی کا ایسا کامیاب اور غیر معمولی مرحلہ تھا کہ پوری دنیا میں اس کی گونج سنائی دی۔ عالم کفر خواہ وہ امریکہ ہو یا یورپی ممالک، اسرائیل ہو یا بھارت، ایک مرتبہ سر تو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کابل پر قبضے کے بعد سابق صدر ڈاکٹر نجیب اللہ کی پھانسی اور اسلامی نظام کے جزوی نفاذ کی خبر، عالم کفر اور منافقت کے قلعوں میں سینکڑوں ایٹم بم بلاسٹ ہو جانے کے مترادف تھی۔

بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے لے کر مقامی خبر رساں ایجنسیاں، دنیا بھر کے پالیسی ساز ادارے اور ان کے ماہرین اس پیش قدمی کو دنیا کے نقشے پر کسی غیر معمولی تبدیلی کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔ یہ پیش قدمی اسلامی دنیا کے لئے یقیناً ایک واضح کامیابی اور دور رس

نتائج کی حامل پیش رفت ہے بشرطیکہ اس میں استقامت اور ٹھہراؤ آجائے اور طالبان دینی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر بتدریج احکام اسلام کا نفاذ کر سکیں۔ طالبان کی کامیابی پاکستان، ایران اور وسط ایشیاء کی نوآزاد مسلم ریاستوں کے باہمی روابط کی مضبوطی کی طرف ایک اہم ترین قدم ہے۔ اسی وجہ سے عالم کفر اس کو ”عالمی امن“ کے لئے سب سے بڑا خطرہ گردانتا ہے۔ اس کے بقول طالبان کی شکل میں خالص اسلامی نظریات اور مذہبی اقدار کا ”منہ زور گھوڑا“ افغانستان کی سرحد عبور کر کے روس اور بعد ازاں مغرب میں داخل ہو جائے گا اور وہاں پر موجود اسلامی چنگاری شعلہ جوالہ بن کر خرمین کفر کو راکھ کر دے گی۔ اس لئے پچھلے چند دنوں میں سفارتی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں اور روس سمیت مغربی حکومتوں نے ہر قیمت پر عبد الرشید دوستم اور احمد شاہ مسعود کے ذریعے طالبان کے راستے روکنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وہی افغان راہنمادس سال جس روسی استعمار کے خلاف لڑتے رہے اب اسی کے مفادات کے تحفظ کی خاطر واضح اسلامی قوت کے خلاف متحد ہو رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ دس سالہ جہاد افغانستان اور اس کے بعد مسلسل پانچ سال کی قتل و غارت گری کا مقصد و حید حصول اقتدار تھا۔ ہم افغانستان کے باہم متحارب دھڑوں اور پاکستان سمیت افغانستان کے اسلامی پڑوسی ممالک سے بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ وہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر عالم کفر کے ہاتھوں میں کھیلنے کی بجائے باہمی اتحاد و اتفاق سے امن کا راستہ اختیار کرنے میں افغانستان کے غریب اور ستم زد سیدہ عوام کی مدد کریں گے۔ بصورت دیگر افغانستان کی تقسیم کے امریکی منصوبے پر تو عمل ہو ہی رہا ہے اور اب اس کے ذمہ دار بھی افغانستان کے متحارب دھڑے خود ہوں گے۔

(نومبر ۱۹۶۶ء)

سیاسی شعبہ بازوں سے نجات کا آخری چانس

”انسانیت“ کا لفظ اپنے اندر لاتعداد اوصاف اور بے شمار اقدار سموئے ہوئے ہے۔ انسان کہلانے کا حقدار وہی ہوتا ہے جو صحیح معنوں میں ان اوصاف و اقدار کا جامع ہو ورنہ کھانا پینا اور بے مقصد زندگی گزارنا تو حیوانات کا کام ہے۔ ان اقدار کا کم از کم معیار یہ ہے کہ ایک دوسرے کی جان، مال، عزت، آبرو اور جذبات کا احترام کیا جائے۔ خونی رشتوں کا تقدس، حقدار کے حقوق کا خیال اور اپنے ارد گرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنا بھی انسانیت کا بنیادی تقاضا ہے لیکن جدید سائنسی ترقی کا ہمراہ انسان جہاں بہت سی بلندیوں کو مسخر کر رہا ہے وہاں ان اوصاف و اقدار سے ہاتھ دھور رہا ہے جو اس کی انفرادیت اور عظمت کی ضامن تھیں اور اس کی شرف و تکریم کا باعث تھیں۔

اس مادی ترقی نے انسانی قدروں کو اس حد تک بدل دیا ہے کہ اب گناہ اور ثواب کی تمیز ہی مٹ گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب انسان جرم کر کے شرمندگی محسوس کرتا تھا اس سے غلطی سرزد ہو جاتی تو وہ احساسِ ندامت میں لوگوں کو منہ دکھانے سے کتراتا، کسی پر چوری ڈاکے یا بدکاری کا جرم ثابت ہو جاتا تو وہ اس علاقے سے ہمیشہ کیلئے روپوش ہو جاتا۔ عین ممکن ہے کہ ایسے حساس لوگ اب بھی کسی کو نہ کھدرے میں ہوں مگر ہمارے سامنے تو تماشا ہی عجیب ہے۔

انسانیت ڈھٹائی کی پستیوں میں گری ہوئی دیکھنی ہو تو ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس دور کا وہ طبقہ اشرار ہے جس سے شرافت منہ چھپاتی پھر رہی ہے۔ یہ ہماری دھرتی کا ایسا ناسوز ہیں جن کی موجودگی میں ارض و وطن پر کسی بیمار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ احساس کی دولت سے محروم انسانیت کی قدروں سے عاری نہ انہیں وطن سے محبت اور نہ قوم سے دلچسپی نہ آخرت کا اندیشہ اور نہ قبر کا خوف انسان نہیں

گویا پتھر کی تصویریں ہیں۔ پچھلی نصف صدی سے بد قسمت پاکستانی قوم کی تقدیر پر مسلط یہ بد قماش ٹولہ چہرے بدل بدل کر نقب زنی میں مصروف ہے۔ ہر بار قومی خزانہ لوٹ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے نئی تجوریاں بھرنے کیلئے نئے منصوبہ جات کے ساتھ سیاسی افق پر طلوع ہو جاتے ہیں۔ ہر موڑ پر نئے روپ میں ملتے ہیں اور راہنمائی کا جھانسہ دے کر راہزنی کے مہر تکب ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ہنگاموں کیلئے قوم کو کنگلا بنا دیا ہے۔ بینکوں سے قرض لے کر الیکشن لڑتے ہیں اور پھر ان بینکوں کے مالک بن جاتے ہیں۔ عوام سے ہمدردی کے دعوے کر کے ووٹ لیتے ہیں اور پھر اسی عوام کا خون چوس کر اپنے فرعونی ایوان سجا لیتے ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر نہ صرف غریب کا لقمہ چھینتے ہیں بلکہ اسے جانوروں سے کم تر سمجھتے ہوئے بے موت مار دیتے ہیں۔ ان کی جمہوریت کے پیچھے فرعونیت ناچتی نظر آتی ہے اور اگر اسلام پسندی کا دعویٰ کرتے ہیں تو سمجھنے یزیدیت کا فیض مل رہا ہے۔

حالیہ اسمبلی کی تحلیل ہو یا اس سے پہلے اسمبلیوں کی توڑ پھوڑ، ان کے جرائم کا مجموعی نتیجہ بھی ہے اور ثبوت بھی۔ مگر کیا مجال کہ کسی کو احساسِ ندامت چھو کر بھی گزر جائے۔ انہوں نے قانون ساز اسمبلیوں کو ریت کے گھروندے سمجھ رکھا ہے جنہیں بچے بناتے اور گراتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک قومی امانت اور منصبی ذمہ داری کو کوئی حیثیت حاصل نہیں بلکہ یہ ”براہنما“ ان ضدی بچوں کی طرح ہیں جو کھلونا دوسرے بھائی کے مانگنے پر اسے دینے کی بجائے توڑ دینے میں اپنی بہادری سمجھتے ہیں۔

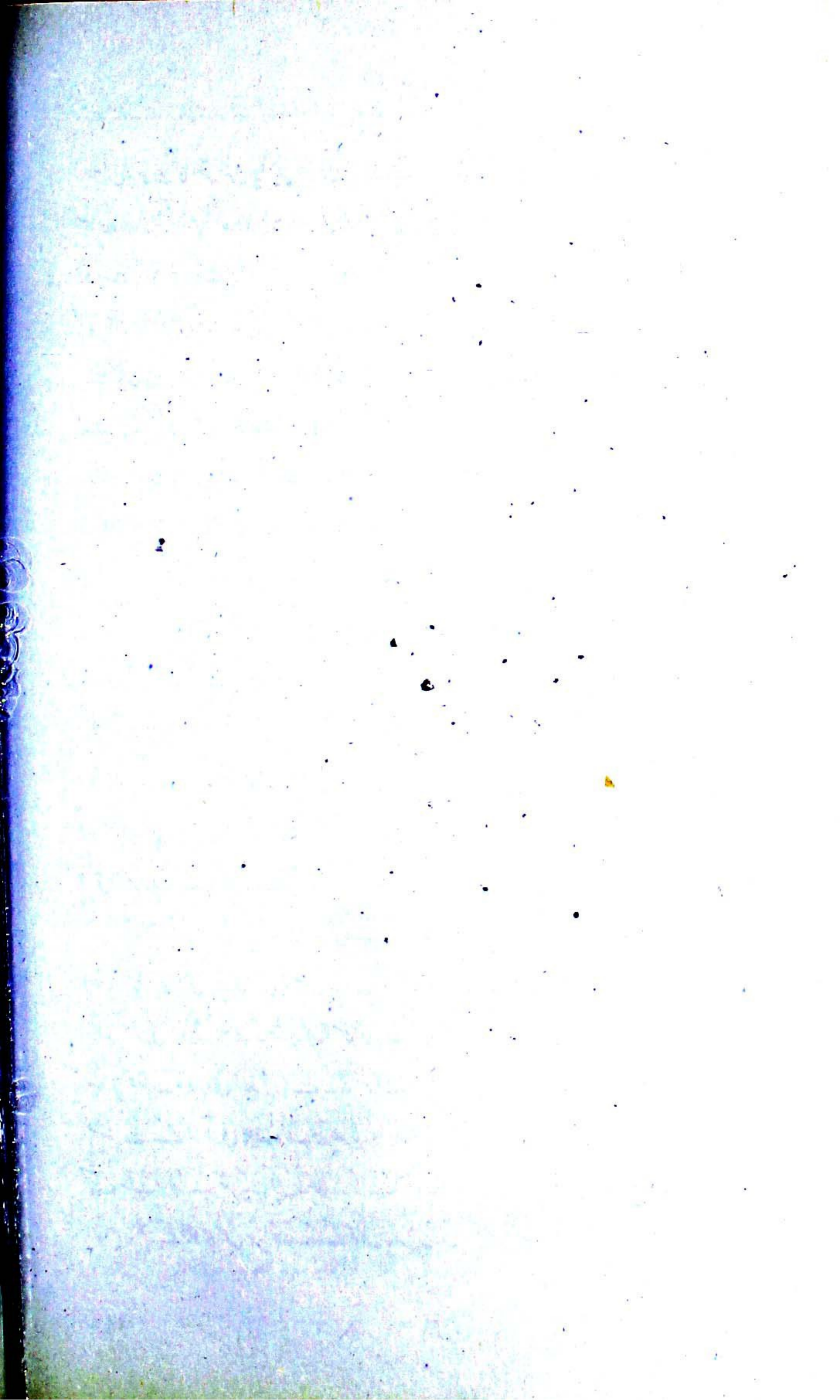
ہم نے جانوروں اور درندوں کو بھی آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا ہے لیکن ان کی لڑائی اور دشمنی کے سامنے درندگی بھی مات کھا جاتی ہے معمولی سے مالی مفاد کے لئے حریف کو خاک کا رزق بنا دیتے ہیں اور اگلے روز اس کے جنازے میں شریک ہو کر پسماندگان کے ساتھ نوحہ کناں بھی یعنی منافقت کے اعلیٰ درجے پر بھی یہی فائز ہیں۔ اس لئے یہ حقیقت پوری طرح کھل چکی ہے کہ ان سیاست دانوں کو اس قوم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کے مسائل عوام کے مسائل سے جدا، ان کی دنیا عوام کی دنیا سے الگ۔ یہ ہمارے بھی ہوں تو امریکہ اور یورپ میں علاج کیلئے ہر سہولت ان کا مقدر ہے۔ غریب عوام کی بستھیوں کی

بستیاں موت کا لقمہ بن جائیں تو ان کی بلا سے۔ شریف شہری، سفید پوش اور محنت کش طبقہ صحت عامہ، تعلیم، آمدورفت اور خوردونوش کی بنیادی ضروریات سے محروم ہے اور یہ ”عوام دوست“ جمہوریت نواز ”غریب پرور“ ہیں کہ اپنے کتوں، گھوڑوں اور اونٹوں کیلئے بھی ایئر کنڈیشنر استعمال کرتے ہیں۔ غریب کا چہ بلک بلک کر جان دے دے تو اسے غریب کا مقدر کہتے ہیں جبکہ ان کے کتے اور گھوڑے سیبوں کے مرے اور خالص دودھ پر پرورش پائیں تو یہ اسے اپنا منجھی حق گردانتے ہیں۔ پھر افسوس ہے۔۔۔۔۔ اس غریب پر جو بار بار اپنے بچوں کے منہ سے رزق چھین کر ان کے کتوں کے سپرد کرتا ہے۔ افسوس ہے۔۔۔۔۔ اس ووٹر پر جو ظالم اور عادل کا فرق روار کھے بغیر اپنی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے اور حیرت ہے۔۔۔۔۔ اس شخص پر جو بار بار انہی لٹیروں کو گھر میں آکر لوٹنے کی دعوت دیتا ہے۔

موجودہ نگران حکومت اپنے دعویٰ احتساب میں کس حد تک مخلص ہے اس کا اندازہ تو وقت آنے پر ہی ہو سکے گا۔ فی الحال آثار اتنے حوصلہ افزاء نظر نہیں آرہے۔ نگران حکومت اگر اس مرتبہ اس مظلوم قوم کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہتی ہے تو اس کا حل بے رحم احتساب ہے۔ ایسا احتساب جو اس مریض قوم کے ناسوروں کو ختم کر دے۔ انہیں قرار واقعی سزائیں دی جائیں اور ان کے اصل چہرے سر عام دکھائے جائیں ورنہ خطرہ ہے یہ نادان قوم انہی لٹیروں کے ہاتھوں لٹے گی۔

یاد رکھیں! پاکستان تاریخ کے جس نازک موڑ سے گزر رہا ہے اس کا ایک ایک لمحہ احتیاط کا متقاضی ہے۔ اس قوم کے پاس سمبھلنے اور دنیا کے سامنے عزت و وقار بحال کرنے کا یہ شاید آخری موقع ہو لوریہ شاید ایسا امتحان ہے جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس امتحان میں صدر مملکت (فاروق لغاری) سے لے کر نگران وزیراعظم (ملک معراج خالد) تک، چیف احتساب کمشنر سے لے کر آرمی چیف تک اور عدلیہ و انتظامیہ کے ذمہ دار افسروں سے لے کر عام مزدور شہری تک سب برابر کے شریک ہیں۔ اللہ نہ کرے امتحان کا یہ آخری موقع ہم سے پھر ضائع ہو جائے لوریہ ہم اقوام عالم کے ہجوم میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔

(دسمبر ۱۹۶۶ء)



سال 97ء

قومی المیوں کی تاریخ میں ایک اور اضافہ

سال 1996ء بھی اپنی بساط لپیٹتے ہوئے وقت کی تیز گام کے ہمراہ ہم سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گیا۔ ایسے کتنے سال ہم سے رخصت ہوئے اور کتنے اور ہوں گے؟ اس بد قسمت قوم کے ساتھ ماہ و سال کی گردش نے بھی ہمیشہ بے وفائی کی۔ کتنے سورج صبح امید کے ساتھ طلوع ہوئے اور کتنی روشن آرزوؤں کو تشنہ تکمیل چھوڑ کر بلا آخر مایوسیوں کے افق میں ڈوب گئے۔ یہ سال 1997ء اس لئے بھی اہم ہے کہ پاکستان اس سال کے وسط میں پورے 50 سال کا ہو جائے گا۔ ہم قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

اکیسویں صدی کی آمد آمد ہے۔ اقوام عالم ہمہ گیر تبدیلیوں کے مرحلوں سے گزرتے ہوئے ترقی کے نئے نئے افق ڈھونڈ رہی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے دوش پر سوار انسان کرہ ارضی سے اوپر اٹھ کر چاند اور مریخ میں نئی بستیاں بسانے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ پاکستان اس ترقی یافتہ دنیا کا وہ بد قسمت مسافر ہے جو پیدائش سے اب تک مسلسل بھٹک رہا ہے۔ ان پچاس سالوں میں جس کسی نے اس کے ساتھ منزل آشنائی کے وعدے کئے اگلے موڑ پر وہی راہنما راہزن کا روپ دھارتا رہا۔ ہر صبح منزل کا عزم لے کر نکلنے والے سادہ لوح ہم وطن سر شام کسی نہ کسی دھوکہ باز کے ہتھے چڑھ کر لٹتے رہے۔ اس وفا شعار قوم کے غیور فرزندوں نے ہر تاریک رات کو ایثار و وفا کے چراغوں سے روشن کیا لیکن ہر گام ان چراغوں کی لو تیز ہونے کی بجائے بجھتی چلی گئی۔ اس کے مزدوروں نے اپنے خون پسینے سے اس کی تعمیر و ترقی کیلئے پونجی جمع کی لیکن اس کے نام نہاد معماروں نے اس پونجی کو اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے پر صرف کیا۔ چولستان کے رہینکے صحراؤں سے لے کر سیاچین گلشیر کے برفانی تودوں تک وطن عزیز کیلئے قربانیاں دینے والوں کا خون بکھرتا رہا لیکن قوم کی تقدیر پر مسلط غداروں نے قربانیوں کے عوض ان شہداء کی نسلوں کو قدم قدم پر بد امنی، لاقانونیت، ظلم اور بربریت

کے تحفے دیئے۔

اس ملک میں ہر چیز اپنے اصل مفہوم سے محروم ہو چکی ہے اس لئے ہر لفظ کی شناخت اس کے متضاد مفہوم کے ساتھ ہونے لگی ہے مثلاً سیاست کا معنی ریاستی امور میں احتیاط و تدبیر کا تھا مگر اب اس سے مراد دھوکہ دہی، جھوٹ، فراڈ، مکر اور شاطرانہ ہیر پھیر ہے۔ اسی طرح اخلاقی گراؤ اور فحاشی پر مبنی سرگرمیوں کو ثقافتی ترقی سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ گالی گلوچ، سفلیہ نوازی اور بازاری زبان استعمال کرنے والے کو حق گوئی کے منصب پر بٹھایا جاتا ہے۔ رہ گئی جمہوریت تو یہ بیچاری بھی اسلام کی طرح ہمارے ہاں خوب استعمال ہوئی ہے۔ جمہوریت کے نام پر منتخب ہو کر اقتدار کے ایوانوں میں پہنچنے والی ہر حکومت نے جمہور کے حقوق کو پامال کیا۔ اقتدار کی منزل تک پہنچنے کیلئے عوام کی جس سیڑھی کو استعمال کیا بعد ازاں اسے کبر و نخوت کی ٹھوک سے گرا دیا۔ کرسی اقتدار ملتے ہی انہوں نے اپنے رشتے فرشی مخلوق سے کاٹ کر خود کو عرشی سمجھ لیا۔ فرعونی نفسیات کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ہر بار یہ بھول گئے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کو عشرت کدوں سے بے دخل نہیں کر سکتی۔ ایک بار جو کرسی پر براجمان ہو گیا پھر اس نے یہ سمجھ لیا کہ میری نسلیں بھی اسی حکمرانی کے لئے پیدا ہو گئی۔ ملک کے سب خزانے ان کے اوباش اور کھلنڈر جاں نشینوں کے لئے وقف ہو جاتے ہیں۔ ان کے کتے گھوڑے بھی اسی قومی خزانے کا مصرف ہوتے ہیں اور غریبوں کی عزتیں بھی وہ اسی آبائی وراثت سے خریدتے اور بیچتے ہیں۔ ان کو یہ حق کس نے دیا، اسی نام نہاد جمہوریت نے۔ اسلام کے ساتھ یہاں کیا کچھ نہیں ہوا؟ یہ ملک تو بنا ہی اسلام کے نام پر تھا، اس کے لئے دی گئی ان گنت قربانیوں کا مقصد بھی اسلام کی سر بلندی تھا مگر اسلام جتنا یہاں پریشان حال ہے اتنا دیا ر مغرب میں بھی نہیں۔ جمہوریت کی طرح اسلام کو بھی کئی بار اقتدار تک پہنچنے کیلئے سیڑھی کے طور پر استعمال کیا گیا اور پھر اسلام پسندوں کے ساتھ وہی ہوا جو جمہوریت پسندوں کے ساتھ ہوتا رہا۔

اب جبکہ ہم 1997ء میں قدم رکھ چکے ہیں۔ بحیثیت قوم ہماری حالت بہت

جواز فراہم کیا۔ یہی جواز تھا جس کیلئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں پر کھیلا، آگ اور خون کے دریا عبور کئے، ماؤں نے معصوم بچوں کو نیزوں کی انیوں پر اچھلتے دیکھا، اپنے سامنے سہاگ اجڑتے دیکھے، گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی، اپنے عزیزوں کو چھوڑا، جو یہاں آنے میں کامیاب ہو گئے ان میں سے بھی بے شمار غریب الوطنی کی موت مرے۔ یہ سب کچھ کیا تھا؟ جواز ہی تھا تو اتنی قربانیاں دی گئیں۔

مسلمان کے لئے دین اسلام، خدا اور رسول ﷺ کی محبت سے بڑا جواز کیا ہو سکتا ہے لیکن اس جواز کی توہین کی گئی، اس عزم کو فراموش کر دیا گیا، وعدہ خلافی کی گئی، حکمرانوں نے اس نوزائیدہ مملکت کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ کر لوٹا اور اس کے اثاثوں کو باپ کی طرف سے ملا ہوا جیب خرچ سمجھ کر اڑا دیا۔ پاکستان بننے کے دس سال بعد سے اس پر اس سے زیادہ سود کی قسطیں وصول کر لی جاتی ہیں ”بہ پائے ماندن نہ جائے رفتن“ ہماری قوم کو اغیار کا منگتا بنا دیا گیا، قرضوں کی لائن لگ گئی۔ خونخوار مغربی ممالک اور امریکہ تیسری دنیا کے غریب ممالک کو قرضے دے کر ان کی قومی غیرت کا خراج لیتے رہے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ بھی وہی ہوا۔ اس وقت ہماری قوم کا ہر چہ 16 ہزار پاکستانی روپے کا مقروض ہے۔ I.M.F اپنی مرضی سے ہمارا بھٹ بناتا ہے اور ورلڈ بینک اپنی حسب منشاء ٹیکس لگواتا ہے۔ آئی۔ ایم۔ ایف ہمارا رزاق ہو گیا۔ بخدا! یہ توہین ہے ان جذیوں کی جو قربانیوں کے پیچھے کار فرما رہے، یہ توہین ہے اس خون کی جو شہیدوں کے بدن سے بہتا رہا، یہ توہین ہے اس نظریے کی جس کو بنیاد بنا کر تحریک چلائی گئی اور یہ توہین ہے اس تاریخ کی جس کی پیشانی پر اسلام کی بارہ سو سالہ حکمرانی کا جھومر موجود ہے۔ یہی امت جب عرب کی تنگ و تاریک جہالتوں کو چیرتی ہوئی روشنی کے چراغ لے کر نکلی تو پوری دنیا کو جینے کی ادا سکھائی، زندگی کا مفہوم سمجھایا، کامیابی کا ہنر سکھایا، اس قوم کے سپوتوں نے دلوں سے دلوں میں راستے بنائے، خود سروں کو خدا کی دہلیز پر جھکایا اور کمزوروں کو جینے کا حق دیا۔ آج اسی قوم پر باطل ہنس رہا ہے، اس کی بربادیوں کے افسانے ان کی محفل کا تذکرہ بن گئے ہیں۔ افسوس اس قوم کی قسمت پر جسے چور، لٹیرے اور ڈاکو حکمران ملے

ناگفتہ بہ ہے۔ پچھلے چند سالوں میں 4 بار ہماری منتخب حکومتیں ٹوٹی ہیں۔ ہر حکومت نئے نعروں کے ساتھ اقتدار میں آئی اور ہر بار دم دبا کر اپنی بساط لپیٹتے ہوئے قوم کو بھاری قرضوں کا تحفہ دے کر چلتی بنی۔ اس مرتبہ نگران حکومت سے اس مظلوم عوام کو کچھ امیدیں قائم ہوئی تھیں۔ انہوں نے سوچا تھا کہ اب ہمارے درد کی دوائے کر شاید کوئی مسیحا آئے گا لیکن حالات صاف بتا رہے ہیں کہ اس بد قسمت قوم کے مقدر کا ستارہ اب بھی گردش میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے مالا مال ملک کے باشندے ہر دن مہنگائی، بے روزگاری اور معاشی ناہمواریوں کے نئے گرداب میں گھرتے چلے جا رہے ہیں۔ عالمی مالیاتی اداروں کی طرف سے عائد ہونے والی شرائط کی خونی چکی میں پسے والے یہی غریب ہیں جنہیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ ان سے سانسوں کی ڈوری کا رشتہ چھیننے والے لٹیروں کا احتساب ہو جاتا تو اس غریب کے دن پھر سکتے تھے مگر اسلام اور جمہوریت کی طرح ”احتساب“ کا لفظ بھی اپنی معنویت کھو گیا ہے۔ احتساب احتساب کے شور میں دوبارہ ایوان اقتدار میں پہنچنے والے لٹیروں کو اخلاص و تقویٰ کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ صفائی دکھاتے ہوئے قوم کا خون چوسیں گے۔

ہم حیران ہیں، الہی یہ ظلم و جبر اور بے انصافی کا نظام کب تک رہے گا۔ اس دلیس کے مزدوروں کسانوں اور پسے ہوئے طبقوں کی دادرسی کب ہوگی۔ یہ قوم کب تک لٹی، مرتی اور اجڑتی رہے گی یا کوئی مسیحا ان کے زخموں پر بھی دستِ شفا رکھے گا؟ بار الہ! نصف صدی تو گزر گئی ہے۔ اب اس مفلوک الحال قوم پر رحم فرما آخر یہ بھی تو تیرے حبیب ﷺ کی پسندیدہ امت ہے۔ انہیں شعور عطا کر تاکہ یہ ظالم اور عادل کے درمیان، دشمن اور دوست کے درمیان، محسن اور لٹیروں کے درمیان فرق محسوس کر سکیں۔ انہیں اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کا اہل بنا۔ ان کی تقدیروں پر مسلط خدا شناس لٹیروں کا احتساب خود اپنے دستِ قدرت سے فرما کہ تجھ سے بہتر احتساب کرنے والا ہے بھی کوئی نہیں۔

(جنوری، ۱۹۷۷ء)

خارازمین سے گلزاروں کی امید!

شکوہ و شبہات اور ظن و تخمین کے ایام اب حالیہ عدالتی فیصلے کے بعد یقینی صورتحال میں بدلے ہیں۔ الیکشن کی تیاریاں آخری مراحل میں پہنچ چکی ہیں۔ سیاسی اکھاڑے میں اکثریت تو انہی پرانے کھلاڑیوں کی ہے جو پچھلے پچاس سالوں سے نسل در نسل نور ا کشتی کھیلتے آئے ہیں تاہم کچھ ”انصاف پسند“ تازہ دم بھی ہیں جو نئے عزائم لے کر مطلع سیاست پر طلوع ہو رہے ہیں لیکن ان کے نئے عزائم نئے تجربات کی نذر ہو کر پرانے مچھندروں کے ہاتھوں ملیا میٹ ہونے کے قوی امکانات ہیں۔ ہماری یہ سطور طباعت کے مراحل سے گزر کر جب آپ کی نظر التفات میں پہنچیں گی الیکشن کا اونٹ کسی کروٹ بیٹھ چکا ہوگا۔ جو بھی ہوگا بہر حال وہ آزمائے ہوئے مہروں میں سے ہی ہوگا اور وہی کچھ کرے گا جو آج تک اس سر زمین میں ہوتا آیا ہے۔

نئی حکومت کے اقتدار سنبھالتے سنبھالتے بہار بھی خزاں رسیدہ زمین میں اٹھکیلیاں لے رہی ہوگی۔ آپ دیکھتے ہیں جس طرح درختوں پر پھول پتے کھلتے ہیں اور ان کی رنگت اور شکل و صورت ہر بار ایک ہی طرح کی ہوتی ہے کیوں؟ اس لئے کہ ان درختوں کی ساخت اور زمین سے ملنے والی نمی کی تاثیر ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔ پاکستان کا سیاسی گلشن بھی اسی طرح ایک ہی نظام کا پروردہ ہے جہاں سے ہر بار ایک ہی قسم کے برگ و بار نکلتے ہیں۔ سامراجی نظام جمہوریت نے ہماری سر زمین میں جو پودا بویا تھا وہ اب ایک مضبوط اور تنا آور درخت بن چکا ہے۔ اس پر پچاس سال گزر جانے کے بعد بھی معروضی حالات کوئی تبدیلی نہیں لاسکے کیونکہ اس درخت کی جڑیں خاصی گہرائی میں جا چکی ہیں۔ جب تک اس گہرائی میں اتر کر تبدیلی نہیں لائی جائے گی، سطح زمین پر کی جانے والی محنت ہر بار ضائع ہوگی۔ ہم بھولے بھالے جذباتی لوگ ہیں اور چاہتے ہیں کہ شیطانی جمہوریت کے اس پرانے درخت پر

ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کے پھول کھلیں۔ ہماری نظریں اس کی شاخوں پر اپنی مرضی کے ثمرات تلاش کر رہی ہیں۔ ہم اگر کوشش کرتے بھی ہیں تو کوئی ہمدردی کا جھانسہ دے کر اس درخت کی شاخ تراشی کر دیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ان ٹہنیوں کے کٹ جانے سے ہماری مرادیں بر آئیں گی لیکن اگلے موسم میں انہی بریدہ ٹہنیوں سے پھر اسی طرح کی شاخیں نکلتی ہیں۔ ان کی تازگی کچھ عرصہ تک ان کی خوش نمائی کا سبب بنی رہتی ہے مگر جب اس پر لگنے والے پھل کو چکھا جاتا ہے تو سو فیصد وہی کڑواہٹ وہی بد مزگی اور وہی تعفن۔

میرے وطن کے بھولے باسیو! سادہ لوح محنت کشو! کسانو! مزدوروں اور قوم کے نوناہو! تم کب تک اس منحوس شجر جمہوریت سے امیدیں لگا کر بیٹھے رہو گے۔ تم کب تک اس کی جڑوں کو خون پسینے سے خوراک پہنچا کر اپنے دشمن کے لئے اسے ثمر بار رکھو گے۔ تمہاری کتنی نسلیں اس نظامِ کہنہ کی بھیینٹ چڑھتی رہیں گی اور تم کہاں تک اس ظلم کے نادانستہ آلہ کار بنے رہو گے؟ آؤ سوچیں اور غور کریں کہ اپنی پاک سر زمین سے اس باطل، بے سود اور ظالمانہ نظام کے پروردہ درخت کو جڑوں سے کیسے اکھاڑ پھینکیں۔ ہاں..... اس کو جڑوں سے اکھاڑے بغیر تمہاری امیدوں کے گلستان میں بہاریں کبھی نہیں آسکتیں، تمہاری آرزوؤں کے چراغ کبھی روشن نہیں ہو سکتے، تمہارے خواب تشنہ تعبیر رہیں گے، تمہارے کچے گھروں میں فاقہ مستیاں تمہاری دینداری کے لئے ہمیشہ چیلنج بنی رہیں گی، تم عدل و انصاف کو ترستے رہو گے، تم اور تمہارے معصوم بچے یہود و نصاریٰ کے مقروض رہیں گے، دن دیہاڑے سڑکوں پر ناچتی اور بازاروں میں اچھلتی کودتی عربانی، فحاشی اور بے حمیتیاں تمہارے دروازوں پر دستک دیئے بغیر گھروں میں داخل ہو کر متاعِ ایمان کو غارت کرتی رہے گی اور تم اسی طرح بے موت مرتے رہو گے۔

مردِ انِ اسلام! کیا اب بھی تمہارے سنبھلنے کا وقت نہیں آیا؟ یہ ذلت و رسوائی، یہ بے کسی اور لاچارگی، یہ بھوک و افلاس، یہ ظلم اور یہ جبر تمہارا مقدر نہیں، واللہ نہیں۔ تم محسنِ انسانیت سرورِ کائنات نبی رحمت ﷺ کی پسندیدہ امت ہو ﷺ، تم طارق، قاسم، اور محمود

غزنوی کے وارث ہو، تمہارے بازوؤں میں توحید کی قوت پوشیدہ ہے، تمہارے سینوں میں ایمان کی حدت موجود ہے، تمہارے سامنے تمہاری بارہ سو سالہ تاریخ ہے، غیرت کی تاریخ، حمیت کی تاریخ، جراتوں اور عظمتوں کی تاریخ..... اٹھو..... اور اس تاریخ کو پھر سے دہرانے کا عزم کر لو۔ وقت تمہیں پکار رہا ہے اور منزل تمہارا راستہ دیکھ رہی ہے۔

امریکہ سامراج نے اپنی طرف سے تمہیں دائمی موت سے ہمکنار کرنے کی آخری تیاریاں کر لی ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی منتشر قوتیں تمہارے خلاف متحد ہو کر برسرِ پیکار ہیں، مغربی ثقافت کی چکا چونڈ نے تمہارے خدائی نظامِ معاشرت و معیشت کو چیلنج کر دیا ہے۔ شیطان خوش ہے کہ آج ذرائع ابلاغ بڑھ چڑھ کر بڑی خوش اسلوبی سے اس کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ اٹھو مصطفوی انقلاب کے داعیو! اپنی منزل پر گامزن ہو جاؤ۔ اس راہ کا ہر ذرہ تمہارے قدموں کے پو سے لینے کو بے تاب ہے۔ حالات کی سنگلاخ دیواروں کو حوصلے، جذبے اور حکمت کے ساتھ پھلانگتے رہو۔ اس راہ پر اٹھا ہوا تمہارا ہر قدم تمہیں توقیر دے گا، سکون و قرار بخشنے گا۔ اس شبِ ظلمت کی سحر تمہارے ہی دم قدم سے ہوگی۔ ہمت کرو کشمیر میں بہنے والے خونِ ناحق کا حساب بھی تم نے لینا ہے۔ تحریکِ پاکستان کے لاکھوں شہداء کی روحیں تمہارے فیصلہ کن کردار کی منتظر ہیں۔

(فروری ۱۹۷۱ء)

پاکستان کا جواز..... ابھی تک سوالیہ نشان کیوں؟

گذشتہ دنوں ایک قومی روزنامہ کے صفحہ اول پر جرمنی کے اخبار میں چھپنے والی کسی رپورٹ کے متعلق تفصیلات چھپیں۔ سرخی تھی ”کیا پاکستان اپنے معرض وجود میں آنے کا جواز کھو رہا ہے“؟ رپورٹ میں ۵۰ سالہ تاریخ کے چند المیوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ بالخصوص بیرونی قرضہ جات کی تفصیل اور ان قرضوں کے حصول کے بعد بھی پاکستان کی موجودہ بد حالی کی صورت حال کا تذکرہ تھا۔

ایک لمحہ کے لئے اگر ہم یہ سوچ کر اس اخباری رپورٹ کو درخور اعتناء نہ سمجھیں کہ یہ ”مغربی پروپیگنڈہ“ ہے۔ وہ خواہ مخواہ اسلام اور عالم اسلام کے خلاف آئے روز بے بنیاد الزامات اور بدنامی پر مبنی تحقیقات کو اپنے میڈیا کا موضوع بناتے ہیں لیکن کیا ہم میں سے کوئی پاکستانی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ اقوام عالم کے مقابلے میں بطور قوم ہم دن بدن تباہی کی طرف بڑھ نہیں رہے؟ ہمارے کارناموں کے تذکرے اس طرح کیوں نہ ہوں۔ ہم نے اپنی قوم کے پاس عزت، عظمت اور وقار رہنے ہی کب دیا ہے؟ ایک غیر مسلم ملک کا اخبار آج ہماری بربادی کے تذکرے کرتا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور؟ ہماری بربادی کے تذکرے تو اب آسمانوں میں بھی ہو رہے ہیں۔

یہ بات میں جذباتی ہو کر نہیں لکھ رہا بلکہ اس کی بنیاد وہ حقیقت ہے جسے ہم بھول چکے ہیں اور بتدریج بھولتے جا رہے ہیں۔ وہ حقیقت کیا ہے؟ ہاں وہ ایک عزم تھا! ایک منزل تھی اور ایک وعدہ تھا جو ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ ”پاکستان کا مطلب کیا لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ“ اور اسی وعدہ پر مسلمانوں نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر جدوجہد کی تھی۔ اسی خواب کو تعبیر بخشنے کیلئے ہمارے قائدین نے قربانیاں دیں، تحریکیں چلائیں، گھربار چھوڑے، کاروبار ختم کر دیئے اور عوام الناس کے دلوں میں پاکستان بنانے کا

جواز فراہم کیا۔ یہی جواز تھا جس کیلئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں پر کھیلا، آگ اور خون کے دریا عبور کئے، ماؤں نے معصوم بچوں کو نیزوں کی انیوں پر اچھلتے دیکھا، اپنے سامنے سہاگ اجڑتے دیکھے، گھربار چھوڑ کر ہجرت کی، اپنے عزیزوں کو چھوڑا، جو یہاں آنے میں کامیاب ہو گئے ان میں سے بھی بے شمار غریب الوطنی کی موت مرے۔ یہ سب کچھ کیا تھا؟ جواز ہی تھا تو اتنی قربانیاں دی گئیں۔

مسلمان کے لئے دین اسلام، خدا اور رسول ﷺ کی محبت سے بڑا جواز کیا ہو سکتا ہے لیکن اس جواز کی توہین کی گئی، اس عزم کو فراموش کر دیا گیا، وعدہ خلافی کی گئی، حکمرانوں نے اس نوزائیدہ مملکت کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ کر لوٹا اور اس کے اثاثوں کو باپ کی طرف سے ملا ہوا جیب خرچ سمجھ کر اڑا دیا۔ پاکستان بننے کے دس سال بعد سے اس پر اس سے زیادہ سود کی قسطیں وصول کر لی جاتی ہیں، ”نہ پائے ماندک نہ جائے رفتن“ ہماری قوم کو اغیار کا منگتا بنا دیا گیا، قرضوں کی لائن لگ گئی۔ خونخوار مغربی ممالک اور امریکہ تیسری دنیا کے غریب ممالک کو قرضے دے کر ان کی قومی غیرت کا خراج لیتے رہے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ بھی وہی ہوا۔ اس وقت ہماری قوم کا ہر چہ 16 ہزار پاکستانی روپے کا مقروض ہے۔ I.M.F اپنی مرضی سے ہمارا بٹھاتا ہے اور ورلڈ بینک اپنی حسب منشاء ٹیکس لگواتا ہے۔ آئی۔ ایم۔ ایف ہمارا رزاق ہو گیا۔ خدا! یہ توہین ہے ان جذیوں کی جو قربانیوں کے پیچھے کار فرما رہے، یہ توہین ہے اس خون کی جو شہیدوں کے بدن سے بہتا رہا، یہ توہین ہے اس نظریے کی جس کو بجا دینا کر تحریک چلائی گئی اور یہ توہین ہے اس تاریخ کی جس کی پیشانی پر اسلام کی بارہ سو سالہ حکمرانی کا جھومر موجود ہے۔ یہی امت جب عرب کی تنگ و تاریک جہالتوں کو چیرتی ہوئی روشنی کے چراغ لے کر نکلی تو پوری دنیا کو جینے کی ادا سکھائی، زندگی کا مفہوم سمجھایا، کامیابی کا ہنر سکھایا، اس قوم کے سپوتوں نے دلوں سے دلوں میں راستے بنائے، خود سروں کو خدا کی دہلیز پر جھکایا اور کمزوروں کو جینے کا حق دیا۔ آج اسی قوم پر باطل ہنس رہا ہے، اس کی بربادیوں کے افسانے ان کی محفل کا تذکرہ بن گئے ہیں۔ افسوس اس قوم کی قسمت پر جسے چور، شیرے اور ڈاکو حکمران ملے

اور افسوس ان محبت و وطن غریبوں پر جو خون پسینہ نچوڑ کر پونجیاں جمع کرتے ہیں اور پھر انہیں اس ملک کے رکھوالے امریکہ اور یورپ کے بیٹکوں میں اپنے کھاتوں میں منتقل کروا لیتے ہیں۔

موجودہ حکومت جس بھاری مینڈیٹ کے ساتھ منظر سیاست پر آئی ہے اسے چاہئے کہ قوم کو اس بے حمیتی کے گرداب سے نکالے ”قرض اتارو ملک سنوارو“ تحریک ہماری قومی تاریخ کا خوشگوار قدم ہے بشرطیکہ اس کے مثبت نتائج کو ملکی مفاد میں لگایا جائے۔ ہماری قوم اس سال گولڈن جوبلی منا رہی ہے، ہمارے نزدیک گولڈن جوبلی پر اٹھنے والے لاکھوں ڈالر بھی اسی ”قرض اتارو“ مہم پر لگنے چاہئیں، غلام اور مجبور قوم کیسے گولڈن جوبلی منا رہی ہے؟

تحریک منہاج القرآن اس ملک میں جس مصطفوی انقلاب کیلئے کوشاں ہے اس کا پہلا ہدف مساوات اور عدل و انصاف کا حصول ہے۔ ہمیں کسی شخصیت، ادارے یا پارٹی سے عداوت نہیں، ہم ”الحب فی اللہ والبغض فی اللہ“ کے نبوی اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ اس ملک میں اگر اسلام کا نظام معاشرت و معیشت قائم ہو جائے تو یہ صرف ہماری خوشی نہیں بلکہ شہداء کے خون سے ایفائے عہد ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کا ثبوت ہے۔ اس لئے اس اکثریتی اسمبلی کے مقتدر لوگوں سے یہ توقع بجا طور پر رکھی جانی چاہئے کہ اپنے وعدوں کو ایفاء کریں گے ورنہ تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائے گی اور تم بھی اپنے سابقین کی طرح بے وقار بن کر گلی گلی کی خاک چھاننے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

(مارچ ۷۹۷ء)

بے بس عالم اسلام کے غیر مؤثر اجتماعات

پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کا افتتاح مورخہ 23 مارچ 97ء کو اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد سے ہوا اور نصف شب کے قریب ایک روزہ عالمی اجتماع اعلان اسلام آباد جاری کر کے ختم ہو گیا۔ اسلام آباد میں ہونے والا اپنی نوعیت کا یہ غیر معمولی اجلاس اسلامی سربراہی کانفرنسوں کا آٹھواں اجلاس تھا جس کا عمومی ایجنڈا عالم اسلام کے مسائل اور اکیسویں صدی میں داخلے کے تقاضوں پر غور و فکر کرنا تھا۔ مذکورہ بالا موضوع کو زیر بحث لانے سے پہلے آئیے اس تنظیم کے آغاز سے اب تک کے اجتماعات اور ان میں منظور ہونے والی قراردادوں کا مختصر جائزہ لیں۔

خلافت عثمانیہ کے زوال و انتشار کے بعد جملہ مسلمانوں اور خاص طور پر عربوں کو برطانیہ اور دیگر مغربی طاقتوں کے جارحانہ تسلط کا سامنا کرنا پڑا تو بقول اقبال ”ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں۔“ عثمانی خلافت کے زوال کے بعد پہلا اور زوردار رد عمل برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی طرف سے تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے ہوا جس کی قیادت علی برادران نے کی۔ چنانچہ سعودی عرب حکمران شاہ عبدالعزیز نے نیم سرکاری سطح پر 1926ء میں ایک کانفرنس منعقد کی۔ مکہ معظمہ میں ہونے والے عالمی اسلامی اجتماع میں پورے مسلمان ممالک سے جن وفود نے شرکت کی ان میں بھی علی برادران کی قیادت میں برصغیر کا وفد سب سے نمایاں تھا۔ اہل علم و فکر کے اس عالمی اجلاس میں اصولی طور پر یہ طے ہو گیا کہ مسلمانوں کو متحد اور فعال کرنے کیلئے ایک عالمی تنظیم قائم کی جائے چنانچہ مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی کی کوششوں سے اسی نوعیت کا اگلا اجتماع ”مؤتمر عالمی الاسلامی“ کے نام سے مسجد اقصیٰ میں 1931ء میں منعقد ہوا۔ اسی دوران عالم یہود نے فلسطین میں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کیلئے عالمگیر کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ 1947ء میں غیر مسلم عالمی

طاقتوں کے ایماء پر عالم اسلام کے سینے میں اسرائیل کا خنجر گھونپ دیا گیا۔ عرب مسلمان الگ الگ رہتے ہوئے نوزائیدہ اسرائیل سے مقابلے میں مار کھاتے رہے یہاں تک کہ 1969ء میں مسلمانوں کے قبلہ اول کو یہودیوں نے آتش زدگی کا نشانہ بنا دیا۔ یہ واقعہ پورے عالم اسلام کو بے چین اور مضطرب کر دینے کیلئے کافی تھا۔ چنانچہ 22 سے 25 ستمبر 1969ء تک مراکش کے شہر رباط میں شاہ حسین ثانی کی دعوت پر دنیائے اسلام کے 26 ممالک کے سربراہان اور نمائندہ کا اجتماع ہوا۔ اسی اجلاس میں اس کا نام O.I.C (Organization of Islamic Countries) رکھا گیا اور طے پایا کہ تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر مسجد اقصیٰ کی حرمت کیلئے اسرائیل سے نبرد آزما ہوں گے۔ 5 سال بعد 1974ء میں پاکستان کے دل لاہور میں اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی کاوشوں سے O.I.C کا دوسرا اہم اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بھی اقتصادی، عسکری اور سیاسی سطحوں پر باہمی اشتراک کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان ممالک (بالخصوص شاہ فیصل مرحوم، ذوالفقار علی بھٹو، کرنل قذافی وغیرہ) نے امریکہ اور مغربی طاقتوں کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کرنے کا اصولی فیصلہ کیا لیکن تھوڑے عرصے بعد یہ جوش ختم ہو گیا اور عرب ممالک کے تیل اور دولت کو طاغوتی استعمار نے جس حکمت اور چابکدستی سے اپنے ذخیروں میں منتقل کیا آپ کے سامنے ہے۔ 7 سال بعد جنوری 1981ء میں مکہ مکرمہ میں O.I.C کا تیسرا اجلاس ہوا اس سربراہی اجتماع کے آخر میں جاری ہونے والے ”اعلان مکہ“ ہمیں بھی القدس کی جدوجہد آزادی سرفہرست تھی لیکن 38 اسلامی سربراہان کی متفقہ قرارداد کو اسرائیل کے وزیراعظم نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس اسرائیل کا دارالحکومت ہی رہے گا چنانچہ ”اعلان مکہ“ وہیں غیر مؤثر ہو گیا اور اسرائیل بدستور اپنے عزائم کو عملی شکل دیتا رہا۔ 1984ء میں اسلامی سربراہی کانفرنس کا چوتھا اجلاس ایک بار پھر مراکش کے شہر کاسابلا نکا میں ہوا جس میں شرکت کرنے والے ممالک کی تعداد پہلے سے بڑھ کر 41 ہو گئی۔ 4 روزہ اجلاس میں دوسری مرتبہ پاکستان کی نمائندگی صدر ضیاء الحق کر رہے تھے جن کی 20 منٹ کی فی البدیہہ تاریخی

تقریر کو غیر معمولی داد ملی۔ اس عالمی اسلامی اجتماع میں بھی یہی طے پایا کہ مسلمان ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کئے بغیر اپنے مسائل حل نہیں کر سکیں گے۔ ساتھ ہی فلسطین، کشمیر اور افغانستان وغیرہ میں جہادی سرگرمیوں کے حق میں قراردادیں منظور ہوئیں۔ بعد ازاں پانچواں اجلاس 1987ء میں کویت میں 'چھٹا سنی گال اور ساتواں پھر دسمبر 1994ء میں کاسابلانکا میں منعقد ہوا جس میں بے نظیر نے مسئلہ کشمیر کا تذکرہ کر کے وطن واپسی پر کہا تھا کہ "ہم نے بھارت کو شکست دے دی ہے"۔

اسلام آباد میں ہونے والا 23 مارچ 97ء کا گذشتہ اجلاس جو پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کا باقاعدہ افتتاح کہلایا یہ بھی اسلامی سربراہی کانفرنس کا غیر معمولی اجلاس تھا۔ چند گھنٹوں پر مشتمل اس اجلاس کے لئے ہماری غریب اور مقروض حکومت نے وسیع و عریض مگر متنازع کانفرنس ہال تعمیر کروایا۔ غیر معمولی اخراجات اور حفاظتی انتظامات سے آنے والے سربراہی وفد کی خاطر مدارت کی گئی۔ اس کا عمومی ایجنڈا عالم اسلام کے مسائل اور اکیسویں صدی میں داخلے کے تقاضوں پر غور و فکر کرنا تھا۔ تاہم یہ ایک روزہ عالمی اجتماع بھی "اعلان اسلام آباد" جاری کر کے رات کی تاریکیوں میں ختم ہو گیا۔ اس میں پاکستان نے میزبانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئی اگرچہ مسئلہ کشمیر کو سر فہرست رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور کئی سربراہان مملکت نے اپنے خطبات میں اس کا ذکر بھی کیا لیکن یہ سب کچھ رسمی کارروائی سے آگے کچھ نہ بن سکا۔

قارئین! مندرجہ بالا اجتماعات کی منظور ہونے والی قراردادوں میں ہر بار بیت المقدس کی آزادی سر فہرست رہی اور باہمی اختلافات ختم کرنے اور مسلمانوں کو سائنسی اور اقتصادی میدانوں میں ترقی کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ جہاں تک اسرائیل کی مذمت اور فلسطین کی آزادی کا مسئلہ ہے امریکہ کھلے عام اسرائیل کے جارحانہ عزائم کی سرپرستی کر رہا ہے اور مقبوضہ بیت المقدس میں نئی یہودی بستیوں کے اسرائیلی منصوبے کی حمایت میں کئی بار امریکہ نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کو ویٹو کر دیا ہے۔ یہ وہی امریکہ ہے جو کویت

اور سعودیہ کی ہمدردی میں بے چین ہو کر عراق کے خلاف صف آراء ہو اور ابھی تک خلیج میں ”قیام امن کی علامت“ بن کر عربوں کو عبرت ناک انجام تک پہنچانے کیلئے ان کا خون چوس رہا ہے۔

جہاں تک اس باقاعدہ آٹھویں عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس کا تعلق ہے یہ کئی اعتبارات سے امریکہ اور یورپی اتحاد کی توجہ کا مرکز نظر آرہی ہے۔ اس خاص التفات کی پہلی اور اہم ترین وجہ تو یہ ہے کہ یہ کانفرنس ایران جیسے انقلابی ملک کے دارالحکومت تہران میں منعقد ہو رہی ہے۔ ایران انقلاب کے بعد وہ واحد اسلامی ملک ہے جس نے علی الاعلان اور کھلم کھلا حکومتی اور عوامی دونوں سطحوں پر امریکی استعمار کی بھرپور مذمت کی اور اسے شیطان اعظم قرار دیا۔ اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کو نہ صرف مسترد کیا بلکہ لبنان میں مصروف جہاد حزب اللہ تحریک کی اخلاقی مالی اور عسکری امداد کر کے عملی طور پر بھی اسرائیل کو چیلنج کیا۔ ایران نے جن ممالک سے سفارتی تعلقات منقطع کیے رکھے ہیں ان میں امریکہ اور اسرائیل سرفہرست ہیں۔ علاوہ ازیں ایران خلیج اور مشرق وسطیٰ میں ایک اہم فوجی طاقت بن کر ابھر رہا ہے جو اسرائیل کے منہ زور گھوڑے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ایران کا باغیانہ اور گستاخانہ چلن دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ ایران کو اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اپنے حلیف عرب اور دوسرے مسلم ممالک سے توقع رکھتا تھا کہ وہ تہران میں ہونے والی اس اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت سے اجتناب کریں گے لیکن امریکہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس خواہش میں ناکام رہا ہے۔ امریکہ کو خلیج میں اس سے پہلے بھی اسی دوران مسلسل دوبار تشویش کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ پہلے تو اسے عراق کے خلاف من مانی جارحانہ کارروائی میں عرب ملکوں کی طرف سے عدم تعاون نے سیخ پا کر دیا تھا جبکہ دوسرا تلخ واقعہ بھی انہی دنوں میں دیکھنے میں آیا جب قطر میں ہونے والی مشرق وسطیٰ اقتصادی کانفرنس میں اسرائیل میں شمولیت کی وجہ سے بہت سے عرب ممالک نے امریکہ کی خواہش کے برعکس بائیکاٹ کیا۔ حالانکہ اس ”

اقتصادی کانفرنس کی کامیابی کیلئے امریکہ نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ عرب ممالک کا یہ رد عمل امریکہ کی اسرائیل نواز پالیسی کی وجہ سے سامنے آیا۔ اب تیسرا موقع ہے جب امریکہ اور اسرائیل کے ناپسندیدہ ترین ملک ایران کے دارالحکومت تہران میں امریکہ کے بعض قریبی حلیف بھی پہلی مرتبہ شرکت کریں گے۔ ادھر ایران نے بھی امریکہ مخالف جذبات کو کیش کرواتے ہوئے کانفرنس میں زیادہ سے زیادہ عرب سربراہان کی شرکت کا اہتمام کیا ہے۔ یوں اس عالمی اسلامی اجتماع پر اس وقت اپنوں اور غیروں کی نظریں جمی ہوئی ہیں لیکن نتائج کے حوالے سے یہ اجتماع بھی شاید غیر موثر سابق اجتماعات کا تسلسل ہی ثابت ہو اور اس کا نتیجہ بھی ”آمدن نشستن اور بر خاستن“ کے سوا کوئی نہ نکلے۔ اس کی ایک جھلک آج (۸ دسمبر) ہی اس وقت دیکھنے میں آئی ہے جب اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں منظور ہونے والی ایک قرارداد میں اسرائیل کے ساتھ فوجی عدم تعاون میں اتفاق ہوا تھا۔ یہ اتفاق کانفرنس کے بنیادی مقاصد کے عین مطابق تھا لیکن ترکی جیسے اہم اسلامی رکن ملک نے نہ صرف اس کی زبانی مخالفت کی ہے بلکہ کانفرنس شروع ہونے سے ایک دن پہلے اسرائیل کے وزیر دفاع ”اسحاق مور دکائی“ کا سرکاری دورہ بھی ہو رہا ہے۔ ایک طرف یہ قراردادیں اور دوسری طرف رکن ممالک کی یوں اسرائیل نواز سرگرمیاں کم از کم ہماری سمجھ میں تو نہیں آتیں۔ حالانکہ ترکی کے صدر سلیمان دیمیرل نے اس اسلامی سربراہی کانفرنس کا بھرپور خیر مقدم کیا ہے اور خود شمولیت کا یقین بھی دلایا ہے۔

جب تک او آئی سی کے رکن ممالک آپس میں باہمی تعاون اور اعتماد کی فضا پیدا نہیں کریں گے ان کی یہ سربراہی کانفرنسیں اور غیر معمولی اجلاس اسی طرح غیر موثر رہیں گے اور ان کانفرنسوں میں پاس ہونے والی قراردادیں بھی محض کاغذوں کا بے جان پلندا بنی رہیں گی۔

(اپریل ۱۹۷۷ء)

طالبان تحریک کی قابل تحسین پیش قدمی

اس وقت منتشر عالم اسلام میں جہاں امید کے چراغ جلتے نظر آتے ہیں وہ ایشیاء کا خطہ افغانستان ہے۔ مذہبی اقدار اور دینی غیرت و حمیت کے پاسدار افغانیوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ کبھی بھی اجتماعی طور پر کسی باطل سامراج کا حصہ نہیں بنیں۔ خواہ وہ باطل برطانوی سامراجی نظام کی شکل میں تھیاروسی کمیونسٹ انقلاب کی صورت میں۔

اس جنگجو قوم نے ہمیشہ ہتھیار اٹھائے اور اپنے قومی و ملی تشخص کو قائم رکھنے کیلئے جان و مال اور وطن کی قربانی دینے سے قطعاً گریز نہیں کیا۔ ان کے اسی جذبہ جہاد و قربانی کی زد میں آکر کمیونزم کا منہ زور گھوڑا افغانستان کے کہساروں میں زمین بوس ہو اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رزق خاک ہو گیا۔ عصر حاضر کی انسانی دنیا پر اس سخت جان اور کٹر اسلامی قوم کا ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ اس نے مظلوم قوموں کو آبرو مندانہ زندگی کا ڈھنگ سکھایا اور انہیں مصروف پیکار رہنے کا حوصلہ دیا۔ عالم اسلام تو افغانیوں کی غیرت دینی کا مقروض ہے جس کے نیم جان جسم میں افغانیوں کا خون گردش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بے شمار تحریکیں اور مسلح جہادی تنظیمیں اسی جذبہ جہاد کی صدائے بازگشت ہیں۔ اس کی زندہ مثالیں کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا کے جرات مند مسلمانوں کی ملی غیرت اور دینی جذبوں کی بیداری کی صورت میں موجود ہیں۔ ہم ان برسر پیکار باطل شکن مجاہدین کی عظمتوں کو سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس نام نہاد مہذب دنیا کے خود سر تخریب کاروں کو ناکوں چنے چبوائے اور قوم مسلم کی تاریخ میں یہ المیہ بھی رقم ہوا کہ سات آٹھ سالوں سے اس نے خانہ جنگی کی صورت میں ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہایا۔ قریب تھا کہ پوری دنیا میں جہاد افغانستان کا مجموعی تاثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتا اور افغان قوم کی قربانیاں خود غرضیوں کی بھینٹ چڑھ کر ضائع ہو جاتیں، اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو یہ یقین، حوصلہ اور عزم دیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے

افغانیوں کی پیشانی سے نادانی کا داغ دھو دیا اور اسے خود غرضی کے حصار سے نکال کر قومی اور ملی دھارے میں شامل کیا۔ یہ ”طالبان“ کی جماعت تھی جس نے بہت تھوڑے عرصے میں متحارب عوام کو امن، عافیت، بھائی چارے اور ملی تشخص کا محافظ بنا دیا۔ کھنڈر اور نیم جاں افغانستان دوبارہ تعمیر کی طرف بڑھنے لگا اور وہاں سے ایک بار پھر اسلام کے عہدِ رفتہ کی خوشبوئیں آنے لگیں۔ وہی سادگی، وہی اخوت، وہی غیرت و حمیت اور دین کے ساتھ غیر مشروط وابستگی کا منفرد جذبہ۔

ہم پہلے بھی اپنے ادارتی صفحات میں یہ حقیقت دہرا چکے ہیں کہ افغانستان میں طالبان کی پیش قدمی اور کامیابی پورے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کیلئے ایک اچھا شگون ہو گا لیکن اس کامیابی کے ساتھ ہر سطح پر بہت احتیاط اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ مضبوط اسلامی افغانستان براہ راست مضبوط پاکستان کی علامت ہے۔ عالمی سامراجی غنڈے جنہوں نے عالم اسلام کے خلاف اپنے نئے عالمی نظام بنا رکھے ہیں وہ کب چاہتے ہیں کہ اس خطے میں ایران کی طرح دو اور ہمسایہ ممالک بھی اسلامی اقدار کے پاسبان بن جائیں۔ اس لیے روس سمیت یورپ اور امریکہ طالبان کی مسلسل کامیابیوں کو اپنے نئے نظام کے لئے خطرہ سمجھ رہے ہیں اور اس خطرے سے نپٹنے کیلئے ہر ممکن مزاحمتی تدابیر بھی کی جا رہی ہیں جن میں سے ایک کا ظہور حالیہ خونریزی کی شکل میں ہوا جو مزار شریف کی سڑکوں پر دیکھنے میں آئی۔

ہم حکومت پاکستان کو اس اہم تاریخی موڑ پر واضح اور فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لئے بجا طور پر ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ کسی ہمسایہ اسلامی ملک کی بہتری، مضبوطی اور استحکام براہ راست پاکستان کا استحکام ہے لیکن افغانستان کے ساتھ بہتر تعلقات پاکستان کی نہ صرف مذہبی ذمہ داری ہے بلکہ اس کی اقتصادی، ثقافتی اور سیاسی مجبوری بھی ہے۔ اللہ کرے طالبان کو استحکام نصیب ہو جائے اور وہ اپنے فیصلے کرنے میں حکمت و تدبیر سے کام لیتے رہیں۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اس خطے کو سیاسی اور معاشی حوالے سے اپنا دست نگر نہیں بنا سکے گی۔ مسلمان وسط ایشیائی ریاستیں اپنا قومی تشخص بحال کر رہی ہیں۔ پاکستان اپنا فعال کردار ادا کرتے ہوئے

افغانستان کے راستے انہیں اس زنجیر، محبت و اخوت میں منسلک کر سکتا ہے۔

کیا عجب کہ علماء صوفیاء، محدثین اور مفسرین کے یہی مردم خیز خطے آئندہ پھر عالمی سطح پر اسلام کو سیاسی و روحانی قیادت فراہم کر دیں اور ایشیاء کے مسلمان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے نقیب بن جائیں۔ اس لئے ہم طالبان کی اچھی کوششوں کو ہمیشہ بہتری کی طرف جاری سفر کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ہم حکومت پاکستان کے اس اقدام کو بھی سراہتے ہیں کہ اس نے دیر سے ہی سہی لیکن طالبان کی حکومت کو تسلیم تو کر لیا۔ اب انشاء اللہ سعودی عرب اور امارات کی طرح باقی ممالک بھی انہیں تسلیم کر لیں گے۔ ہم طالبان کی اعلیٰ قیادت سے یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلے موجودہ حالات اور عالمی تبدیلیوں کے تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے کریں گے تاکہ منہ پھٹ مغربی میڈیا اور باطل سامراجی گماشتوں کو اسلام کے خلاف زہرا گلنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آسکے۔

(جون ۱۹۷۷ء)

حضور ﷺ کا جشن ولادت کیوں اور کیسے منائیں؟

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا ابتدائی دور تھا۔ دربار رسالت مآب ﷺ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چھت کے نیچے لگا کرتا تھا۔ خوش قسمت جاں نثار صحابہؓ مٹی گارے کے فرش پر بیٹھ کر اپنے پیارے آقا کی میٹھی میٹھی باتیں سنتے اور ہمہ وقت قلب و نظر کو محبوب خدا ﷺ کے جلوؤں میں محور کھنے کی لازوال سعادت سمیٹتے رہتے۔

حضور ﷺ کی موجودگی نے پورے ماحول کو کس قدر پر کیف بنا دیا؟ اس کا انداز لگانے کیلئے تو ہمارے پاس پیمانہ نہیں البتہ یہ مسلم ہے کہ اس کچی مسجد اور سادہ ماحول پر جنت کی بہاریں اور عرش الہی رشک کناں تھے۔ مسجد کے احاطے میں قبلہ کی سمت عین صف کے درمیان کھجور کا درخت تھا۔ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو اس کے ساتھ پشت مبارک لگا کر بعض اوقات سہارا لے لیتے۔ کچھ دنوں بعد جب لکڑی کا منبر تیار ہو گیا اور خطبہ جمعہ دینے کیلئے حضور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہونے لگے تو صحابہؓ نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔ یہ منظر تاریخ بشریت کا نہ صرف اہم واقعہ ہے بلکہ دنیائے محبت و عشق کی ایک انوکھی داستان بھی ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ روایت اور سند کے اعتبار سے بھی بہت ثقہ اور ناقابل تردید ہے کیونکہ بخاری سمیت احادیث کی دیگر مستند کتب نے تواتر کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ ہوا یوں نیا منبر بننے پر جب حضور ﷺ نے اس تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی بجائے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا تو اس خشک تنے سے صدمہ ہجر گوارا نہ ہو سکا اور اس نے ایک صاحب عقل و خرد انسان کی طرح زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ منبر سے اتر آئے۔ اسے بغل میں لیا اس پر اپنا دست شفقت پھیرا اور وہ تنا پچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے اس کی خواہش پر اسے دارالبقاء سے نوازا اور زمین میں دفن کر دیا۔

ہاں۔۔۔۔۔ یہ ہیں ہمارے وہ مدنی تاجدار ﷺ جن کا جشنِ ولادت ہم ہر سال عقیدت و محبت اور جوش و جذبہ سے مناتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم ان کے نام لیوا امتی ہیں اور ان کی غلامی اور اتباع کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے لائے ہوئے دین کی عظمتوں کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور ان کے درِ اقدس سے ملنے والی ایمان و عمل کی روشنی کو نورِ سرمدی سمجھتے ہیں۔ اس تعلقِ غلامی کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر سراپا تشکر و امتنان بن جائیں، یہ خوشی میلاد النبی ﷺ کے ایک دن کیلئے نہیں زندگی کی ہر سانس بھی ان کے نام کر دیں تو بھی حقِ غلامی ادا نہیں ہو سکتا!

حضراتِ محترم! آپ نے کھجور کے خشک تنے کے متعلق تو سن ہی لیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نباتات و جمادات میں احساس و ادراک کی صفت نہیں ہوتی لیکن حضور ﷺ سے تعلق کتنی بڑی حیران کن طاقت (Force) ہے کہ اس نے خشک تنے کو ہوش و خرد اور احساس و ادراک ہی نہیں محبت و عشق کے جذبے سے بھی نوازا دیا اور ایک طرف ہم ہیں کہ تمام تر قلبی ذہنی اور حسی صلاحیتیں رکھتے ہوئے بھی بے حس، بے کیف اور محروم ہیں۔ کیا ہم ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں جو قربتِ مصطفیٰ سے فیض پا کر حیات جاوید کے مستحق ٹھہرے، مگر ہم تو حضور ﷺ کے ماننے والے آپ پر ایمان کے دعویدار اور آپ کی اطاعت و اتباع کا دم بھرنے والے ہیں۔ آج کیوں ہم اپنے رب تعالیٰ سے اپنے رسول ﷺ سے اور اپنی عاقبت سے بے خبر ہیں۔ ہمارے سینوں کے اندر دل دھڑکتے ضرور ہیں لیکن ان دھڑکنوں میں فانی دنیا کی محبتیں رچ بس گئی ہیں۔ دل کی تختیاں غفلت اور شامتِ اعمال سے سیاہ ہو چکی ہیں۔ یہی سیاہی ہماری بے چینی اور اضطراب کا سبب ہے۔ نہ ہمیں اپنے گھر میں سکون، نہ ہمارے معاشرے امن کے امین، نہ ملکی اور قومی سطح پر استحکام اور نہ اقوامِ عالم میں ہمارا کوئی وقار۔ جو نبی شجر، ہجر، چرند، پرند سب کے لئے رحمت بن کر آئے ان کی مسدِ علم و عظم پر بیٹھنے والوں سے آج انسان بھی خائف ہیں۔ یہ قتل و غارت گری، مار دھاڑ اور خون خرابے اسی رسولِ رحمت ﷺ کے ماننے والوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔ دنیا میں امن تقسیم

کرنے والوں کی پیشانی پر آج دہشت گردی کا بد نما داغ لگ چکا ہے۔

یومِ میلاد تو انسانیت کیلئے یومِ نجات تھا۔ ظلم و جبر سے نجات، شیطانی حربوں اور جھوٹی خدائی سے نجات، نا انصافی سے جھوٹ فریب اور تمام غیر عادلانہ رویوں اور غیر انسانی اعمال و افکار سے نجات۔ لیکن اس امت کو کیا ہوا کہ اس نجات دہندہ پیغمبر انسانیت ﷺ کے واضح احکامات، آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ آپ کی پاکیزہ تعلیمات اور بے مثل قیادت کے باوجود زمانے بھر کے دکھ درد اور غم و آلام اس کا مقدر ہیں۔ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی امتِ مسلمہ زخموں سے چور چور ہے۔ کہیں کشمیر کا نصف صدی سے رستا ہوا زخم، کہیں قبلہ اول اور فلسطین کا زخم، کہیں چیچنیا میں بے گناہ مسلمانوں کے بے دریغ قتل کا زخم، کہیں عراق، ایران اور کویت کی باہمی جنگوں سے برباد ہونے والے خونِ مسلم اور اسلامی سرمائے کے ضیاع کا زخم، کہیں افغانستان کی خانہ جنگی کا زخم، جو ایک سے ایک بڑھ کر اس کے وجود کیلئے خطرناک ہیں مگر المیہ یہ ہے کہ ہم ان زخموں کا علاج طبیبِ حقیقی کی بارگاہِ شافی میں کروانے کی بجائے انہی اغیار کے نشتر خانوں میں کرواتے ہیں۔ یہ امت اپنے آقا محسن انسانیت ﷺ کے دامن سے وابستگی کی بجائے اغیار کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ جشنِ میلاد النبی ﷺ منانے والے خوش غت مسلمانو! یہ جشنِ مسرت تمہیں مبارک ہو لیکن حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کیلئے تن من دھن قربان کرنے کا عزم جب تک نہیں کرو گے حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا حق ادا نہیں ہوگا۔

(جولائی ۱۹۹۷ء)

ناکام حسرتوں کی ”گولڈن جوبلی“

ماہ اگست یوں تو ہر سال اپنی آغوش میں یوم آزادی لے کر آتا رہا لیکن اس مرتبہ کا اگست اہل پاکستان کے لئے گولڈن جوبلی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ہماری قوم آجکل پچاس سالہ جشن آزادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ زندہ قومیں اپنی آزادی کے جشن منایا کرتی ہیں اور اسلام میں تو تحدیثِ نعمت ضروری ہے لیکن۔۔۔ زندہ قوموں۔۔۔ کی صف میں کھڑا ہونے کیلئے بھی کچھ اوصاف و شرائط کی عملاً ضرورت ہوتی ہے۔ ہم اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑے ہو کر بھی اپنی پچاس سالہ تاریخ کا بغور جائزہ لیں تو سوائے ایک دو واقعات کے کوئی ایسا قابلِ فخر بلکہ قابلِ ذکر کارنامہ نظر نہیں آتا جو ”گولڈن جوبلی“ کا جواز فراہم کرتا ہو۔ ہاں حصولِ پاکستان کی طویل جدوجہد پر مبنی تاریخِ واقعی زندہ اور باغیرت قوم کی تاریخ تھی اس کے واقعات قابلِ رشک بھی ہیں اور قابلِ ذکر بھی۔ وہ تو ان نیک جذبوں اور پاکیزہ آرزوؤں کی تاریخ تھی جنکی قوت اور اثر سے ہندوستان کی تین سو سالہ شبِ ظلمت کا سینہ چیر کر آزادی کا سورج طلوع ہوا مگر ان پاکیزہ فولادی جذبوں کی تاریخ کا آخری باب تو 11 ستمبر 1948ء کو بانیِ پاکستان حضرت قائد اعظمؒ کی وفات کے ساتھ ہی مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جس تاریخ کا آغاز ہوا اس کے صفحات پر کارناموں کی جگہ ایسے رقم ہوئے..... صرف ایسے۔ اس لیے ہماری قومی تاریخ بد قسمتی سے قابلِ ذکر کارناموں کا تذکرہ نہیں بلکہ دلخراش المیوں کی فہرست ہے۔ ان المیوں کا ایک سلسلہ مقبوضہ کشمیر کی لہورنگ وادیوں اور سری نگر کی خون آلود بہاروں سے لے کر ڈھاکہ اور چٹاگانگ کی خون آشامیوں تک پھیلا ہوا ہے اور دوسرا سرحد اور بلوچستان کے کوہساروں سے پنجاب اور سندھ کے صحراؤں اور کھیت کھلیانوں پر سسکتی ہوئی مظلوم انسانیت کی بے بسی اور لاچارگی تک۔

کس کس ایسے کا ذکر کریں اور کریں بھی تو کس کے سامنے؟ آخر قوم بھی تو ہم خود

ہی ہیں۔ ہمیں قوم کہلاتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ ہم ”قوم“ کی تعریف پر پورا اترے ہی کب ہیں۔ قوم تو ایک جسم، ایک جان ایک وحدت اور ایک مجموعی قوت کا نام ہے۔ اس کا نفع نقصان ایک ہوتا ہے اور اس کی شناخت و پرداخت ایک ہوتی ہے لیکن ہم کیسی قوم ہیں جس کے اعضاء ایک دوسرے کو کاٹتے پھرتے ہیں۔ اپنی قوت کو خود کمزور کر رہے ہیں۔ اپنی شناخت اپنے ہاتھوں برباد کر رہے ہیں۔ ہم ”قوم“ ہوتے تو جغرافیائی، لسانی، اور نسلی بتوں کو خدانہ بنایا ہوتا۔ قومی تقاضوں پر پورا اترتے تو سرحد بلوچستان اور کراچی میں ملٹری آپریشن نہ کرنے پڑتے۔

اس ملک کے 95 فیصد عوام تو شاید باہمی محبت کے رشتے میں مربوط ہو کر متحد قوم بن بھی جاتے مگر براہو اس اقتدار مافیا کا جس نے پوری نصف صدی جمہوریت، اسلام اور غریب پروری کے لبادوں میں روپ بدل بدل کر کبھی جمہوریت کی دھجیاں اڑائیں، کبھی اسلام کے ساتھ کھلانداق کیا اور غریب بیچارہ تو پیدا ہی پسے کے لئے ہوا تھا سو وہ پستا اور مرتا رہا۔ پاکستان کا یہ غریب اور متوسط طبقہ جس کا کوئی صوبہ کوئی زبان اور کوئی شناخت نہیں۔ ان کی جدوجہد کا دائرہ ان کے لامحدود مسائل سے مربوط ہے۔ صبح شام ناکام حسرتوں کے لاشے اٹھا اٹھا کر ان کا عمومی مزاج ندامت پسند ہو چکا ہے۔ ان کے دل زندہ تمناؤں کے ساتھ دھڑکنا چاہیں بھی تو نہیں دھڑکتے کیونکہ ان کے لاشعور میں ان مسلسل المیوں سے ناامیدیوں کی تہیں جم چکی ہیں۔ یہ چاہیں بھی تو سہانے مستقبل کے خواب نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ان کی سوچ اور فکر کی سکرین ماضی اور حال کی تلخیوں سے اٹ چکی ہے۔

ان مسلسل حادثات اور المیوں سے اس قوم کے حافظے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ اس لیے اچھے برے میں امتیاز برت کر آئندہ کیلئے منصوبہ بندی کرنا اس کے بس کا روگ نہیں۔ اس کا پہلا پاگل پن تو یہ ہے کہ یہ قوم ابھی تک اپنے پرانے کی تمیز بھی نہیں کر سکی۔ پاک سرزمین کی شکار گاہ میں اسے مختلف شکاریوں نے گھیر رکھا ہے، ہر طرف سے زخم کھا کر بھی انہی صیادوں کو معالج سمجھ بیٹھتی ہے۔ یہی شیطان صفت معالج اسے ہر بار دوا

کے بھانے زہر کے پیالے پلاتے رہے اور یہ نیم جاں مریض قوم اسے آبِ حیات سمجھ کر نوشِ جاں کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اب اسکی رگوں میں یہی زہر خطرناک نشے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ کرپشن، ملاوٹ، دھوکہ دہی، غیر ذمہ داری، خود غرضی اور رشوت ستانی کا زہر پوری قوم کے جسم میں سرایت کر چکا ہے۔ صاف ظاہر ہے نتیجہ نوشتہ دیوار تھا اور وہی نکلا۔ ہم اقوامِ عالم کی نظروں میں کرپٹ، بددیانت، فراڈی اور بے اعتبار سے Declare ہو گئے۔

پاکستان کا پہلا مقصد اسلامی نظریاتی مملکت کا قیام تھا لیکن پچاس سال بعد ہمارے قومی اور سیاسی راہنما اس کے جواز کی اس دینی اساس کے ہی منکر ہو چکے ہیں۔ اس کے قیام کا دوسرا مقصد اسلام کے سیاسی اور اقتصادی نظام کا احیاء تھا جس کے تحت برابری کی سطح پر ریاست کے لوگوں کے حقوق کی پاسداری ممکن ہوتی لیکن ہمارے ملک کا سیاسی نظام اس وقت دنیا کا بدترین انتقامی اکھاڑ اور لوٹ مار کا بازار بن چکا ہے۔ برابری کی سطح پر حقوق کی بات تو کجا یہاں کے حکمرانوں نے ہر دور میں ہر سطح پر رعایا اور عوام کا خون نچوڑا اور ان کے بچوں کے منہ سے رزق کا لقمہ تک چھین کر اپنے کتوں اور گھوڑوں کی خوراک کا بندوبست کیا۔ ہماری جدوجہد آزادی کا تیسرا اور بڑا مقصد غیروں کی ذہنی اور فکری غلامی سے چھٹکارہ تھا اور یہ صرف بہتر نظامِ تعلیم کے ذریعے ہی ممکن تھا مگر ہم نے آج تک قوم کو کوئی نظامِ تعلیم دیا ہی نہیں۔ اس وقت دنیا کا بانجھ اور بدترین نظامِ تعلیم دیکھنا ہو تو ہمارے قومی تعلیمی اداروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں سے پڑھ لکھ کر نکلنے والوں کی اکثریت ننگِ انسانیت مخلوق کا روپ دھارتی ہے۔ یہی نظامِ تعلیم نوخیز نسلوں کو عین سے ہی غلاموں اور آقاؤں کی صفوں میں تقسیم کر رہا ہے اور اسی نظام نے علم و تحقیق کی باڑی سے نوجوانوں کو ہٹا کر ناچ گانے کا رسیا بنا دیا ہے۔

قیامِ پاکستان کا چوتھا مقصد ایسے قومی تشخص کا فروغ تھا جہاں مذہبی و اخلاقی اقدار باحفاظت پنپ سکیں۔ یہاں کے مسلمان رزائلِ اخلاق سے محفوظ رہیں اور انہیں پوری دنیا

میں اسلام کے نمائندے اور سفیر کی حیثیت سے پہچانا جائے لیکن یہاں پہلے سے موجود مشرقی اقدار بھی رخصت کر دی گئیں۔ ذرائع ابلاغ میں مذہبی شعار کو تنقید کا نشانہ بنایا جانے لگا اور ہم نفس پرستی اور خود غرضی کے گڑھے میں اوندے منہ گر رہے ہیں جہاں سے اٹھنے کا امکان بہت کم ہے۔ یہ ناتمام سا خاکہ ہے ہماری پچاس سالہ تاریخ کا۔ تحریک پاکستان میں بہنے والا خون، لٹی ہوئی عزتیں، تار تار عصمتیں اور کٹے ہوئے لاشے قوم کے اس پچاس سالہ حافظے سے گولڈن جوبلی کا جواز مانگ رہے ہیں۔۔۔ جو جواز پیش کر سکتا ہے اسے گولڈن جوبلی مبارک ہو۔۔۔ اور جس کے پاس زخموں، سسکیوں اور المیوں کے علاوہ کچھ نہیں اسے سوچنا چاہئے کہ ہمیں اپنی منزل سے نصف صدی تک کس نے دور رکھا۔۔۔ اور ان قومی مجرموں کا تعاقب کیسے اور کب کرنا ہے؟

(اگست ۱۹۷۷ء)

تحریک پاکستان ابھی جاری ہے

کسی دانشور کا قول ہے کہ ”تاریخ قوموں کا حافظہ ہوتی ہے“ اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ جس قوم نے اپنی تاریخ کو فراموش کیا اس سے بے خبری عدم دلچسپی اور بے اعتنائی برتی اس نے گویا اپنے حافظے سے ہاتھ دھو لیے، اور جس کا حافظہ درست نہیں (فرد ہو یا قوم) وہ دوسروں کی نظروں میں بے قیمت، غیر مؤثر اور بے حیثیت نہیں ہوگا تو کیا ہوگا۔

ہمارے قومی حافظے کا ایک حصہ اسلام کی 1400 سالہ طویل اور شاندار تاریخ پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ تحریک آزادی اور تشکیل پاکستان سے اب تک تقریباً پون صدی پر محیط ہے۔ ان دونوں حصوں میں ہمیں جو قدر مشترک نظر آتی ہے وہ ہے ”جداگانہ مسلم تشخص کی تگ و دو“ یہ جداگانہ اسلامی تشخص یا دو قومی نظریہ امت مصطفوی کی حیات اس کی بقا اور سلامتی کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی کیلئے پیغمبر اعظم نبی آخر الزمان ﷺ نے بلد الحرم جیسے آبائی وطن سے ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام کے دوران بدر، احد، خندق اور حنین کے معرکہ ہائے حق و باطل میں خود آپ ﷺ کی شرکت و قیادت اسی اسلامی تشخص کے قیام کی کوشش تھی۔ خلفائے راشدین کی جنگی مہمات، صحابہ کرام اور تابعین کی جہادی کوششیں اور سلف صالحین کی فتوحات بھی مسلم تشخص اور دو قومی نظریے کے فروغ کا حصہ تھیں۔ اسی تشخص کے فروغ کے لئے خالد بن ولید اللہ کی تلوار بنے رہے۔ طارق بن زیاد نے کشتیاں چلا دیں۔ نوخیز سالار محمد بن قاسم نے وطن مادر سے ظلمت کدہ ہند کا رخ کیا اور پہلی بار یہاں اگر کفر و شرک کی سرزمین پر توحید کی شمعیں روشن کیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، نور الدین زنگی، سلطان محمد فاتح، محمود غزنوی اور سلطان ٹیپو جیسے بے شمار مسلمان فاتحین نے اسی نظریہ کی ترویج و احیاء کیلئے قربانیاں دیں۔ پھر ان عسکری محاذوں پر لڑنے والے سپوتوں

کے علاوہ علمی، فکری، ثقافتی اور روحانی میدانوں میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے والوں میں ان گنت نام ہیں جنہوں نے اسی مسلم تشخص کو فروغ دینے کیلئے ہر قسم کی قربانیوں دیں۔ یہ سب لوگ رنگ نسل، زبان اور علاقے کی شناختیں بھول کر حضور سرور کائنات ﷺ کے مشن کو شرق تا غرب متعارف کروانے کیلئے مصروف جہاد رہے۔

بیسویں صدی کے ربع اول میں جب عثمانی ترکوں نے اپنے ہاتھوں سے خلافت کی قباچاک کی اور آخری اسلامی مرکز بھی استعمار کی دست برد کا شکار ہو گیا تو ملت کی آنکھیں کھل گئیں اور پوری امت مسلمہ نشاۃ ثانیہ کیلئے اپنے اپنے ظروف کے مطابق کمر بستہ ہو گئی اور پھر ایک ایک کر کے بیشتر مسلمان ممالک نے آزادی حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے بھی آزادی کی تحریک شروع کر دی لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے قطعاً مختلف حالات تھے، انہیں ایک دشمن سے نہیں دو دشمنوں سے لڑنا تھا ایک ہوشیار انگریز اور دوسرا مکار ہندو، لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ سچے جہڑوں کے سامنے چالاکی اور مکاری کے یہ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو گئے۔ انہیں حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی فکری راہنمائی اور قائد اعظم کی بے باک سیاسی قیادت میسر آئی اور لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دیں تو یہ ہمارا وطن پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ اگست 1947ء میں ہم نے خطہ زمین لیا تھا اور مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ زمین کے ٹکڑوں کیلئے لڑتا پھرے۔ اس لیے یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ پاکستان محض خطہ زمین نہیں بلکہ ایک نظریہ، ایک تحریک اور ایک مشن تھا۔ وہی جداگانہ اسلامی تشخص کے فروغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کا مشن۔ یہاں پر ہم نے اقتصادی و معاشی اور سیاسی و تعلیمی آزادی حاصل کرنا تھی تاکہ ہم اسلامی معیشت، اسلامی سیاست اور اسلامی نظام تعلیم کی ترویج کر سکتے۔ اگر ہم نے مغربی انداز سیاست ہی رائج کرنا تھا، وہی سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ استحصالی نظام معیشت حال رکھنا تھا اور امیر غریب کیلئے جداگانہ نظام تعلیم جاری رکھنا تھا تو اتنی طویل جدوجہد کے بعد برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ معلوم ہوا ابھی تک ہم نے آزادی کی تکمیل کرنی ہے۔ تحریک پاکستان جاری ہے

اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہم موجودہ نظام سیاست و معیشت اور نظام تعلیم کو مٹھی بھر مقتدر اور بے دین افراد سے چھین کر پاکستان کے ۹۵ فیصد غریب، محبت و وطن اور اسلام دوست عوام الناس کے لیے عام نہیں کر دیتے۔ قربانیاں کل بھی انہوں نے دی تھیں اور آج بھی یہی دے رہے ہیں۔

سول اور فوجی حکمرانوں نے مل کر اس قوم کی تقدیر سے کھیلا۔ کاروان آزادی کو اقتدار کے بھوکے سیاسی لٹیروں نے اغوا کر لیا۔ ایک عرصہ تک ملک قائم رہا لیکن پھر یہ بھی دو لخت ہو گا اور اب پچاس سال مکمل ہونے پر ہم اس کی ”گولڈن جوبلی“ منا رہے ہیں۔ مطلوبہ مقاصد حاصل ہو رہے ہوں تو جشن آزادی منانے میں حرج نہیں مگر ابھی تک تو ہم منزل کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مسلم تشخص جسے برقرار رکھنے کیلئے قافلوں کے قافلے مقتل گا ہوں کا رخ کرتے رہے کہاں ہے؟ ہم نے نصف صدی کا سفر طے کر لیا ہے لیکن منزل کا سراغ نہیں مل رہا۔ کیا سٹرکیں، پل، ہسپتال اور ناچ گانے کے کچھ ”ثقافتی“ مراکز تعمیر کر لینا ان قربانیوں کا حقیقی ثمر ہے؟۔ خوشحال پاکستان ہماری آرزو ضرور ہے لیکن ”بے دین پاکستان“ ہماری منزل نہیں ہے۔

پاکستان ہمارے پاس امانت ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جن کے نام پر قربانیاں دیکر اسے حاصل کیا گیا۔ یہ امانت ہے ان شہداء کی جنہوں نے اس کی بنیادیں اپنے گرم لہو سے اٹھائیں۔ یہ امانت ہے ہماری آئندہ نسلوں کی جنہیں کل کا پاسبان بنا ہے آئیے۔۔۔ ہم سب مل کر اس امانت کی حفاظت کریں۔ اس نامکمل عمارت کو تعمیر کریں جس کی تخریب ہمارے دشمنوں کا مدعا ہے۔ تکمیل پاکستان کیلئے وہی جذبے، وہی ولولے اور وہی قربانیاں درکار ہیں جن کا نظارہ تشکیل پاکستان کے وقت دکھائی دیتا تھا۔ عشاق رسول ﷺ کا یہ وطن آج پھر انہی جذبوں کو ترس رہا ہے۔ تحریک منہاج القرآن ایسے ہی عشاق کا قافلہ انقلاب ہے۔ ہم وطن مصطفوی بھائیو! یہ کام آپ نے کرنا ہے، صرف آپ نے۔ اپنی صفوں میں اتحاد، تنظیم اور قوت کو برقرار رکھیں۔ اپنے اپنے دوست احباب اور خویش واقارب کو بھی

شامل کر لیں۔ آپ کے روحانی پیشواؤں اور بزرگوں نے خون جگر سے اس چمن کو سینچا تھا۔ وہ آج خود ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ انکی کاوشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں لمحہ بھر کی سستی بھی نہ کریں۔ مصطفوی انقلاب کے لئے ہمارے ہم قدم بن جائیں یہی قافلہ آپ کو تکمیل پاکستان کی منزل تک پہنچا سکتا ہے اور وہ ہے مصطفوی انقلاب۔

(ستمبر ۱۹۷۷ء)

پاکستان میں مذہبی دہشت گردی کے عالمی محرکات

حق و باطل کے باہمی تصادم کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود تاریخ انسانی۔ اللہ تعالیٰ نے جب پہلے انسان حضرت آدم کی تخلیق فرمائی اور انہیں خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں پر متمکن فرمانا چاہا تو اسی وقت ایک مزاحمتی قوت نے جنم لیا جسے شیطان کہا جاتا ہے۔ اس دشمنی کی بظاہر بنیاد غرور و تکبر اور خود نگری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس نے اسی وقت اکڑ کر اپنے مشن اور پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا ”میں انسانوں کو حق سے ورغلانے کی مقدور بھر کو شش کروں گا“۔ چنانچہ اس وقت سے حزب اللہ اور حزب الشیطان دو گروہوں کا وجود عمل میں آیا۔ حزب اللہ کی سرپرستی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور قیامت تک اسی کے پاس رہے گی۔ البتہ انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے اس نے انبیاء و رسل کا طویل سلسلہ قائم فرمایا جنہوں نے ہر دور میں اسی حزب اللہ کی قیادت کی اور حزب الشیطان کے مقابلے میں مصروفِ جہاد رہے۔

سرورِ کائنات نبی اکرم ﷺ کو جب اللہ پاک نے ختم نبوت کے منصبِ جلیلہ پر فائز کیا تو ابلیسی قوتوں کو بہت بڑا دھچکا لگا اور کفر اپنی تمام تر قوت و طاقت کے ساتھ محسنِ انسانیت ﷺ کے مقابلے میں آگیا۔ اس مقابلے اور باہمی تصادم میں ہر دشمن پسپا ہوا مگر یہودیوں نے اسی ابلیسی انداز فکر و عمل کو دہرایا اور حسد، بغض، غرور اور تکبر کے ہاتھوں مجبور ہو کر ابلیسیت اور شیطنیت کے محاذِ سنبھال لئے۔ حزب الشیطان کی قوت میں یہ بہت بڑا اضافہ تھا، چنانچہ اس وقت سے اب تک حق و باطل کے اس باہمی تصادم میں چراغِ مصطفوی ﷺ کو بجھانے کی ہر ستیزہ کاری میں یہی شرارِ بولسہبی پیش پیش رہا۔

عہدِ جدید کے انسان نے اپنے علم و فکر کو کام میں لاتے ہوئے جہاں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے وہاں اپنے لئے مہلک اور تباہ کن ہتھیار بھی بنا لئے۔ اب انسانیت کا وہی

دشمنِ اعظم ابلیس، عالمِ یہود کا قائد ہے اور جدید عسکری اور سیاسی صلاحیتیں حاصل کر کے امتِ مصطفوی ﷺ کے مقابلے میں اتر چکا ہے۔ اسلام دشمن ابلیسی لشکر کا سرغنہ اس وقت امریکہ ہے۔ اس نے ”انا ولا غیر“ کے زعم میں نئے عالمی نظام (New World Order) کا اعلان کر کے ایک بار پھر فرعون کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اس نئے عالمی نظام کے کل پرزے وہی یہودی ہیں جنہوں نے کبھی لمحہ بھر کیلئے بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ اپنی تمام تر علمی فکری توانائیاں اور عملی سرگرمیاں ملتِ اسلامیہ کے خلاف استعمال کیں۔

اس عالمی نظام کا اہم ایجنڈا یہی ہے کہ دنیا پر حتی الامکان یہودیوں کی حکمرانی رہے اور اس حکمرانی کو جو بھی چیلنج کرے اسے حرفِ غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے مٹا دیا جائے۔ ابھی تک انہوں نے اپنے اس مذہبوم مقصد کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ایران، لیبیا، عراق اور سوڈان جیسے ”گستاخ“ اسلامی بلکولہ کا دانا پانی بند کیا ہے۔ خلیج کی معدنی دولت پر مکمل کنٹرول کے لئے انہوں نے اسرائیل کا زہر آلود خنجر عالمِ اسلام کے سینے میں گھونپ رکھا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں نئے یہودی نظام کا معاون بھارت ہے جو اسرائیل سے مل کر پاکستان جیسی واحد اسلامی نظریاتی مملکت کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے۔ ادھر انقلاب کے بعد ایران کی مضبوط اسلامی نظریاتی مملکت نے پہلی بار امریکہ کو ”شیطانِ اعظم“ کا لقب دیتے ہوئے پائے حقارت سے رد کیا۔ اس کی سزا ایران کو عراق کے ذریعے عربوں سے ۸ سالہ جنگ کی صورت میں دی گئی۔ اس لا حاصل جنگ میں عراق جب خود اسرائیل کے لئے مضبوط خطرہ بن کر سامنے آگیا تو امریکہ نے عراق کی فوجی طاقت ختم کرنے کیلئے براہِ راست خلیجی جنگ کی قیادت کی جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اس دوران ایک طرف ایران نے امریکہ کے ساتھ اپنی دشمنی برقرار رکھتے ہوئے اندرونی مسائل پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ مضبوط دفاعی قوت بننے میں خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کیں اور دوسری طرف ایران کا پڑوسی اسلامی ملک پاکستان اللہ کے فضل سے واحد اسلامی ایٹمی طاقت بن کر ابھر آیا۔ دونوں

بر اور اسلامی ملکوں کا عسکری میدان میں خود کفالت کی طرف بڑھتا ہوا قدم اسلام دشمن طاقتوں کو ایک نظر نہیں بھایا۔ چنانچہ نئے عالمی نظام کی تمام تر توجہ پاک ایران تصادم کے امکانات پر مرکوز ہو کر رہ گئی تاکہ ان دونوں کے باہمی تعاون سے نہ عالم اسلام فائدہ اٹھا سکے، نہ اسرائیل اپنے مکروہ منصوبوں کی تکمیل میں جھجکے اور نہ بھارت کشمیر پر قبضے سمیت توسیع پسندانہ عزائم سے پیچھے ہٹنے پائے۔

اسرائیل اور بھارت نے امریکہ کی سرپرستی میں اس مشن کو آگے بڑھایا اور سر زمین پاک پر فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دی گئی۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات اگرچہ عالم کفر کے لئے ہمیشہ کامیاب ہتھیار رہے ہیں لیکن شیعہ سنی اختلافات اس طرح کبھی بھی قتل و غارت گری کا موجب نہیں بنیں۔ مسلکی اور فقہی نکتہ ہائے نظر میں ہمیشہ معمولی اختلاف رہا ہے لیکن پوری 14 سو سالہ تاریخ میں اس طرح کفر اور اسلام کی تباہ کن جنگ کبھی نہیں بنی۔ اب بھی وہی اختلافات ہیں جو آج سے ایک ہزار سال قبل تھے۔ اس وقت کے علماء آج سے زیادہ دینی فہم اور ایمانی بصیرت رکھتے تھے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کبھی کسی دینی روحانی اور مذہبی قیادت نے باہمی قتل و غارت گری کا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ چند لوگ جو پاکستان کی بقاء کو خطرے میں ڈال کر عالم کفر کے خفیہ ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور اسے اسلام کی خدمت یا جہاد کا نام دیتے ہیں درحقیقت اسی نئے یہودی عالمی نظام کے آلہ کار ہیں۔ ان کا تعلق کسی مسلک سے نہیں۔ نہ یہ سپاہ محمد ہیں اور نہ سپاہ صحابہؓ۔ بھلا صحابہؓ اور محمد کے سپاہیوں کا بھی آپس میں مقابلہ یا تصادم ممکن ہے ہرگز نہیں۔ ان دونوں مقدس ناموں کو باہمی مقابلے میں لانا ہی دین دشمنی کا مظہر ہے۔

نئے عالمی نظام کے کارپردازوں کے سامنے پاکستان کی سر زمین کو اس خون آشام مذہبی فرقہ واریت کا مرکز بنانے کے پیچھے چار بڑے محرکات ہیں۔

۱۔ پاکستان اس وقت دنیا کا واحد اسلامی ملک ہے جسکے عسکری تربیتی ادارے فعال اور مضبوط ہو رہے ہیں۔ پہلے جو لوگ یورپ اور امریکہ جا کر عسکری تربیت حاصل کرتے تھے۔ اب

پاکستان سمیت بیشتر اسلامی ممالک مثلاً لائشیا، انڈونیشیا، سوڈان، بنگلہ دیش، ایران اور کئی عرب ممالک کے اعلیٰ افسر پاکستان میں آکر جدید عسکری تربیت حاصل کر رہے ہیں جس سے پاکستان کو بھاری زرِ مبادلہ کے علاوہ دو بڑے فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی ممالک میں پاکستان کی ساکھ مضبوط ہو رہی ہے اور دوسرا یہ کہ یہ ممالک پاکستان میں تیار ہونے والی فوجی مشزی (میزائل اور لڑاکا طیاروں) کے لئے برآمدی منڈیاں ہوں گی۔ صاف ظاہر ہے اس وقت ان منڈیوں میں امریکہ اور یورپ کی اجارہ داری ہے اور وہ اجارہ داری کو کسی قیمت پر بھی ختم نہیں ہونے دیتے بلکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنی تجارت کو فروغ دینا ان کے مقاصد میں شامل ہے جس کی واضح مثال موجودہ خلیجی جنگ ہے جہاں امریکہ نے ایک طرف عراق کی فوجی طاقت کو بری طرح کچلا اور دوسری طرف کویت، سعودی عرب اور امارات جیسے عاقبت نااندیش عرب ممالک کو مجبور کیا کہ وہ امریکہ کی منڈیوں سے بھاری تعداد میں تیار ہونے والا آتشیں اسلحہ منگے، ہاموں خریدے۔ چنانچہ عراق کے خلاف استعمال ہونے والے اسلحہ کی ایک ایک پائی سعودی عرب اور کویت نے ادا کی اور اب بھی اسلامی سرمائے کے عوض امریکی اسلحہ ساز فیکٹریاں مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے والے تباہ کن ہتھیار اگل رہی ہیں۔ اسی اسلحہ کی کھپت کیلئے خلیج میں عراق اور ایران کے ساتھ امریکہ اور اسرائیل کی حالیہ چھیڑ چھاڑ اب خطرناک منطقی نتیجے پر پہنچنے والی ہے۔

لہذا تیسری دنیا اور بالخصوص مسلمان ممالک کا آپس میں آمادہ جنگ رہنا امریکہ کی معاشی ضرورت بھی ہے اور اسی میں اس کے سیاسی استحکام کا راز بھی پوشیدہ ہے۔ چنانچہ ایران اور پاکستان کا عسکری خود کفالت کی طرف بڑھنا ان کی اجارہ داری کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے۔ گذشتہ دنوں راولپنڈی کی مصروف ترین شاہراہ پر دہشت گردی کا شکار ہونے والے پانچ ایرانی افسر، ایرانی فضائیہ کا قیمتی اثاثہ تھے جنہوں نے پاکستان سے تربیت مکمل کر کے واپس جانے کے بعد ایرانی آرمی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونا تھا۔ اس لئے اس دہشت گردی کے پیچھے متحرک خفیہ ہاتھوں نے ایک تیر سے تین شکار کیے۔ اولاً ایران کو قیمتی

تربیت یافتہ پانچ ہولبازوں سے محروم کیا۔ ثانیاً ایران اور پاکستان کے درمیان تعلقات کشیدہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی اور ثالثاً پاکستان میں عسکری تربیت کے لئے آنے والوں کو عدم تحفظ کا احساس دلایا تاکہ آئندہ آنے والے سوچ سمجھ کر ادھر کا رخ کریں۔

۲۔ پاکستان میں فرقہ واریت کے محاذ کو اس لئے بھی چنا گیا کہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والا ملک پاکستان بنیادی طور پر اسلام پسند لوگوں کا ملک ہے۔ یہاں سے کسی وقت بھی عالم اسلام کیلئے مذہبی قیادت ابھر سکتی ہے۔ مذہب اور دین کو یہاں لوگ غیر مشروط طور پر عزیز رکھتے ہیں مذہبی فرقہ واریت اور قتل و غارت گری سے نئی نسل کے ذہن میں علماء اور مذہب کے خلاف تحریک پیدا کی جائے جو وسیع پیمانے پر مذہب سے بغاوت پر منتج ہو اور اس ملک سے متوقع اسلامی انقلاب کے چانسز کم سے کم ہو جائیں۔

۳۔ مسئلہ کشمیر پچھلے پچاس سالوں کی مسلسل قربانیوں کے بعد بڑی مشکل سے عالمی توجہ اپنی طرف سے مبذول کروا سکا ہے۔ یہ مسئلہ پاکستان کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ انڈیا اپنے ناجائز قبضے کو زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکتا اس لئے وہ پاکستان کو داخلی مسائل میں الجھا کر ایک طرف کشمیر سے توجہ کم کروانا چاہتا ہے اور دوسری طرف اقوام عالم کو باور کروانا چاہتا ہے کہ انسانی حقوق کی جو خلاف ورزیاں مقبوضہ کشمیر میں انڈین آرمی کر رہی ہے اس سے کہیں بڑھ کر پاکستان میں ہو رہی ہے۔ اس کام میں اسرائیل اس کا مددگار اور معاون ہے کیونکہ اسے بھی فلسطین کے علیحدگی پسندوں کی طرف سے اسی قسم کے مسائل کا سامنا ہے۔

۴۔ پاکستان کی سر زمین کو فرقہ واریت میں جھونکنے کیلئے جن دو مذہبی طبقات کو منتخب کیا گیا ہے ان میں سے ”سپاہ صحابہ“ کا تعلق حنفی مکتبہ فکر سے ہے اور پاکستان میں غالب اکثریت کا فقہی مسلک حنفی ہے۔ متضادم طبقات کا دوسرا فریق فقہ جعفریہ سے تعلق رکھتا ہے اور ایران میں اکثریت جعفری مکتبہ فکر (شیعہ) کی ہے۔ دونوں ممالک کے عوام اپنے اپنے مسالک کے ساتھ وابستگی کے اظہار میں کافی بے دھڑک اور جذباتی واقع ہوئے ہیں۔ یوں ان فقہی گروپوں کی لڑائی کا سلسلہ بتدریج دونوں ہمسایہ ممالک کی کھلی جنگ پر بھی منتج ہو سکتا ہے اور یہی یہودی

عالمی نظام کا ایجنڈا ہے۔ اس کی ایک جھلک تباہ حال افغانستان کی موجودہ خانہ جنگی میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

حال ہی میں ملتان اور بہاولپور کے علاقوں میں کئی مذہبی افراد قتل ہو گئے ہیں۔ ان کے قاتل بھی حسب معمول تاحال صیغہ راز ہیں۔ یہ افراد جن میں کراچی کی معروف دینی درسگاہ (جامعہ بنوریہ) کے اساتذہ بھی شامل تھے، مذہبی دہشت گردی کا ایک اور محاذ کھولنے کی سامراجی سازش کی بھینٹ چڑھے ہیں جس کے تحت ”شیعہ دیوبندی محاذ“ کے بعد اب ”بریلوی دیوبندی محاذ“ کھولنے کی پے درپے کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ ابھی حالات مزید خراب ہوں گے اور پاکستان میں موجود مختلف مسالکت اور مکتبہ ہائے فکر کے درمیان خون آشام چپقلش کا سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع کروایا جائے گا۔ اس خانہ جنگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات پر قابو پانا مشکل ہوگا۔ خاص طور پر ملک کو سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور سفارتی محاذوں پر بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے ملک کی ساکھ مزید خراب ہوگی۔

یہ وہ عزائم ہیں جو ہمارے ملک کی مذہبی دہشت گردی کے پس منظر میں کار فرما ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محب وطن، امن پسند اور اہل درد اصحاب کیلئے یہ منظر بڑا افسوسناک ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو مذہب انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کی تعلیمات فراہم کرتا ہے اس کے علمبردار خود اپنے وجود میں خنجر چلا رہے ہیں۔

ایسے حالات میں جملہ اہل اسلام، محب وطن اور خاص طور پر مذہبی قیادتوں کو مل بیٹھ کر کوئی حل نکالنا ہوگا۔ اختلاف رائے کا حق دیتے ہوئے کوشش کرنی چاہیے کہ یہ مسلکی اختلافات خانہ جنگی میں نہ بدلیں بلکہ حالات کی نزاکت کا تقاضا تو یہ ہے کہ مختلف فیہ مسائل اور معاملات پر عوام الناس کے سامنے اور خصوصی محافل و مجالس میں امن پسندانہ موقف اختیار کیا جائے تاکہ امت مسلمہ مزید ٹوٹنے کی بجائے اکٹھی ہو سکے۔ یہ کام اگر دیندار اور مذہبی راہنما نہیں کریں گے تو دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو متحد نہیں کر سکتی۔ اگر ہمیں عالمی

سامراج کا مقابلہ کرنا ہے اور امت مسلمہ کو اقوام عالم میں ایک موثر طاقت کے طور پر تسلیم کروانا ہے تو یہ عظیم کام اسی سطح سے شروع ہو گا اور اسے علمائے دین ہی سرانجام دیں گے۔ ہمارا وطن عزیز اب مزید خون خرابوں اور خانہ جنگیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اسے اسلام کا قلعہ بنا ہے۔ یہاں سے عالم اسلام کی آئندہ قیادت اُبھر رہی ہے۔ یہاں سے اسلام کی حمیت و غیرت کے چشمے پھوٹیں گے۔ پاک سر زمین کی یہ متوقع مرکزیت عالم کفر کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اسی لئے تو اس نے اپنی تمام تر توجہ یہاں خون خرابہ کرنے پر مرکوز کر دی ہے اور اس فبیج کھیل کی ذمہ داری مذہبی طبقات کے سر تھوپ دی گئی ہے۔

ہم حکومتِ وقت کو بروقت اور بر ملا آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسے شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے کے لئے مخلص ہو جائے۔ اپنی سر زمین پر کسی دوسرے کو جنگ کرنے کی اجازت نہ دے۔ آئے روز ایرانی باشندوں کا قتل یکے بعد دیگرے مسلسل حادثات اور دونوں طرف سے قیمتی جانوں کا ضیاع کیونکر روار کھا جا رہا ہے؟ ان واقعات کے مرتکب افراد یا تنظیمیں ابھی تک کیفر کردار کو کیوں نہیں پہنچیں؟ کامرہ جیسے فوجی چھاؤنی کے محفوظ اور حساس علاقوں میں دہشت گردوں کو کھلے عام من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع کیسے ملتا ہے؟ کیا یہ "CIA" "موساد" اور "را" کے ہاتھ نہیں ہیں؟ اگر ہیں اور حکومتی اداروں کے پاس اس کے واضح ثبوت بھی موجود ہیں تو اس کھیل میں حکومت کب تک تماشائی بنی رہے گی؟ امریکہ نے ایران کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے پاک سر زمین کو ہی کیوں پسند کر لیا ہے۔ ایک تیر سے وہ یقیناً دو شکار کر رہا ہے مگر شکار ہونے والے اپنی نگرانی میں اس کے تیر اندازوں کو پناہ دے رہے ہیں۔ اپنے ہاتھوں ہلاکت کا یہ سامان پاکستان کی سلامتی کیلئے اچھا شگون نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دیس کے رکھوالوں کو ہوش کے ناخن دے اور پاک سر زمین کو دشمنوں کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھے۔

(اکتوبر، ۱۹۷۷ء)

ماہنامہ منہاج القرآن کے دس سال

دورِ جدید کو انسانی تاریخ میں جن خصائص سے ممتاز کیا جاسکتا ہے ان میں سرفہرست ذرائع ابلاغ (Medial) کی سرعت اور اثر انگیزی ہے۔ میڈیا کی اسی برق رفتاری نے ہی دنیا کو عالمی گاؤں (Global Village) کا درجہ دیا ہے۔ اب دنیا کی تمام وسعتیں ایک چھوٹی سی سکرین پر سمٹ آئی ہیں۔ بہر حال میڈیا کا یہ دور اپنے جلو میں بے شمار خوبیاں اور بہت سی قباحتیں سمیٹے انسانی معاشرے میں نئے انقلابات کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے کہ کرہ ارضی کا سماجی، سیاسی اور اقتصادی نظام اسی ذرائع ابلاغ کے زیر اثر آچکا ہے، وہ جنگیں جو کبھی تلواریں اور نیزوں کے ساتھ وسیع و عریض میدانوں میں لڑی جاتی تھیں اب وہ تبھن میڈیا کے پلیٹ فارم سے چھوٹی سی سکرین پر پھار رہی ہیں۔ کمپیوٹر کے انٹرنیٹ سسٹم نے یہ فاصلے اور تبھن سکیڑ دیئے ہیں۔ آپ پانچ منٹ میں اس کے ذریعے اپنا موقف پوری دنیا تک پہنچا بھی سکتے ہیں اور ایک بٹن دبا کر اگلے لمحے اس کا ردِ عمل بھی اسی سکرین پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کی یہ ترقی یوں تو کرہ ارضی پر بسنے والے ہر انسان کے کام آسکتی ہے اور آتبھی رہی ہے لیکن اس وقت کی عالمی استعماری طاقتیں عملاً اس انسانی ایجاد کو بھی اپنے سیاسی مفادات کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اسلام مخالف باطل طاغوتی قوتوں کا یہ بڑا طاقتور اور موثر ہتھیار (جو کلی طور پر ان کے تصرف میں ہے) ہمارے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ دنیا بھر میں کسی نہ کسی شکل میں کام کرنے والی اسلامی تحریکیں، ادارے اور تنظیمیں دعوتِ دین کا جو کام بھی کر رہی ہیں اس کے اثرات و نتائج اسی لئے جزوی اور انفرادی دائروں میں محدود ہیں۔ ان کاوشوں کا مجموعی تاثر عالمی یکجہتی کی صورت میں اس وقت تک سامنے نہیں آسکتا جب تک میڈیا اس کی صحیح صورت حال پیش

نہیں کرتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت پوری دنیا میں کفر اور اسلام کی کھلی جنگ جاری ہے۔ تمام غیر مسلم سیاسی قوتیں، اقتصادی معاہدے اور ثقافتی سرگرمیاں جس نئے عالمی نظام (New World order) کے زیر اثر آگے بڑھ رہی ہیں اس کا پہلا اور آخری ہدف عالم اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کو دبانے اور اسے قمع و برباد کر دینے کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ عالم اسلام بھی میڈیا کے اس عالمی اور موثر ہتھیار کو اپنے استعمال میں لائے۔ اس لئے کہ دشمن کا مقابلہ اگر برابر کی سطح پر ممکن نہ ہو تو اپنی بقاء کیلئے کم از کم اتنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کی سازشوں کے سامنے بند باندھ دیا جائے تاکہ اس کی یلغار کا اثر کسی حد تک کم کیا جاسکے ورنہ دشمن کے ہاتھوں نیست و نابود ہونے سے بچنے کے کوئی امکانات باقی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت قوم و ملت کا درد رکھنے والے باشعور مسلمان جس طرح سیاسی استحکام کیلئے اسلامی دولت مشترکہ کا قیام اور معاشی استحکام کیلئے عالمی اسلامی منڈی اور عالمی اسلامی بینک کو ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح موجودہ ذرائع ابلاغ کے ہمہ جہتی اثرات کا مقابلہ کرنے کیلئے بین الاقوامی اسلامی میڈیا سروس کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ورنہ دنیا بھر کے دین اور مذہب پسند مسلمانوں کو مغربی میڈیا بنیاد پرست اور دہشت گرد کہہ کر عالمی رائے عامہ کو اسلام کے خلاف رکھنے کی موجودہ روش پر ڈٹا رہے گا۔

اسلامی ممالک میں موجود ذرائع ابلاغ (الاماشاء اللہ) اسلامی نظریاتی اور دینی تشخص کیلئے کام کرنے کی بجائے بد قسمتی سے اسی کفریہ ثقافت و سیاست کا پرچار کرنے میں مصروف ہیں۔ اسلام جن معاشرتی و سماجی رویوں اور مذہبی اقدار سے دنیا میں زندہ ہے ہمارا میڈیا انہی روایات و اقدار کی بنیادیں کھوکھلی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ باقی اسلامی ممالک کی بات چھوڑیں ہمارے وطن ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ کو دیکھ لیں صاف واضح ہو جائے گا کہ ہم قومی مقاصد کی طرف بڑھ رہے ہیں یا دینی اور نظریاتی تشخص برباد کرنے پر بضد ہیں۔

ہمارے ملک کی صحافت بھی سیاست کی طرح اتنی گرد آلود ہو چکی ہے کہ استطاعت و قدرت کے باوجود قومی تعمیر میں کوئی فعال کردار ادا نہیں کر رہی بلکہ زرد صحافت کی کارستانیاں ہمارے معاشرے کا ایک المیہ بن چکا ہے۔ اس وقت صحافت میں مادیت کا عنصر غالب آچکا ہے۔ معمولی مالی مفاد کیلئے بے دریغ شرفاء کی پگڑیاں اچھال دی جاتی ہیں۔ لوگوں کی عزت و ناموس اور غیرت و حمیت کے صدیوں پرانے بھرم محض خبریت کی زد میں ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ آج پولیس جیسے بدنام شعبے سے عزتوں کو پامال ہونے کا اتنا خدشہ نہیں جتنا نام نہاد صحافیوں کی خبریت پسندی سے۔ دینی صحافت کو دیکھا جائے تو سوائے ان فرقہ پرست تنظیموں کے نمائندہ اخبار و جرائد کے جو اپنی بقاء ہی مخالفت و مزاحمت میں سمجھتی ہیں اکثر و بیشتر مثبت شعور و آگہی کا فریضہ سرانجام دینے میں مصروف ہیں لیکن اس کے باوجود مغربی میڈیا کے سیلاب کے مقابلے میں ان کی حیثیت بہت ہی کم ہے۔

تحریک منہاج القرآن نے اس عصری ضرورت کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے مختلف سطحوں پر عملی پیش رفت کی ہے۔ ٹی وی، ڈش اور ریڈیو کا توڑا اگرچہ اس سطح پر تو نہیں لیکن الحمد للہ اتنا ضرور ہے کہ ہزاروں لاکھوں لوگ قائد محترم کی آڈیو، ویڈیو کیسٹیں سن کر زندگیوں کے رخ متعین کرتے ہیں۔ پریس میڈیا میں بھی مقدور بھر استطاعت سے کام لیتے ہوئے ہر شعبہ زندگی کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا گیا ہے۔ منہاج القرآن و یمن لیگ کا نمائندہ ماہنامہ دختران اسلام، نوجوانوں کی سرگرمیوں کا ترجمان ماہنامہ مصطفوی، علمائے کرام کیلئے ماہنامہ العلماء اور تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم نوجوانوں کی علمی و فکری اور اعتقادی راہنمائی کیلئے ماہنامہ وائس آف سٹوڈنٹس پاکستان کے صف اول کے رسائل میں شمارے کئے جاسکتے ہیں۔ ماہنامہ منہاج القرآن ان کوششوں میں سے ایک کامیاب کاوش ہے۔ احیائے اسلام، اتحاد امت اور مصطفوی انقلاب کی نقیب تحریک منہاج القرآن کا اولین اور عالمی ترجمان یہ ماہنامہ اب اپنے شاندار دعوتی، تحریکی، تعلیمی اور صحافتی سفر کے ابتدائی دس سال مکمل کر چکا ہے۔ اس کے یہ دس سال زرد صحافت کے گرد آلود ماحول میں سنجیدہ اور با مقصد

دینی صحافت کا وقار بھی ہیں اور تحریکی و انقلابی ادب کی لازوال تاریخ کے نقیب بھی۔ اس کے امتیازات میں سرفہرست مفکر اسلام حکیم الامت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی سرپرستی ہے۔ پھر ان قارئین کا دینی جذبہ ہے جو ملک اور بیرون ملک تحریک اور قائد تحریک کے مشن اور پروگرام کے ساتھ دل و جان سے وابستہ ہیں اور اس ماہنامے کے قارئین ہیں۔ ہمیں یہ بھی فخر ہے کہ ہمیں ان اہل قلم حضرات کا تعاون حاصل ہے جو قوم و ملت کا درد رکھنے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہنامہ ہذا میں آج تک کوئی ایسی تحریر نہیں چھپی جس سے مذہبی منافرت، انتشار اور بد مزگی پیدا ہو۔ ہمارے پیش نظر کوئی مالی منفعت بھی نہیں یہی وجہ ہے کہ کاغذ اور طباعت کی گرانی کے باوجود ہم نے ہمیشہ مناسب ذرائع راکھا۔ قارئین! آپ کا یہ ماہنامہ بلا مبالغہ ملک میں چھپنے والے مذہبی رسائل میں کثیر الاشاعت معیاری اور علمی رسالہ ہے۔ اس کا تحریکی، فکری اور علمی سفر آپ کے تعاون سے جاری ہے اور انشاء اللہ شبِ ظلمت کے اس اختتام تک جاری رہے گا جب ہر سو صبح انقلاب اپنی روشنی بکھیر نہیں دیتی۔

(مئی، ۱۹۷۷ء)

قومی ادارے ہوس اقتدار کی زد میں

ہوس اور ایثار دو متضاد رویے ہیں۔ دونوں چونکہ ایک دوسرے کے برعکس ہیں اس لئے یہ دونوں ایک ذات میں بالعموم جمع نہیں ہو سکتے۔ ہوس، غبن اور ظلم حیوانی وصف ہے جبکہ انسان جیسی اشرف و محبوب مخلوق کو قدرت نے احساسِ مروت اور ایثار و ہمدردی سے متصف کیا ہے۔ بعض اوقات یہ اوصاف اس قانون کے برعکس بھی ہوتے ہیں چنانچہ اس صورت میں اگر انسانی اوصاف حیوانوں میں پیدا ہوں تو وہ حیوان ہو کر بھی انہماکوں میں محبوب ہو جاتے ہیں اور اگر حیوانی اوصاف انسانوں میں جڑ پکڑ جائیں تو وہ انسان ہو کر بھی حیوانوں سے کمتر اور حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ ہوس بھی انہی حیوانی اوصاف میں سے ایک خاصیت ہے۔ یہ اگر انسانی کردار کا حصہ بن جائے تو انسان انسانیت کی حدوں سے گزرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ انسانی تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جب انسان میں ہوس زر، ہوس اقتدار اور ہوس جاہ و منصب حد سے بڑھے تو وہ بندے سے خدا بن بیٹھا۔ اسی ہوس نے فرعونیت کا روپ دھارا، یہی ہامان اور قارون کے روپ بدلتی رہی۔ اس کے ساتھ اگر ظلم و جبر کا عنصر بھی شامل ہو جائے تو پھر الامان والحفیظ۔ ہلاکت اور جنگیزیت پھنکارتے ہوئے ناگ کی طرح انسانیت کو ڈستی چلی جاتی ہے۔ ایسے میں انسانیت کی چیخیں نکلتی ہیں اور زندگی کی تمام تر قدریں پامال ہو کر رہ جاتی ہیں۔

انسانی تاریخ میں انبیاء کے بعد خلفائے راشدین اور چند گنے چنے مسلمان حکمرانوں نے حکومت و اقتدار کو مخلوق خدا کی خدمت سمجھ کر سنبھالا اور جملہ اختیارات اور قومی خزانہ اللہ کی امانت سمجھ کر مستحق مخلوق پر لٹایا جاتا رہا۔ ورنہ ملوکیت اور بادشاہت کی تاریخ تو نفس پرستی، ظلم و جبر اور ناحق انسانی خون کے دھبوں سے اٹی پڑی ہے۔ جہاں تک ہمارے وطن عزیز کے حکمرانوں کے خوئے جہاں بانی کا تعلق ہے تو یہ بھی کم و بیش اسی نار و اتار تاریخ کا

ایک بد نمباب ہے۔

تحریک پاکستان جو ملی جذبوں اور دینی اقدار کے تحفظ کی تحریک تھی، دیانتدار مجاہد قائدین اور بے لوث کارکنان کی قربانیوں کے طفیل کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور یہ مملکت پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھری لیکن بد قسمتی سے اس کے حکمرانوں کو ہوس اقتدار کی لت پڑ گئی اور اس نظریاتی مملکت کو مطلوبہ مقاصد سے ہمکنار کرنے کی بجائے اقتدار کا اکھاڑا بنا دیا گیا۔ یہ ہوس کبھی فوجی وردی میں اور کبھی عوامی نمائندوں کی شکل میں قومی اداروں کی جڑوں میں بیٹھتی رہی۔ کبھی اس نے نفاذ اسلام کا بہانہ کیا اور کبھی معاشی انقلاب کی جدوجہد کا ڈھنڈورا پیٹا لیکن وقت گزرنے پر معلوم ہوا کہ ”خواب تھا جو کچھ بھی دیکھا، جو سنا افسانہ تھا۔“

حقیقت یہ ہے کہ ہماری پچاس سالہ قومی تاریخ میں قومی نوعیت کی بد عنوانیوں نے بھی ریکارڈ قائم کیے، روپ بدل بدل کر اس ملک اور اس کی بے بس عوام کو دھوکا دیا جاتا رہا۔ گذشتہ تین چار نام نہاد جمہوری حکومتوں کے یکے بعد دیگرے آنے جانے سے رہی سہی کسر پوری کر دی گئی اور اب عوام الناس کا ہر کسی سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ موجودہ حکومت جو خود کو تاریخی مینڈیٹ کا نمائندہ سمجھتی ہے دراصل ۲۰ فیصد سے بھی کم لوگوں کی نمائندہ ہے اور ان میں سے بھی خوش فہم اکثریت کے خواب ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔

اقتصادی ترقی کا خوش کن نعرہ لگا کر آنے والی اس حکومت نے بین الاقوامی اسلام دشمن مالیاتی اداروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے خود ہی اپنی کرنسی میں ریکارڈ کمی کر کے ملک کے ۹۵ فیصد غریب لوگوں پر مہنگائی کا ہم گر ادیا ہے۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان نے حالیہ رپورٹ میں اس سال کو ملکی تاریخ کا بدترین سال قرار دیا ہے۔ اگر آئی، ایم، ایف اور ورلڈ بینک کی ”یہ مہربانیاں“ جاری رہیں تو بہت جلد ہمارا قومی معیشت میں زندگی کے بقیہ آثار بھی ختم ہو جائیں گے اور اسلام کی حرمت و غیرت پر مر مٹنے والی پاکستان قوم کے ہاتھ میں کسکول گدائی دے کر عالم یہود اپنے اعصابی تناؤ کو سکون پہنچائے گا۔

دوسری طرف مضبوط اور غیر جانبدار قومی اداروں کے تقدس کے خلاف ایک

سوچی سمجھی سازش کے تحت ”کارروائیاں“ کی جارہی ہیں اور وہ بھی حکومت کے ہاتھوں ہو رہی ہیں۔ ہمارے ملک کے قومی اداروں میں سے زیادہ تر کی ساکھ تو پہلے ہی خراب ہو چکی ہے جن میں سرفہرست پولیس، تعلیم، ٹرانسپورٹ، تعمیرات اور دیگر مالیاتی اور انتظامی شعبے ہیں۔ رہی انتظامیہ وہ تو ازل سے اس ملک کے مفادات اور اس کے مفلوک الحال طبقے کی دشمن ہے۔ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون جب تک سامراجی آقاؤں کی خوراک سے بتا رہیگا وہ اسی نظام کی وکالت کرتی رہے گی۔ جہاں تک قومی اسمبلی اور سینٹ یعنی مقننہ کا تعلق ہے وہ تو کب سے فساد، شرانگیزی، بد امنی، لوٹ مار اور کرپشن کے مراکز بن چکے ہیں۔ یہ ادارے ملک و قوم کے لئے مفید قانون سازی کی بجائے پاکستانی عوام کے خلاف اسلام اور ملک دشمن طاقتوں کی من مانی آرزوؤں کی تکمیل کیلئے مصروف عمل ہیں۔

اب آج کے عدلیہ اور فوج کے ادارے بچے تھے جن کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش پچھلے دس بارہ سالوں سے تیز ہو چکی ہیں۔ فوج اپنے فرائض منصبی چھوڑ کر اگرچہ سیاست اور اقتدار کی حصہ دار بنادی گئی ہے لیکن پھر بھی اس کی ساکھ بہت بہتر ہے اور یہی چیز امید کی کرن ہے۔ اب آئیے عدلیہ کی کارکردگی اور دائرہ کار پر نظر ڈالتے ہیں۔

دنیا کے جس خطے میں بھی انسانی معاشرہ پنپ رہا ہے وہاں کوئی نظام ہے اور کچھ اصولوں کی پاسداری ہو رہی ہے۔ اس کی قوت محرکہ صرف اور صرف قانون و ضوابط کی عملداری ہے۔ خود انسانیت کو منظم و مستحکم کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء مبعوث فرمائے انہیں جو احکام دیئے ان کا مقصد و مدعا بھی ایسے اصول و ضوابط اور قانون کا احاطہ کرنا تھا جن کے دائرے میں رہ کر انسان اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت فراہم کر سکے۔ یہ کائنات خود ایک قانون قدرت کے تحت چل رہی ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی بھی بد نظمی آجائے تو نظام عالم تل پٹ ہو جائے۔ اس لئے قانون اور ضابطہ انسانی معاشرے کی اہم ضرورت بھی ہے اور خصوصیت بھی۔ شومی قسمت کہ آج کل ہمارے ہاں قانون بنانے والے اور نافذ کرنے والے دونوں معزز ترین ادارے آپس میں دست و گریبان ہیں۔ حکومت اور عدلیہ کی

حالیہ محاذ آرائی جہاں ہمارے ملک کی بہت بڑی بد قسمتی ہے وہاں حکومتِ وقت کی حد سے بڑھی ہو س اقتدار کی علامت بھی۔

تحریکِ منہاج القرآن نے اس حکومت کے اقتدار کے آنے پر متفقہ پالیسی بنائی تھی کہ دور رس ملکی اور قومی مفاد کے کاموں میں ہر ممکن حکومت کی حمایت اور اس کے ساتھ تعاون بھی کریں گے لیکن بہت تھوڑے عرصے میں اس مقتدر طبقے نے اپنی ناکامیاں طشت ازبام کر دی ہیں۔ ملک کی معیشت کو آزاد کرانے والے خود اسے غیروں کے ہاں گروی رکھ چکے ہیں۔ عدلیہ کے خلاف مخاصمت اس کی وہ تاریخی غلطی ہے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ صرف ایک دن میں اربوں ڈالر کا تجارتی خسارہ حکومت کی اسی ہٹ دھری کا نتیجہ ہے۔ ایسے میں قومی اور ملی درد رکھنے والے قومی اور مذہبی راہنماؤں کو آگے آنا ہو گا اور اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑی پاکستانی قوم کی راہنمائی کرنا ہوگی۔ اب وقت آگیا ہے کہ غیرت مند پاکستانی قوم اور مصطفوی تحریک کے کارکن اس باطل نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اسلام اور ملک دشمن طاقتوں کے استعماری ایجنٹوں سے ایک ایک پائی کا حساب لیں۔ یہ منافق باطل پرست، جھوٹے اور بددیانت حکمران ہماری تاریخ پر بد نما دھبے ہیں۔ جن ہاتھوں میں ان کی ڈوریاں ہیں انہیں بھی اور ان ننگ انسانیت کٹ تپلی حکمرانوں کو بھی اٹھا کر سمندر میں پھینکنا ہو گا ورنہ زندگی اسی مفلسی اور بے چارگی کے نیچے سسکتی رہے گی۔

(نومبر، ۱۹۷۷ء)

روحِ اُمم کی مہمت کشمکش اقتدار

جس طرح جمود اور امن میں فرق ہے اسی طرح انقلاب اور شورش بھی دو الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ جمود انسانی فکر میں ہو یا قوموں کی زندگیوں میں، آگے بڑھنے سے روک رکھتا ہے جبکہ زندہ شخصیات اور اقوام فریبِ سود و زیاں سے بالا ہو کر زندگی کا ساتھ دیتی ہیں۔ محنت اور ٹھوس منصوبہ بندی ہے آگے بڑھتی ہیں۔ ان کی راہ میں گلستان آتے رہیں تو وہ جوئے نغمہ خواں رہتی ہیں اور اگر قومی وجود خطرے میں پڑتا دکھائی دے اور ضرورت پڑے تو انہیں سیلِ تند رو بن کر گزرنا بھی آتا ہے۔ لیکن یہ ”تندروئی“ بد امنی اور تخریب نہیں ہوتی بلکہ اس حال میں بھی اصول و ضوابط کی پاسداری ان کا شعار رہتی ہے۔ وہ جوش میں ہوش کا دامن نہیں چھوڑتیں۔ ان کیلئے اپنے پرانے کی تمیز قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ مزاحمت ضرور کرتی ہیں لیکن ایسی نہیں جس سے ان کی دانائی اور حکمتِ عملی پر کل کوئی انگشتِ اعتراض اٹھائے۔

انسانی تاریخ میں سب سے بڑا اور دور رس انقلاب ”مصطفوی انقلاب“ تھا۔ یہ عرب کے ان بدوؤں کے ہاتھوں رونما ہوا جو لڑائی جھگڑوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے سامنے دین و ملت کا کوئی تصور تھا ہی نہیں قربانی کے جذبات کی گنجائش کیسے نکلتی، لیکن ہادی عالم، محسنِ انسانیت نبی کریم ﷺ کی بے لوث تربیت اور بے مثل قیادت تھی جس نے ان کبر و نخوت کے بتوں کو اسلام کا سچا خادم اور جانثار بنا دیا۔ اس عالمگیر مصطفوی انقلاب کی اصل قوت یہی اخلاص و للہیت تھی، یہی جذبہ دین اور بے نفسی تھی۔ حضور ﷺ کے ان جانثاروں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کے دل میں اسلام کی عظمت کی بجائے شخصی غرض و غایت جڑ پکڑ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا پرچم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ہی دنیا کے تین بڑے براعظموں پر لہرایا۔ جہاں دعوت اور تبلیغ کا عظیم

کام چلا وہاں کبھی خونی تصادم کی نوبت نہ آئی اور جہاں طاغوت نے بغاوت و سرکشی اختیار کی وہاں حیدر و خالد کی تلواریں بے نیام ہوتی گئیں۔ اس پورے انقلابی Process میں ان کی ذات حائل نہ ہوئی۔ سیدنا علیؑ سے منسوب وہ مشہور واقعہ اس حقیقت کا شاہد و عادل ہے جس میں انہوں نے ایک کافر کو جہاد میں چت گرایا تو اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ اس کے سینے سے فوراً نیچے اتر آئے۔ پوچھنے پر حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حالت میں اسے قتل کر دیتا تو اس میں میرے نفس کا غصہ بھی شامل ہوتا جبکہ میں اپنی ذات کی ہر رغبت، ہر خواہش اور ہر ستائش سے بلند ہو کر راہِ اسلام میں جہاد کا فریضہ سرانجام دے رہا ہوں۔ علی شیر خدا کا یہ عمل گواہی دیتا ہے کہ جنگ ہو یا امن ان کے پیش نظر صرف اور صرف رضائے الہی کا حصول تھا، امنِ عالم کی تڑپ تھی، انسانیت سے محبت اور آگے بڑھنے کا پاکیزہ جذبہ تھا۔ اقبالؒ نے اسی طرزِ زیست اور کشمکش، انقلاب کو روحِ امم کی حیات قرار دیا ہے۔

اس کشمکش میں جواں جذبے، تعمیر ملت کی تڑپ اور سب سے زیادہ اخلاصِ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ عناصر ہوں تو وہ ”کشمکش انقلاب روحِ امم کی حیات“ بنتی ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو ہر کشمکش ہنگامہ آرائی، شورش اور قتل و غارت گری کی صورت میں قوم کی موت بن جاتی ہے۔ انقلاب اور کشمکش کی نتیجہ خیزی اس نیت پر موقوف ہوتی ہے جو انقلابی عمل کی اصل محرک ہوتی ہے۔ اس لئے تاریخِ انسانی میں آنے والے انقلابات تخریبی اور تباہ کن بھی تھے اور تعمیری اور حیات بخش بھی۔ انقلاب کا محرک جذبہ تعمیری ہو گا تو اس کے نتائج مثبت اور ثمر آور ہوں گے ورنہ اس سے سو فیصد خون خرابے اور ہنگامہ آرائی متوقع ہوتی ہے۔ جذبہ تعمیری تب ہوتا ہے جب انسان ذات کے حصار سے نکل کر کائنات کیلئے سوچتا ہے۔ شخصی انا اور خود پسندی سے اوپر اٹھ کر ملک و ملت کے مفاد کو عزیز سمجھتا ہے۔ اس کی کاوشوں میں تشہیر ذات اور خود نمائی کا عنصر کم اور ملت کا درد زیادہ ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسے لوگ نہ صرف زندگی میں بلکہ صدیوں تک اقوام و ملل کے مقتداء و پیشوار ہتے ہیں۔ انہیں تاریخ بھی سلام کرتی ہے اور قوم و ملت بھی خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ ایسے عظیم

لوگ تاریخ کی گرد میں کبھی گم نہیں ہوتے بلکہ شاہراہ حیات کے سنگ میل بن کر صدیوں تک قافلہ انسانیت کی رہنمائی کا منصب سنبھالے رکھتے ہیں۔

ہماری تاریخ کا افق ایسے ہی رہا ہنماؤں سے جگمگا رہا ہے جنہوں نے فریبِ سود و زیاں سے بالاتر اور وہم و گماں سے آگے گزر کر ملت کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھا۔ دور کیا جانا تحریکِ پاکستان کے بے لوث قائدین کو دیکھ لیجئے، ہماری قومی تاریخ کے اوراق پر ان کے چرچے ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔ انہوں نے ”روحِ امم کی حیات“ کو سمجھا اور امر ہو گئے لیکن کشمکش انقلاب تھوڑے عرصے بعد قومی زندگی میں مثبت نتائج پیدا کرنے کی بجائے ”کشمکش اقتدار“ میں بدل گئی۔

پاکستان نے جن ہنگاموں کی کوکھ سے جنم لیا تھا ان کا تسلسل پورے پچاس سال گزر جانے کے بعد بھی جاری ہے۔ ایسا لگتا ہے جس منزل کیلئے قائد اعظم کی قیادت میں مسلمانانِ ہند نے جدوجہد کا آغاز کیا تھا وہ ابھی تک نظروں سے اوجھل ہے۔ ہماری پوری قوم لاشعوری طور پر ہنگامہ آراء اور شورش پسندی ہو گئی ہے۔ ہر روز نئی اور انوکھی صورتحال کا مقابلہ گویا اس کی خو میں شامل ہو چکا ہے۔

قومی اسمبلی میں ہنگامہ نہ ہو تو سیاسی موسم بے مزہ رہتا ہے۔ قومی راہنما محکم گتھانہ ہوں تو اخبار کی خبر میں دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ اس قوم کے اعصاب اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ اب بڑے سے بڑا حادثہ بھی اسے ”حادثہ“ محسوس نہیں ہوتا۔ جب احساس ہی ختم ہو جائے تو زندگی اور موت، نیکی اور بدی، شر اور خیر میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

پاکستان آج تاریخ کے جس المناک اور سنگین ترین آئینی بحران کی لپیٹ میں ہے اس کی مثال نہ تو پچاس سالہ ملکی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ کسی اور ملک کی سیاسی تاریخ میں۔ عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے اس باہمی تصادم نے پاکستان کا وقار خاک میں ملا دیا ہے۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ اور بالخصوص وہ مغربی میڈیا جو اسلامی ممالک کے اختلافات اور کمزوریوں کو ویسے بھی بڑھ چڑھ کر بیان کرتا ہے اس نے دنیا بھر میں یہ باور کروا رکھا ہے کہ دوسرے مسلمان

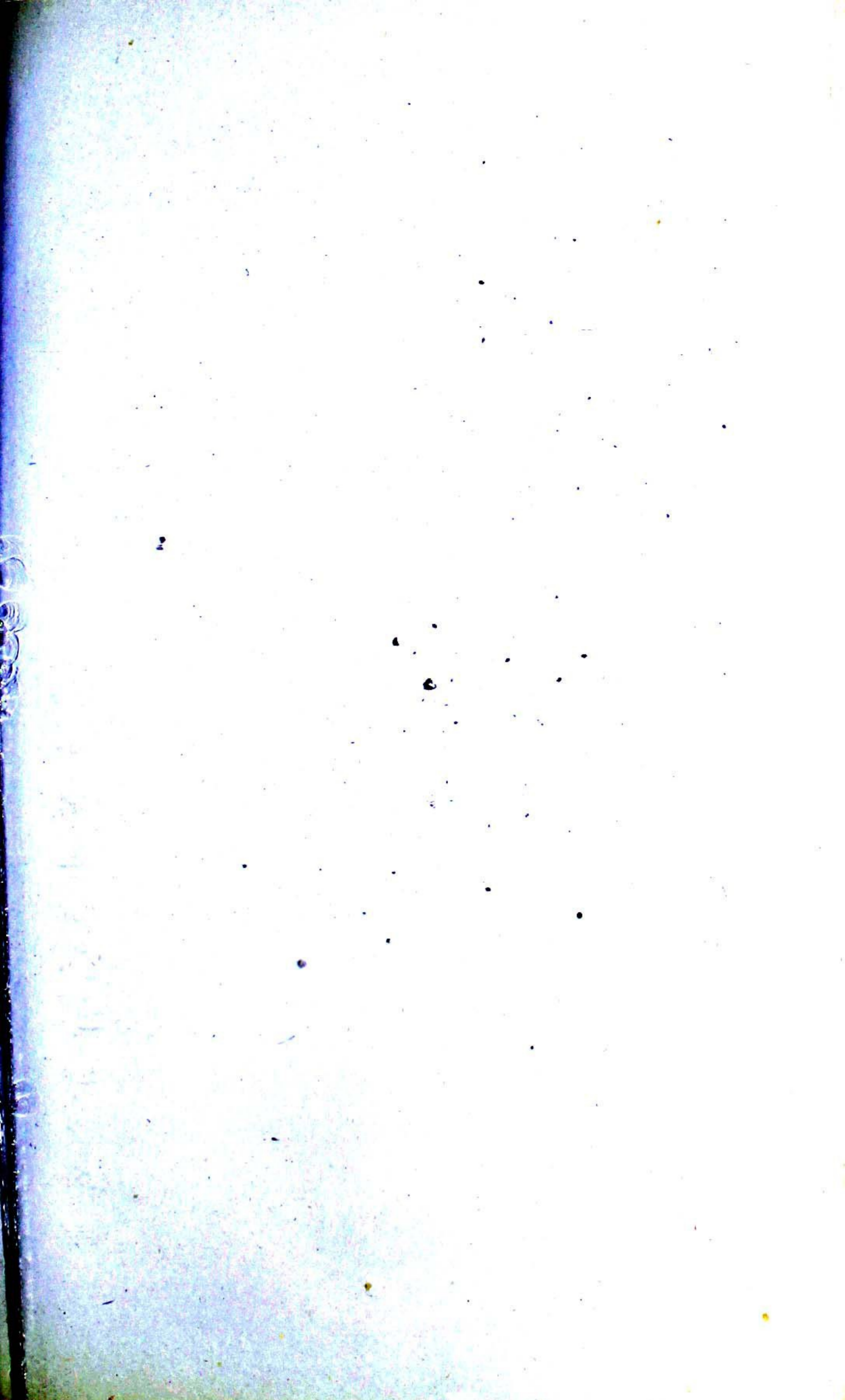
ممالک سمیت پاکستانی قوم کے مزاج سے بھی جمہوریت اور امن پسندی کو سوں دور ہے۔ مسلمانوں کا کام ہی خون خرابہ، مار دھاڑ، قتل و غارت گری اور بلا جواز ہنگامہ آرائی ہے۔ انہیں اگر کوئی چیز محبوب ہے تو وہ دولت و اقتدار کی ہوس ہے۔ اس کیلئے وہ ہر قیمت ادا کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ایک شخص کی ہوس اقتدار ہزاروں لاکھوں جانوں کا خون بہا کر بھی پوری نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثالیں الجزائر، مصر، عراق اور افغانستان وغیرہ میں جاری خانہ جنگیاں ہیں۔ اللہ نہ کرے اس پیمانے پر ہمارے ملک میں بھی خون ناحق بہنا شروع ہو جائے لیکن اس وقت قانون کا قتل عام جس قدر ہو چکا ہے وہ خون خرابے سے کہیں باعثِ عبرت و ندامت ہے۔ قومیں اقتصادی بد حالی کو برداشت کر لیتی ہیں، قحط الرجال کا ازالہ بھی ہو سکتا ہے لیکن آئین اور قانون کی ناکامی سے بڑی نامرادی ان کیلئے اور کوئی نہیں ہوتی۔ آج کم و بیش یہی صورت ہمارے ساتھ ہے۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتی صورتحال نئے نئے خدشات کو جنم دے رہی ہے۔ صدر، وزیر اعظم اور چیف جسٹس اب کھل کر اکھاڑے میں اتر آئے ہیں۔ اس قومی دنگل میں عوام الناس کی حسرتیں، تمنائیں اور آرزوئیں بری طرح مسلی جا رہی ہے۔ یوں لگتا ہے یہ سب مرے ہیں اصل طاقتیں پس پردہ ان کو نچا رہی ہیں ورنہ اتنی بے رخی، بے حمیت، بے رحمی اور ہٹ دھرمی تو چھوٹے بچے بھی لڑتے ہوئے نہیں کرتے۔ ہمیں اندرونی و بیرونی ہزاروں مسائل کا سامنا ہے، دوسری قومیں زمین سے اٹھ کر دوسرے ستاروں پر کمنڈ ڈال رہی ہیں لیکن قوم کے یہ ”ضدی ناخدا“ ایک دوسرے کی کشتی کو بھنور میں ڈبو کر ہی دم لینا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیں قوم ان آئین شکن اور قانون کے سوداگروں کو کبھی معاف نہیں کریگی۔

تحریک منہاج القرآن ان سنگین حالات کی نزاکت سے بے خبر نہیں۔ وہ تیزی سے بدلتی ہوئی ملکی اور قومی سیاست پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔ حال ہی میں ہونے والی مرکزی مجلس شوریٰ کے سامنے یہ اہم سوال رکھا گیا ہے کہ تحریک کو اس نازک موڑ پر ملک و ملت کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ بہت جلد کوئی موثر انقلابی حکمت عملی طے کر لی جائے گی۔

اب حالات نے خود گواہی دے دی ہے کہ اس نظام کو بدلے بغیر موثر پیش رفت ہرگز ممکن نہیں ہے۔ نظام بدلنے کیلئے ہمیں کیا کرنا ہوگا اس کے لئے ہر باشعور شخص کو متوقع صورتحال کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لینا چاہئے۔

(دسمبر، ۱۹۷۷ء)

سال 98ء



عالمی بساط پر گذشتہ سال کے اثرات اور عالم اسلام

سال 1997ء بھی ہمیشہ کی طرح تاریخ کا حصہ بن گیا۔ عالمی بساط پر اس سال نے کون کونسی تبدیلیاں لائیں اور تاریخ کے اوراق پر کیا یادیں ثبت کیں، آئیے ایک نظر دیکھتے ہیں۔ عالمی سیاست پر اس سال بھی معیشت اور دفاعی صلاحیت ہی اثر انداز رہی۔ امریکہ حسب معمول واحد سپر پاور کے طور پر ”نیو ورلڈ آرڈر“ کے خاکوں میں رنگ بھرنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ نوجوان کلنٹن یہودیوں کی حمایت سے دوبارہ صدارتی انتخاب جیت کر امریکہ کے اقتدار پر بر اجمان رہا۔

چین نے تمام تر امریکی اور یورپی سازشوں کے باوجود سیاسی اور اقتصادی محاذ پر واضح کامیابیاں حاصل کیں۔ عالمی تجارتی مرکز ہانگ کانگ کا آخری برطانوی نوآبادیاتی خطہ بھی ۱۵۰ سال بعد چین کی عملداری میں واپس آیا۔ روس میں سرخ سامراج کی باقیات توڑ پھوڑ کا شکار رہیں اور روسی عوام دماغ سے سوچنے پر مجبور ہوئے کہ کمیونسٹوں کی واپسی ناممکن ہے۔ تاہم اس سال روس نے اپنی خارجہ پالیسی میں امریکہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے چین اور عراق جیسے ممالک کی ہمدردیاں حاصل کر کے ایشیاء اور مشرق وسطیٰ میں عمل دخل کا واضح ثبوت دیا۔ جنوبی ایشیاء کے ٹائیگرز ممالک ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، کوریا حتیٰ کہ جاپان دیکھتے ہی دیکھتے اقتصادی میدان میں عرش سے فرش پر آن گرے۔ ماہرین معیشت کے ذمے یہ بتانا باقی ہے کہ یہ تنزلی امریکہ کے عالمی نظام کا حصہ ہے یا ان ممالک کی داخلی کمزوریوں کا شاخسانہ۔ متحدہ یورپی یونین بدستور ”کرچن کلب“ ہی رہا تاہم سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں میں امریکہ کے ساتھ بظاہر دوستی کے باوجود اس کی آنکھ مچولی جاری رہی۔ برطانیہ میں جہاں ایک کم عمر نوجوان ”ٹونی بلیئر“ انتخاب کے نتیجے میں کرسی اقتدار پر بر اجمان ہوا وہاں ایک طلاق یافتہ انسانیت دوست شہزادی ڈیانا کی بے وقت موت نے

بڑے بڑے شاہی محلات کے درو دیوار ہلا کر رکھ دیئے اور عالمی سطح پر غم اور ہمدردی کے نئے ریکارڈ قائم ہوئے۔

اس سال براعظم افریقہ بھی تبدیلیوں کی زد میں رہا۔ ”گانگو“ میں جہاں صدر ”موبو تو“ کی ۳۲ سالہ ڈکٹیٹر شپ ختم ہوئی وہاں جنوبی افریقہ میں ”نیلسن منڈیلا“ عالمی بساط پر عظیم لیڈر کے طور پر قائم رہے اور اپنی زندگی میں اپنے ۵۵ سالہ نائب ”تھابو میسی“ کو تمام اختیارات سپرد کر کے دنیائے سیاست و قیادت میں ایک اچھی مثال قائم کی۔

اب آئیے! عالم اسلام پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں۔ اس کی ابتداء اگر مشرق وسطیٰ سے کریں تو وہاں نسبتاً خوش آئند تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آتی ہیں جو آگے چل کر مجموعی طور پر عالم اسلام کی قسمت میں اہم کردار بھی ادا کر سکتی ہیں۔ خاصے عرصے کے بعد مصر سعودی عرب اور شام وغیرہ نے مل کر اسرائیل کے خلاف زوردار آواز بلند کی اور دوحہ قطر میں امریکہ کی زیر نگرانی ہونے والی اقتصادی کانفرنس سے اسرائیل کی شرکت پر بائیکاٹ کر کے اسرائیل کی سرپرستی پر امریکہ سے خاموش احتجاج کیا۔ دوسرا قدم عراق کے خلاف کھلی امریکی جارحیت کی حوصلہ شکنی تھی جبکہ تیسرا اور نسبتاً بڑا واضح قدم یہ تھا کہ امریکہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود ایران میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں تمام عرب ممالک کے سربراہان اور اعلیٰ سطح کے وفد نے شمولیت کر کے کسی حد تک ملی یکجہتی کا ثبوت فراہم کر دیا۔ تاہم اسلامی ملک ترکی نے یورپی یونین میں شمولیت کی خواہش نا تمام کیلئے اسرائیل سے فوجی تعاون جاری رکھ کر اسلامی حمیت و غیرت کا منہ چڑایا۔ ادھر الجزائر میں بے گناہ مسلمانوں کا خون ناحق اپنوں کے ہاتھوں بہتا رہا۔ بقول چیئرمین ”UNO“ انسانی حقوق کی اتنی وسیع پیمانے پر خلاف ورزی کی موجودہ دور میں مثال نہیں ملتی۔ دوسری طرف مصر کے تاریخی شہر ”الاقصر“ میں ۶۰ سے زائد غیر ملکی سیاحوں کا قتل، عالم کفر کے ساتھ ”بیاد پرست“ مصری مسلمانوں کے احتجاج کی صدائے بازگشت بن کر بہت سے خدشات کا باعث بنا۔

ایران کی قومی تاریخ میں نئی ترقی پسند مذہبی قیادت ”علی خامنی“ کی کامیابی اور

OIC کے بھرپور اجلاس کی کامیابی جیسے اہم واقعات نے گذشتہ سال کو اور بھی اہم بنا دیا ہے۔ یہ دونوں واقعات دراصل ایران کو اسلامی دنیا کی صف میں واپس لانے کے ساتھ ساتھ یورپ اور امریکہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی نوید بھی ہیں۔

فلسطین کی ”خود مختار“ ریاست میں جہاں ”الخلیل“ شہر کا اضافہ ہو اور وہاں یہودی بستیوں کی تعمیر کے ساتھ اسرائیل امن سمجھوتے کی دھجیاں بھی اڑاتا رہا۔ فلسطینی مسلمانوں کا سڑکوں پر احتجاج اور گرفتاریوں کے ساتھ شہادتوں کا تسلسل بھی قائم رہا۔ تاہم حماس کے معذور قائد شیخ احمد یسین کی ۸ سال کے بعد غیر متوقع رہائی فلسطینی مجاہدین کیلئے حوصلہ افزاء قدم ثابت ہوئی۔

افغانستان میں طالبان تحریک نے قابل ذکر پیش قدمی کی۔ دارالحکومت کابل پر قبضے کے بعد مئی کے آخری عشرے میں پاکستان سمیت سعودیہ نے بھی طالبان حکومت کو تسلیم کر لیا جس سے سفارتی سطح پر انہیں خاطر خواہ وثوق اور وقار نصیب ہوا جبکہ اسی سال بد نصیب افغانستان کے شمالی اتحاد میں شامل جنرل مالک کے ساتھ خانہ جنگی میں ہزاروں لوگوں کا بے رحمانہ قتل اور اجتماعی قبروں کی دریافت تاریخ انسانیت میں ”ہلاکو“ اور ”چنگیز“ کی یادیں ایک بار پھر تازہ کر گیا۔ بھارت کی داخلی سیاست اگرچہ اختلاف و انتشار کی زد میں رہی لیکن کشمیر میں اس کے ۷ لاکھ سے زائد فوجی خونخوار بھیڑیوں کی طرح حسب معمول خون مسلم کی ندیاں بہاتے رہے۔ خون مسلم کی اس ارزانی کے ساتھ ساتھ اس سال دسمبر کی ایک تنگ بستہ رات میں مسلمانوں کی ۶ سو سالہ روحانی خانقاہ ”حضرت شاہ ہمدان“ کو بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ عالم اسلام کے پانچ درجن حکمرانوں میں سے کسی نے اس مقدس تاریخی اور روحانی مرکز کی مسامحہ پر بھارت سے قابل ذکر الفاظ میں احتجاج تک نہ کیا اور یوں یہ سال مجموعی طور پر عالم اسلام کی بے بسی، بے وقعتی اور بے حمیت پر احتجاج کرتے ہوئے رنجست ہو گیا۔

(جنوری ۱۹۸۸ء)

پاکستان کے مستقبل پر ”مذہبی دہشت گردی“ کے سبائے

فرقہ بندی مذہبی ہو یا نسلی، لسانی ہو یا جغرافیائی ہر صورت میں اعلیٰ انسانی قدروں اور اخلاقیات کے معیاری اصولوں کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے دین اسلام کو ماننے والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**۔ ”اے امت مسلمہ! اللہ (کے دین) کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہمی تفرقہ میں نہ پڑو“۔

تفرقہ کی اساس نفرت اور کبر و نخوت ہے جس کا منطقی نتیجہ دشمنی اور انسانی خون خرابہ ہے جبکہ اتحاد و اجتماعیت کی بنیاد باہمی محبت، اعتماد اور برداشت ہے جس کا منطقی نتیجہ امن و سکون اور تحفظ جان و مال ہے۔ نفرتیں تب جنم لیتی ہیں جب دلوں میں کدورتیں پیدا ہو جائیں اور انسان کے مفادات کا باہمی ٹکراؤ ہونے لگے لیکن یہی تو فرق ہے انسانی اور حیوانی معاشرے میں۔ انسان میں قوت برداشت، فراست اور حکمت و تدبیر کی خصوصیت اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے جبکہ حیوان اور خون خوار درندے اپنے عارضی مفادات کے پیش نظر ایک دوسرے کی چیر پھاڑ کرتے ہیں لیکن اس طرح جان سے مار دینے کی نوبت تو شاید ان کے درمیان بھی پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے ملک میں یوں تو بے شمار آفتیں اور مصیبتیں ہیں جو آئے روز عوام و خواص کو بے چین، مضطرب اور پریشان رکھتی ہیں۔ کبھی سیاسی عدم استحکام، کبھی معاشی تعطل، کبھی اندرونی خلفشار اور کبھی سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات، لیکن ایک عرصہ سے ہمارا ملک پاکستان ایک بہت ہی خطرناک سازش اور جان لیوا بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے اور وہ ہے مذہبی فرقہ پرستی کی لعنت۔ مذہبی دنیا میں نظریات و لوکار پر اختلاف ایک عام سی بات ہے لیکن یہ اختلافات جب نفاق کی شکل اختیار کرتے ہیں تو خون خرابے کا باعث بنتے ہیں۔ تاہم تاریخ اسلام میں خوارج کے علاوہ مذہبی فرقوں کا باہمی تصادم اس صورت سے

سامنے نہیں آیا۔

ہم پہلے بھی ان صفحات میں گزارش کر چکے ہیں کہ پاکستان میں موجودہ ”دہشت گردی“ مذہبی نہیں بلکہ دشمنانہ سرگرمیوں کا حصہ ہے جس کے ڈانڈے نئے عالمی نظام سے ملتے ہیں جو یہودیوں کی زیر نگرانی تکمیل پذیر ہے۔ شیعہ، سنی اختلافات کو ہوا دیکر پاکستان کو اس کے ہمسایہ برادر اسلامی ملک ایران سے باہمی متضادم کرنے کی دیرینہ خواہش امریکہ اور اسرائیل کا باقاعدہ طے شدہ پروگرام ہے۔ جو لوگ براہ راست دونوں طرف سے اس باہمی خون خرابے میں مبتلا ہیں وہ اسی یہودی سازش کا حصہ بن رہے ہیں۔ انہیں خود بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اس طرح کونسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ایک دو علماء کو ختم کر دینے سے نہ فرقہ ختم ہوتا ہے اور نہ کمزور بلکہ جذبات کا اشتعال نفرت کی آگ کو اور بھڑکاتا ہے۔

پچھلے دنوں ”مومن پورہ“ قبرستان میں جو افسوس ناک سانحہ ہوا پاکستان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس سے قبل مساجد اور امام بارگاہوں پر پولیس کھڑی ہوتی تھی مگر اب تو قبرستانوں میں تجئینز و تکفین کا عمل بھی کلاشنکوفوں کے سائے میں ہو رہا ہے۔ کاش! حالات یہ دن نہ دکھاتے اور ہم اس قدر تباہی کے کنارے نہ پہنچتے۔

ہمارا دین امن کا عالمی منشور ہے، ہماری ملت روئے زمین پر امن و سلامتی کی نقیب ہے، ہمارے نبی ﷺ پوری کائنات کیلئے رحمت ہیں۔ انہوں نے ہمیں باہم محبت کا سبق دیا تھا لیکن یہ امت حقیقی دشمنوں کو پہچاننے کی بجائے باہمی خون خرابے کو دین کی خدمت سمجھ بیٹھی۔

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہے اس میں مذہب کو نظام حکومت کے طور پر متعارف کروانا جن علماء کا فریضہ تھا وہاں ان کے دامن پر بد قسمتی سے ”دہشت گردی“ کا دھبہ لگ چکا ہے۔ اسلام سے ذہنی طور پر بیزار جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو ویسے بھی علماء کو ایک ”عجیب مخلوق“ سمجھتا تھا اب نوبت یہاں جا رہی ہے کہ بار لیش لوگوں سے عام لوگ خوف کھانے لگ گئے ہیں۔ اللہ نہ کرے حالات الجزائر، مصر، ترکی اور عراق کی طرح بن جائیں جہاں اسلامی

ممالک سے حکمرانوں نے خود اسلام کو دلیس نکال دے دیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قیام پاکستان اور اس کی خاطر ہونے والی لاکھوں قربانیوں کا جواز ختم ہو جائے گا۔ نظریہ ہی نہ ہو تو زمین کا خطہ ہمارے کس لائق، لیکن اتنا بڑا تاریخی المیہ اگر ”مذہبی طبقے سے رونما ہو رہا ہے تو اس میں قصور کس کے ہاتھ پر تلاش کیا جائے گا ہم حکومت وقت کو اس جرم میں برابر کا قصور وار ٹھہراتے ہیں جس کی ناک کے نیچے ملک و ملت کی ساکھ خراب ہو رہی ہے اور وہ ”سب ٹھیک ہے“ کا ورد کرتے تھکتی نہیں۔

آج تک دونوں طرف سے دہشت گردی میں ملوث مجرموں میں سے کسی بھی ایک کو قرار واقعی سزا نہیں ملی اور نہ ہی دونوں متصادم گروہوں کو سازگار ماحول میں بٹھا کر صلح صفائی کے عمل کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ حکومت چاہے تو اس آتش فشاں دہشت گردی کا منہ بند ہو سکتا ہے ورنہ حکومت اور عوام دونوں اس کی زد میں محفوظ نہیں رہ سکیں گے اور یوں ملک کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔

(فروری ۱۹۸۸ء)

خلیج میں امریکہ کی مایوسی اور عالم اسلام کی ذمہ داری

پچھلے دنوں خلیج میں صورتحال جس قدر نازک موڑ پر جا پہنچی تھی اس سے ساری دنیا میں ایک عجیب اضطراب پیدا ہو جانا ایک فطری عمل تھا۔ دنیا کی سب سے بڑی عسکری اور سیاسی قوت امریکہ اپنے واحد اتحادی برطانیہ کے ساتھ ملکر عراق پر آتش و آہن کی بارش کرنے کو بے تاب نظر آتے تھے۔ دونوں ممالک کے نوجوان سربراہان نے اپنی مسلح فوجیں بحری بیڑے اور بمبار طیارے اگرچہ اب بھی خلیج میں بھیج رکھے ہیں اور کویت کی سر زمین پر اب بھی دن رات فوجی مشقیں جاری ہیں لیکن اب ان کی ہیجان آمیز صورتحال میں نرمی آگئی ہے۔ بمبار طیاروں میں بیٹھے امریکی برطانوی اور اسرائیلی پائلٹ اب ”کاک پٹ“ سے نیچے اتر آئے ہیں جو کئی دن تک اس انتظار میں رہے کہ ابھی طبل جنگ بجتا ہے اور ہم رن وے سے اڑ کر عراق پر بم برسانے کا شوق پورا کرتے ہیں۔

وہ تو بھلا ہو سلامتی کو نسل کے بقیہ تینوں ارکان ممالک کا جنہوں نے آگے بڑھ کر امریکہ کے منہ زور گھوڑے کو لگام دی۔ روس نے اس موقع پر خاصا فعال کردار ادا کیا۔ بوڑھے ہمارے روسی صدر یلسن نے تو امریکہ کی سخت گیر پالیسی پر خاصی کاری ضربیں لگائیں۔ اپنے سفیر مغربی ممالک کے دوروں پر روانہ کیے اور ایک نائب مستقل بغداد میں بٹھا دیا جو مختلف سفارتکاروں سے رابطہ کرتا رہا اور جنگ کے خطرناک عالمی نتائج سے متنبہ کرتا رہا۔ اسی طرح چین اور فرانس نے بھی کھل کر ضدی امریکہ کی مخالفت کی بلکہ یورپی یونین نے تو برطانیہ کی بھی اس بات پر خوب خبر لی ہے کہ تم اکیلے امریکی دوستی کے سمندر میں اتنے گہرے کیسے اتر گئے۔ ادھر امریکہ کے وزیر دفاع سے لے کر امریکہ کی وزیر خارجہ میڈن البرائٹ تک تمام مسلسل عالمی دوروں پر امریکہ کیلئے حمایت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ انہوں نے سب سے زیادہ محنت سعودی عرب، مصر اور کویت وغیرہ پر

کی لیکن کویت کے علاوہ سب عرب ملکوں نے حیران کن حد تک جرأت کا مظاہرہ کیا اور عراق کے خلاف نہ صرف جنگی کارروائی کی مخالفت کی بلکہ اپنے اڈے بھی امریکی طیاروں کے استعمال کیلئے روک دیئے۔ اس کے باوجود امریکہ ہٹ دھرمی میں بضد رہا اور عراق پر لمحہ بہ لمحہ دباؤ بڑھانے کے لئے کوشاں رہا۔

دوسری طرف امریکہ کے اندر عوامی سطح پر بھی امریکی جنگی پالیسی کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ایک عوامی اجتماع میں وزیر خارجہ اور وزیر دفاع کو خطاب کیے بغیر شرمندگی کے گھونٹ پی کر واپس لوٹا پڑا۔ ایک سابق صدر سمیت اکثر امریکیوں کا یہ خدشہ تھا کہ عراق پر امریکی حملے سے امریکہ ساری دنیا میں تنہا ہو جائے گا اور صدام عرب اور مسلمان دنیا کا ہیرو بن کر ابھر آئے گا۔ اسی طرح برطانیہ کو بھی اندرونی و بیرونی مخالفتوں کا سامنا تھا لیکن اس خطرناک کھیل کے رکوانے میں سب سے بڑا اور مرکزی کردار UNO کے سیکرٹری جنرل کوئی عنان نے ادا کیا۔ ۲۱ فروری کو نریم گو اور نسبتاً شریف فطرت سیاہ فام کوئی عنان سلامتی کونسل کے ارکان سے مشورے کے بعد امن کا ایجنڈا لے کر بغداد پہنچے تو ساری دنیا کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ اکثر لوگوں کا خیال یہی تھا کہ امریکہ کی سخت کڑی شرائط پر مشتمل ایجنڈا صدام کیلئے قابل برداشت نہیں ہوگا اور وہ حسب عادت اسے ماننے سے صاف انکار کر دے گا، یوں امریکہ کو حملے کا جواز مل جائے گا لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ کوئی عنان اور اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل نے بغداد آکر ضد کے پکے اور مضبوط اعصاب کے مالک صدر صدام کو نہ جانے کیسے سمجھا لیا اور وہ آٹھ ”صدراتی محلوں“ کی تلاشی دینے کیلئے تیار ہو گئے اور یوں تیسری جنگِ عظیم چھڑتی چھڑتی رہ گئی، بہر حال یہ عالمی امن کیلئے بہت اچھا شگون تھا۔ کوئی عنان نے ۲۳ فروری کو پریس کانفرنس میں پورے اعتماد اور مسرت کے ساتھ بغداد میں اعلان کیا کہ ”خطرے کے بادل چھٹ گئے ہیں۔“ یہ خبر سنتے ہی امن پسند لوگوں کی جان میں جان آئی لیکن دہشت گرد امریکہ اور اسرائیل کے پالیسی سازوں کو واضح طور پر اس امن کے معاہدے میں اپنی شکست دکھائی دے رہی تھی۔ صدر کلنٹن اپنے سیکس

سکینڈل کے بدترین حملے کی زد میں تھا اور وہ دنیا کی توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر عراق کے ”کیمیائی اسلحہ کی تباہ کاریوں“ پر مرکوز کروانا چاہتا تھا۔ امریکہ نے اب دو دن قبل سلامتی کونسل میں ایک تازہ قرارداد برطانیہ کی طرف سے پیش کروائی ہے جس میں ایک مرتبہ پھر خلیج میں امریکی فوجوں کی موجودگی کے جواز کو تقویت دی جا رہی ہے۔

امریکی اور برطانوی حکمرانوں نے کوئی عنان کے بغداد سمجھوتہ کو دل سے تسلیم ہی نہیں کیا اس لیے وہ اب بھی اسی کوشش میں ہیں کہ عراق کی طرف سے کوئی مزاحمت ہو اور ہم اپنے ٹینکوں پر رکھے ہوئے میزائل عراق پر فائر کر دیں۔ امریکہ دراصل دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کے بدترین گھمنڈ میں مبتلا ہے اور وہ اسرائیل کو بہر صورت خلیج کی طاقت ور ترین قوت کے طور پر باقی رکھنا چاہتا ہے، لیکن یورپی یونین، چین اور روس سمیت سب ممالک اسکی اس باغیانہ روش سے شاک کی ہیں۔ علاوہ ازیں اب اسرائیل کے خطرناک عزائم، کھلی جارحیت اور امریکہ کی اس پر مسلسل سرپرستی سے عرب ممالک بھی ہوش میں آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر امریکی کوششیں اور سفارتی سرگرمیاں ناکام ہو گئی ہیں۔ یہ اچھا موقع ہے کہ عالم اسلام عراق کویت معاملات کو باہمی رضامندی سے حل کروانے کیلئے مؤثر حمت عملی اختیار کرے۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کے عہدیداران کا فرض ہے کہ وہ اس فرصت کو صحیح پیش رفت کیلئے استعمال کریں۔ اگر عراق کے ہمسایہ ممالک خود کہہ دیں کہ ہمیں عراقی جارحیت کا خطرہ نہیں تو امریکی فوج اور اس کے بحری بیڑوں کی وہاں موجودگی کا جواز خود بخود ختم ہو جائے گا۔ کاش اگر ایسا ہو جائے تو اگلی صدی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے راستے میں دنیا کی کوئی طاقت روڑے نہیں اڑا سکتی۔

(مارچ ۱۹۸۸ء)

ہمارا قومی تشخص -- بسنتی ثقافت کی زد میں

امتِ مسلمہ کے ہمہ گیر زوال میں سب سے خطرناک مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی معاشروں سے دینی اقدار اور مسلم ثقافت کی گرفت بتدریج ختم جبکہ غیر اسلامی اقدار اور مغربی تہذیب و ثقافت کی چھاپ گہری ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارا طرزِ معاشرت، اندازِ رفتار و گفتار، پہننے اور ہننے اور کھانے پینے کے ڈھنگ، الغرض پیدائش سے وفات تک ہر مرحلہ اور ہر قدم (الامشاء اللہ) ”ترقی یافتہ“ مغربی ممالک کی نقالی کی جھلک پیش کرتا ہے۔ دوسری قوموں کے اچھے اطوار اپنانا نہ جرم ہے اور نہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے بلکہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ”حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے اسے جہاں پائے حاصل کر لے“۔ اچھی عادات و خصائل جس تہذیب میں ہوں گے ان پر عمل کر لینا یا انہیں اپنالینا ہی حکمت ہے اور یہی اسلام ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اچھائی اور برائی کا معیار مقرر کرتے ہوئے مسلمہ اور بیادی اسلامی اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھا جائے۔

جہاں تک تفریحِ طبع کا تعلق ہے تو اسلام میں اسکی پوری گنجائش موجود ہے لیکن یہ گنجائش ایک خاص حد تک ہے۔ شرافت، طہارت اور شائستگی کے دائرے میں رہ کر انجوائے کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن جہاں مال، وقت اور ایمان کا ضیاع ہو وہاں جانے کیلئے اسلام سختی سے منع کرتا ہے۔ پچھلے دنوں بسنت کے نام پر پنجاب کے مختلف شہروں اور بالخصوص لاہور میں جو طوفانِ بد تمیزی جاری رہا یہ ہماری موجودہ نسل کے لا دینی رجحانات کا عکس تھا۔ بسنت ایک ہندوانہ موسمی تہوار ہے لیکن اب لاہور جیسے شہروں میں پورا سال اس کا انتظار ہوتا ہے۔ اس سال تو حکومت نے ”سرپرستی“ کر کے قصہ ہی تمام کر دیا۔ ۲۱ فروری کی رات لاہور کے کسی ہوٹل میں جگہ نہیں تھی۔ کراچی سے پشاور تک اور بھارت سے لے کر متحدہ عرب امارات تک اعلیٰ شخصیات بسنت میلے میں شرکت کرنے آچکی تھیں۔ لاہور کے ایک قومی روزنامہ کے تعاون سے لاہور کے ایک فلم سٹوڈیو کی

چھت پر ہونے والے ایک ”تفریحی پروگرام“ میں ۱۵ لاکھ روپے کی عیاشی ہوئی۔ اسی تقریب میں اعلیٰ حکومتی عہدیداروں سمیت بھارت سے آئے ہوئے وفد نے ہماری خواتین کے ساتھ بھنگا ڈالا جبکہ عین اسی رات بی بی سی سے کراچی اور کشمیر میں درجنوں مسلمانوں کی شہادت کی خبریں بھی موصول ہوئیں۔

یہ انتہائی خطرناک روش ہے حکومت نے جمعہ پر خطبے کے لئے تو سپیکر ممنوع کر دیئے اور اس رات اہل لاہور چھتوں پر چڑھ کر انڈین گانوں کے ساتھ رقص کرتے رہے لیکن کسی نے ان کی خبر نہیں لی۔ اگر اس رسم میں در آنے والی قباحتوں کا تدارک نہ کیا گیا تو ہماری نوجوان نسل اپنے قومی تشخص اور مذہبی اقدار سے مزید نابلد ہو جائے گی۔

(مارچ ۱۹۸۸ء)

ہم نئے عزم سے بے بیادِ سحر رکھتے ہیں

یہ بات کسی باشعور فرد سے پوشیدہ نہیں کہ ہم نے آج سے پچاس سال قبل دنیا کے نقشے پر ایک عظیم اسلامی مملکت کا قیام عمل میں لا کر بطور قوم جو کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ تاریخ عالم کا بالعموم اور تاریخ اسلام کا بالخصوص ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ ایک ایسی سرزمین جس پر طویل اسلامی عہد حکومت کے بعد استعماری طاقتوں کی آہنی گرفت نے مقامی غیر مسلم قومیتوں سے ملکر اسلامی معاشرت و سیاست کے امکانات بزمِ عم خویش ممکنہ حد تک ختم کر دیئے تھے۔ اس کے شرر آباد بطن سے دو قومی نظریے کے برق رفتار اثرات نے پورے ماحول کو چند سالوں میں بدل کر رکھ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ تحریک پاکستان میں اقبال کا فکر اور قائد اعظم کی مومنانہ فراست و راہنمائی نے مرکزی کردار ادا کیا لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان از اول تا آخر خالصتاً مذہبی دینی اور روحانی جذبات سے مغلوب مسلمانوں کی ایسی اجتماعی تحریک تھی جس پر کسی فرقے، کسی خاندان یا کسی مخصوص لسانی جغرافیائی اور نسلی امتیاز کی چھاپ ہر گز نہیں تھی۔ ملی جذبات کا یہی مثبت انداز قیام پاکستان کے تاریخی معجزے کا باعث بنا اور نہ امتیاز رنگ و نسل اور اختلاف مذہب و مسلک میں گرفتار قوم تاریخ کا رخ کیسے موڑ سکتی تھی۔

پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ نے قائد اعظمؒ کی پر عزم قیادت میں جس نظریے کا پرچار کیا تھا وہ آج بھی مینار پاکستان کے پاس لاہور کے آزادی چوک پر موٹے حروف سے لکھا ہوا ہے۔ ”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ“ یہ الگ بات ہے کہ آج ہمارے ہاں قومی سطح کے ”دانشور“ اس بے بیاد نعرے کو سیالکوٹ کے ایک سودائی شاعر کا تخیل کہہ کر نظریہ پاکستان کے تقدس کو اپنے ناپاک پاؤں کے نیچے مسل کر سیکولر معاشرے کی طرف بڑھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آزادی کی بھاری قیمت ادا کرنے والے

لاکھوں مسلمان بوڑھوں، نوجوانوں، عورتوں اور بچوں کے پیش نظر اگر اس لادین معاشرے کا قیام ہوتا تو انہیں متحدہ ہندوستان میں پر امن زندگی گزارنے سے کس نے روکا تھا؟ انہوں نے قافلہ در قافلہ شہادت کی وادی میں اتر کر یہی تو بتایا ہے کہ مسلمان جیسی عظیم قوم دینی تشخص، مذہبی روایات اور ملی غیرت کو داؤ پر لگا کر کسی خطہ زمین کو اپنا مقصد و محور نہیں بنا سکتی۔ رسول کائنات ﷺ کا دیا ہوا مضبوط نظریہ حیات اسے زمان و مکان کی ہر قید سے آزاد رکھنا چاہتا ہے۔ قومیت کے جغرافیائی، نسلی اور لسانی بتوں کو قافلہ اسلام نے اس وقت اپنے پاؤں میں روند دیا تھا جب وہ مکہ میں گھربار رشتہ دار اور دوست احباب کو چھوڑ کر قائد انسانیت ﷺ کے ہمراہ مصطفوی انقلاب کی خاطر خالی ہاتھ مدینہ طیبہ کی اجنبی سر زمین میں جا بسے تھے۔ اس لیے یہ بات تو بطور خاص واضح ہو جانی چاہیے کہ پاکستان محض ایک خطہ زمین کا نام نہیں بلکہ یہ منزل ہے مسلمانوں کے۔ ان قافلہ ہائے بے سرو ساماں کی جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کی سربلندی کیلئے قربان کر دیا تھا اور یہ نظریہ ہے ان مشاہیر کا جنہوں نے یہاں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب دیکھے تھے۔

میرے غیور ہم وطنو! اپنے ارد گرد نظر دوڑاؤ اور دیکھو وہ پاکستان کہاں ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے دن معرض وجود میں آیا تھا؟ آپ نے کمال ہی میں جس پاکستان کی گولڈن جوہلی منائی اس کے کوہ و دامن میں تلاش کرو ان تشنہ آرزوؤں کو جو ابھی تک اپنے سہانے خواب یعنی پاکستان کی تعبیر کو ترس رہی ہیں۔ اس در ماندہ کارواں کی کمزور نظریں ابھی تک صبح آزادی کے افق پر جمی ہوئی ہیں۔ کہاں گئی ان کے خوابوں کی جنت اور کب ملے گی ان کی آبلہ پائی کو منزل۔ آج پچاس سال گزر چکے ہیں ہم سب اسی منزل کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں، کوئی ملک میں اور کوئی بیرون ملک۔ اسی تلاش میں ہم کتنے راہزنوں سے لٹے، کہاں کہاں ہماری رسوائی نہیں ہوئی۔ ہماری سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی اور انتظامی خرابیوں نے آخری حدوں کو چھو لیا ہے۔ ظلم، نا انصافی اور کرپشن کی رات ہے جو ختم ہونے کو آتی ہی نہیں۔ ہر شعبہ زندگی میں مایوسیوں کے سائے روز بروز گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف

مذہبی تفرقہ پروری کا خطرناک جن ہمارے خون سے ہولی کھیل رہا ہے تو دوسری طرف طبقاتی اور لسانی عصبیت نے ملک کی کمر توڑ رکھی ہے۔ معاشی ناہمواری کی یہ حالت ہے کہ ایک طرف عام آدمی دو وقت کی روکھی روٹی اور بدن پر کپڑے کو ترس رہا ہے اور دوسری طرف حکمرانوں کے کتے اور گھوڑے دنیا کی ان نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں جن کے متعلق اب بھی ترقی یافتہ یورپ کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔ آئے دن نئے نئے ٹیکسوں کی بھر مار، قومی اداروں کا نیلام عام، مہنگائی اور بد امنی نے پوری قوم کو مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے۔ قومی حمیت و غیرت کی رہی سہی کسر اس وقت پوری ہو گئی ہے جب ہم نے ملک کے تمام اٹائے دشمن ممالک کے ہاتھوں فروخت کر دیئے ہیں۔

ان حالات میں کوئی ذی شعور شخص آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ احیائے اسلام کی عالمگیر تحریک منہاج القرآن، پاکستان عوامی تحریک کے پلیٹ فارم سے ایک بار پھر قومی دھارے میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کیلئے میدان سیاست میں اتری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس بار سے ایک مؤثر اتحاد کی سربراہی کا سنہری موقع بھی ملا ہے۔ اتحاد میں شامل جماعتوں اور راہنماؤں میں سے بعض کے ماضی کے متعلق اکثر لوگوں کو بجا طور پر شکایات ہیں۔ ہماری نظر اپنے حال اور مستقبل پر ہونی چاہیے۔ پیپلز پارٹی ہو یا مسلم لیگ دونوں طرف کی اکثریت سادہ لوح مسلمانوں کی ہے جو اپنی اپنی قیادتوں کے پیچھے محض اس لیے چل رہے ہیں کہ انہیں وہ کھویا ہوا پاکستان مل جائے جہاں ان کی تشنہ آرزوئیں حقیقت کا روپ دھار سکیں لیکن قیادت کی ہوس اقتدار نے دونوں طرف ایسا نہیں ہونے دیا۔ اب نئے عزم، نئے حوصلے اور نئے منشور کے ساتھ اس مایوس عوام کی قیادت قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے ہاتھ آئی ہے۔ انشاء اللہ اسلام اور عوام کے اس اتحاد کے بطن سے اچھے اثرات جنم لیں گے۔ تحریکی کارکن مخالفانہ منفی پروپیگنڈے اور اس سے پیدا ہونے والی مایوسی کے حصار سے خود کو چھائیں اور اپنی ممکنہ توانائیاں اس اتحاد کے مقاصد کے حصول کیلئے وقف کیے رکھیں۔ ہمیں کسی کے کردار کی صفائی یا اس پر لگنے والے

الزامات کا دفاع کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمیں تو اپنی منزل پر نظریں مرکوز کر کے جدوجہد جاری رکھنی ہے۔ ہاں یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اچھے فکر و عمل سے دوسروں کو متاثر کریں اور انہیں اسلام کی دنیوی و اخروی برکات سے آگاہ کریں اس اتحاد کے متعلق تردد رکھنے والے احباب کو صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ جیسے اہم تاریخی واقعات اور ان کے نتائج پر ضرور نظر رکھنی چاہیے۔ انشاء اللہ اب قومی سیاست کے افق پر مصطفوی انقلاب کا پرچم لہرائے گا۔ قومی دھارے میں شامل ہو کر اپنے کردار اور قوتِ فکر و عمل سے تاریخ کے اس نازک موڑ پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائیں۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق و مغرب میں تیری دور کا آغاز ہے

(اپریل ۱۹۸۸ء)

(پاکستان عوامی اتحاد کے قیام کے موقع پر)

غوری..... دو قومی نظریے کا سائنسی احیاء

تاریخ قوموں کا حافظہ ہوتی ہے۔ زیرک اور محتاط انسان کی طرح اچھی قومیں بھی اپنے حافظے کی درستگی پر خاص توجہ دیتی ہیں۔ یادداشت اور حافظے کو تازہ اور Up To Date رکھنے کیلئے کبھی کبھار دیرینہ واقعات دہرانا ضروری ہوتے ہیں۔ قیام پاکستان خود ایک ایسا واقعہ تھا جس نے چودہ سو سال قبل پہلی اسلامی ریاست مدینہ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ ریاست مدینہ اور مملکت پاکستان کے درمیان ایک ہی قدر مشترک تھی جو ان دونوں کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنی تھی جسے ہم معروف معنوں میں دو قومی نظریہ کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی دو مختلف قوموں کے درمیان پایا جانے والا ایسا مذہبی، ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی امتیاز جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل ہو۔ چنانچہ یہی دو نظریہ قیام پاکستان کے بعد بھارت سے ہماری تین جنگیں کراچکا ہے بالکل اسی طرح جیسے فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کو کفار مکہ کے ساتھ کئی جنگیں کرنا پڑیں۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ بھی ہمارے قومی حافظے کا حصہ ہے۔ ہندوستان کے میدانوں اور تہذیبوں میں ہمارے آباؤ اجداد کی بہت سی ایمان افروز داستانیں رقم ہوتی رہیں۔ یہ داستانیں دراصل جرات اور بہادری کے ایسے واقعات ہیں جن کو نظر میں رکھنا بلکہ حافظے میں محفوظ کرنا ہماری نئی نسل کیلئے از بس ضروری ہے ورنہ ”ثقافتی طائفوں“ کے باہمی تبادلوں کا مشن تو جاری ہے جس کا ایک ہی نظریہ ہے کہ پاک و ہند کی تفریق مٹا کر پھر سے ایک ہو جانے میں ہماری سلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ۶ اپریل ۱۹۹۸ء پاکستانی قوم کی تاریخ میں وہ یادگار دن ہے جب ۵۰۰ کلومیٹر تک مار کرنے والا پاکستانی ماڈل ”غوری“ فضاؤں میں بلند ہوا۔ اپنے مخرج سے نکل کر نشانے تک پہنچنے کیلئے اس نے جتنے لمحات فضا میں دوڑتے ہوئے گزارے وہ دراصل اس آٹھ سو سالہ تاریخ کا قرض چکار ہے تھے

جو شہاب الدین غوری سے لے کر آج تک ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری ملتِ اسلامیہ کا وہ عظیم سپہ سالار تھا جس نے اپنے ۳۵ سالہ دورِ فرمانروائی کا بیشتر عرصہ دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ و جدال میں گزارا۔ سلطان محمود غزنوی کے بعد وہ واحد جرنیل تھا جس نے غزنی سے ہندوستان میں آکر تین بار بھر پور حملہ کیا۔ ایک بار جب اپنے سرداروں کی بزدلی سے اسے ملتان اور گردونواح کے محاذ پر شکست ہوئی اور وہ جان بچا کر زخمی حالت میں واپس غزنی پہنچا تو اس نے راحت و آرام کو اپنے اوپر حرام کر کے دوبارہ زوردار حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ چنانچہ ۵۸۷ھ میں وہ ایک بڑے جنگجو لشکر کے ساتھ پشاور اور لاہور سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا۔ وہاں سے ہندوستان کے سب سے بڑے اور متعصب ہندو راجہ ”رائے پتھورا“ کو اسلام کی دعوت دی۔ رائے پتھورا نے ہندوستان بھر کے ۱۵۰ ہندو راجوں کی مدد سے ۳ لاکھ افراد پر مشتمل فوج ترتیب دی اور بڑے بڑے سورماؤں کو جمع کر کے اپنے خداؤں کی قسم کھائی کہ اس بار ایک ایک مسلمان کو ختم کریں گے۔ اس نے طاقت کی گھمنڈ میں شہاب الدین کو ایک تضحیک آمیز خط بھی لکھا کہ ”تم شرافت سے اپنے وطن واپس چلے جاؤ تو ٹھیک ورنہ کل میدانِ جنگ تمہارے لیے میدانِ حشر ہوگا“ شہاب الدین غوری نے اللہ کے بھروسے پر اسے جنگ کا چیلنج دیا اور دوسرے ہی روز دہلی سے ۴۰ کلو میٹر دور دریائے سرستی کے کنارے صرف ۱۲۰۰۰ لشکریوں کی قیادت کرتا ہوا ہندو راجاؤں اور سورماؤں کے لشکر میں کود گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہادر سپاہی کو فتح سے نوازا اور پرتھوی راج کو پہلی مرتبہ ناقابلِ تلافی شکست سے دوچار ہو کر بھاگنا پڑا۔

آج پھر اسی متعصب ہندو نے جدید سائنسی ٹیکنالوجی کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنے انہی شکست خوردہ راجاؤں کے نام پر پرتھوی اگنی اور ناگ جیسے دور مار میزائل ہماری سرحدوں پر نصب کر کے ہماری ملی اور دینی غیرت کو لٹکا رہے۔ ان ہندو دیوتاؤں کا ازلی دشمن شہاب الدین غوری اپنی قبر میں یقیناً اس ہندو وانہ منہ زوری پر تڑپا ہوگا۔ چنانچہ آٹھ سو سال پہلے ختم ہونے والا تاریخ کا یہ سفر ۱۶ اپریل ۱۹۹۸ء کو اسلام اور پاکستان کے مایہ ناز

فرزند نے عین اسی جگہ سے دوبارہ شروع کیا ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے ڈاکٹر قدیر خان نے آج پھر ہندو بت پرستوں کو بتا دیا ہے کہ وہ غوری جو آٹھ سو سال قبل یہاں آسودہ خاک ہوا تھا اس کے نظریاتی اور مذہبی بیٹے ابھی مرے نہیں بلکہ فضاؤں میں بھی تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔

قومی حافظے کی اس تجدید کا سرِ پاکستانی قوم کے عظیم محسن اور عالمِ اسلام کے بطل جلیل ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے شرکائے کار سائنسدانوں کے سر ہے جنہوں نے پوری قوم کے اعصاب سے ہندو بننے کا خوف ختم کر دیا۔ 1974ء میں جب بھارت نے پہلا ایٹمی تجربہ کیا تھا تو اس وقت سے وہ اپنے رائے پتھور کی طرح پاکستان سمیت چھوٹے پڑوسی ملکوں کو پھاڑ کھانے کے زعم میں مبتلا تھا۔ اس دوران بھارت نے کئی میزائل بنا کر دنیا کو اپنی عسکری صلاحیتوں سے آگاہ کیا اور پڑوسی ممالک پر اپنی سیاسی، عسکری اور نفسیاتی برتری قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہونے کے ناطے شروع سے ہی امن پسند ملک رہا ہے لیکن ہندو جیسے بے اصول پڑوسی دشمن کے خطرناک ارادوں کا بروقت ادراک کرتے ہوئے اس نے اپنے دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنانے کا مشن خاموشی سے جاری رکھا۔ آج نہ صرف بھارت بلکہ روس، امریکہ اور یورپ کے اسلام دشمن ممالک بھی ”غوری“ کے زور دار دھماکے سے پوری طرح آگاہ ہو چکے ہیں۔

بھارت کے متعصب ہندوؤں کی نیندیں ایک بار پھر غوری کی آمد کی خبر سن کر اڑ چکی ہیں۔ ان کے مہا بھارت کے تابوت میں غوری نے ایسی ضربِ کاری لگائی ہے کہ وہ ابھی تک سنبھل نہیں سکے۔ انتہا پسند ہندو جماعت BJP کے قائدین اور کارکن، سلطان محمود غزنوی سے لے کر شہاب الدین غوری اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا بدلہ لینے کی باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مغل دور کی زیادتیوں کا حساب چکانے کا عندیہ بابر کی مسجد شہید کر کے دیا تھا۔ اب غوری کے بعد غزنوی بھی آرہا ہے اور ہندو سو منات میں ایک مرتبہ پھر ہانچل

مچے گی۔ ہم پاکستان کی افواج اور قوم کو بھی اس تاریخی کارنامے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ غوری اور غزنوی میزائل دراصل اسی دو قومی نظریے کا سائنسی احیاء ہے جس کے تحت یہ غیور مسلمان مجاہدین افغانستان اور عرب سے چل کر ہندوستان کے بھگدوں میں اللہ تعالیٰ کے دین کا پرچم بلند کرتے ہیں۔

(مئی ۱۹۸۸ء)

عالم اسلام کو نیا ایٹمی پاکستان مبارک

قوموں کی زندگی میں بعض لمحات اتنے اہم ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ کئی صدیاں بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ لمحات دراصل تاریخ کا وہ حساس موڑ ہوتے ہیں، جہاں وہ اپنے لئے عزت و تمکنت یا ذلت و خواری دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتی ہیں۔ بزدل ڈرپوک اور ست لوگ انہی لمحوں کی قدر و قیمت نہیں جانتے اور نہ ہی ان کے دل و دماغ کسی چیلنج کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں نتیجتاً ایسی اقوام شاہراہ حیات پر دوسری اقوام سے پیچھے رہ جاتی ہیں اور ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جب وہ ماضی کی گرد میں گم ہو کر قصہ پارینہ بن جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جرات مند، بہادر باہمت لوگ تاریخ کے اس موڑ پر نہایت ہوش مندی اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے تاریخی فیصلے کرتے ہیں۔ پاکستانی قوم پر بھی پچھلے دنوں ایسا ہی نازک موڑ آیا۔ جب بھارت کے جنونی ہندوؤں نے یکے بعد دیگرے پانچ ایٹمی دھماکے کر کے فتح کے جشن منائے تو پوری دنیا میں ایک اضطراب اور تذبذب پھیل گیا۔ جنوبی ایشیاء کے سب ممالک اور بالخصوص پاکستان شدید عدم تحفظ کا شکار ہو گیا۔

دھماکوں کے بعد ہندوؤں سورماؤں نے اپنے اسلاف کی طرح اسلام دشمنی میں اندھے ہو کر عالم اسلام کے نمائندے پاکستان کو لٹکانا شروع کر دیا اور اسے ”سبق سکھانے“ کی دھمکیاں ملنے لگیں۔ ایسے حالات میں حکومت پاکستان نے مناسب حد تک تحمل و بردباری اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا لیکن انتہاء پسند اور بد دماغ ہندو اس خاموشی کو ہماری کمزوری سمجھ کر مسلسل نازیبا اور ہتک آمیز رویے پر اتر آیا۔ حکمران جماعت B.J.P مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک آزادی کو کچلنے کے ساتھ ساتھ آزاد کشمیر پر حملہ کر کے اسے بھارت کا حصہ بنانے کا خواب بھی دیکھنے لگی۔ یہ چونکہ اس کا اگلا ہدف تھا اس لیے اس نے سیاچن سمیت آزاد کشمیر کی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کر دیا جو فائرنگ کی

صورت میں تاحال جاری ہے۔

سرحدوں پر بڑھتے ہوئے خطرات کا ایک دوسرا پہلو جو اس سے بھی خطرناک تھا، یوں سامنے آیا کہ اسرائیل نے غیر اعلانیہ طور پر اپنی ساری دلچسپیاں پاکستان کی سرحدوں پر مرکوز کر دیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں جب بھارتی چیف مقبوضہ کشمیر میں اگلے مورچوں پر معائنہ کرنے کیلئے آیا تو اس کے ساتھ اسرائیلی آرمی کا ڈپٹی چیف بھی شامل تھا۔ بھارت اسرائیل کے اس شرمناک گٹھ جوڑ کا دوسرا مشاہدہ اس وقت ہوا جب اسرائیل کے چھ بمبار لڑاکا طیارے کہوٹہ ایٹمی پلانٹ پر حملے کے لئے مقبوضہ کشمیر کے ایک حساس علاقے میں پوزیشن سنبھال کر بھارتی اشارے کا انتظار کرنے لگے لیکن بروقت پاکستان کو اطلاع ہو گئی اور اس نے نصف شب اسلام آباد میں بھارت کے ہائی کمیشن کو بلا کر ممکنہ جارحیت کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ پاکستان نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اگر بھارت نے کسی قسم کی شرمناک حرکت کی تو ہم انجام کی پرواہ کیے بغیر بھارت کے تمام بڑے شہروں کو پلک جھپکتے ہی کھنڈرات کا ڈھیر بنا دیں گے۔ تب جا کر ہندو بٹے کو عقل آئی اور وقتی طور پر اسرائیل کے بتائے ہوئے اگلے ہدف کی طرف پیش قدمی کرنے سے رک گیا۔

اس نازک موقع پر برادر ہمسایہ ملک چین کی ہمدردی بھی ناقابل فراموش ہے۔ بھارت اسرائیل کے اس گٹھ جوڑ اور کہوٹہ ایٹمی پلانٹ پر ممکنہ حملے کی خبر جب چینی قیادت کو ہوئی تو اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسرائیل کے ہائی کمیشن کو حملاً طلب کیا اور اسے دو ٹوک الفاظ میں خبردار کیا جس پر اسرائیل رک گیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ بعد میں کئی بار پاک چین دوستی کے تناظر میں کیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اب پاکستان کے ہر مشکل مرحلے میں جتنا چین نے تعاون کیا اتنا کسی اسلامی ملک نے بھی نہیں کیا، ویسے بھی اسلامی ممالک کے پاس زبانی جمع خرچ کے علاوہ تھا بھی کیا۔

یہ وہ سنگین حالات تھے جن میں حکومت پاکستان نے زبردست بیرونٹی دباؤ کے باوجود تاریخ ساز جرات مندانہ قدم اٹھایا اور ۲۸ مئی کو ۵ کامیاب ایٹمی دھماکے کر کے تاریخ اسلام

کے سنہری واقعات میں نمایاں اضافہ کیا۔ یہ دھماکے دراصل اسی ہندووانہ ذہنیت کا علاج ہیں جو طاقت کے خمار میں ایک بار پھر اسلام کو لاکار نے کیلئے بے تاب نظر آتی تھی۔ ان مزاحمتی دھماکوں سے ہندوؤں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جس ایٹمی صلاحیت پر تم اتر رہے ہو اور تمام تر اخلاقی حدود و قیود سے باہر نکل کر پوری دنیا کے سامنے ننگی جارحیت کی علامت بن رہے ہو اس سے زیادہ ایٹمی صلاحیت اور فوجی قوت ہمارے پاس موجود ہے چنانچہ اس دن سے ”ہندو لالوں“ کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف اہل مغرب اور امریکہ جیسے ممالک بھی اسلام دشمنی میں اس قدر آگے جا چکے ہیں کہ وہ بھارت کی ان حرکتوں کا احساس کر کے اسے سمجھانے کی بجائے الٹا پاکستان کو صبر و تحمل کا سبق پڑھاتے رہے اور اب جیسے ہی پاکستان نے قومی سلامتی کیلئے جو اہلی کارروائی کی ہے تو پہلی مرتبہ ان کے چہروں کے رنگ فق ہو گئے ہیں اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہیں۔

بھارت اور مغربی ممالک کی اس تشویش میں صرف ایک ہی قدر مشترک ہے اور وہ ہے اسلام دشمنی۔ جس طرح بھارت کا ہندو ابھی تک محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور احمد شاہ ابدالی سے لگے ہوئے گہرے زخموں کو نہیں بھولا اسی طرح مغربی دنیا کے یہودی اور عیسائی بھی تاحال طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی اور خلافت عثمانیہ کے بانی سلطان محمد فاتح کی ضربوں کو نہیں بھلا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت عالم کفر اپنے تمام تر داخلی اختلافات کو بھلا کر عالم اسلام کے خلاف متحد ہو چکا ہے۔ اس نے انتہائی چالاکی اور مکاری سے اس وقت دنیا کی اہم اقتصادی اور عسکری قوتوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان ملک اس میدان میں ان کے مقابلے میں آئے یا کم از کم سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہی ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ملی بھگت سے خلیج کے اسلامی ممالک پر غیر اعلانیہ قبضہ کر رکھا ہے اور وہاں عراق جیسے مضبوط عسکری ملک کو پچھلے ۸ سالوں سے جس بری طرح کچل رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہے۔ چنانچہ ہندو و ہندویہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ دنیا کے نقشے پر واقع چھوٹا سا اسلامی ملک پاکستان، وقار اور عزت سے خود بھی جینا

سیکھے اور دوسروں کی قیادت بھی کرے لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔ فی الحال مشرق سے مغرب تک اسلام دشمن قوتیں سہم گئی ہیں۔ پاکستان کا ایٹم بم دراصل پورے عالم اسلام کا ایٹم بم ہے۔ پاکستان واقعی اسلام کا قلعہ ہے اور اس قلعے کو مضبوط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عبدالقدیر خان جیسے قابل فخر سپوت ہمیں عطا کر رکھے ہیں۔

عزیز ہم وطنو! آپ خوش قسمت ہیں کہ قدرت نے تاریخ کے اس نازک موڑ پر پورے عالم کفر کو تمہارے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ اسلام کی تاریخ کا آئندہ باب اب آپ کی قوت بازو سے تحریر ہوگا۔ آئندہ نسلوں کو آپ نے ایک بار پھر بتانا ہے کہ ہاں ہم ہی خالد اور قاسم کے وارث ہیں اور ہم ہی صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، احمد شاہ ابدالی، اور نگزیب عالمگیر اور سلطان ٹیپو کے فرزند ہیں، ہمیں اپنے ان عظیم محسنوں پر فخر ہے۔ ہم ہی اس مقدس مشن کی تکمیل کریں گے جس کا آغاز جنگِ بدر سے تاجدارِ کائنات نبی آخر الزماں ﷺ نے خود فرمایا۔ ہم دین کی عظمت اور اسلام کی سر بلندی کیلئے دنیا کے بڑے سے بڑے فرعون اور ابو جہل سے ٹکرائیں گے۔ عزیمت کے اس راستے میں ہمیں بھوکا پیاسا بھی رہنا پڑا تو اسے اپنے آقا ﷺ کی سنت سمجھتے ہوئے برداشت کریں گے۔ اگر وہ تین سال تک شعبِ اہل طالب میں سخت معاشرتی مقاطعہ کے دوران زندہ رہے اور اپنے مشن سے سر موچھے نہ ہٹے تو ہم ان کی محبت اور اتباع کا دم بھرنے والے اللہ کے دین کی سر بلندی کیلئے مشکلات کیوں برداشت نہیں کریں گے۔

قدرت نے جس مقصد کیلئے پاکستان معرض وجود میں لایا تھا ہماری پچاس سالہ غفلت شعار یوں کے باوجود آج اس پوزیشن میں آپہنچا ہے کہ عالم اسلام کی قیادت کر سکے۔ عالم کفر اب لرزہ پر اندام ہو گیا ہے۔ اب وہ اس کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے پہلے سوبار سوچے گا۔ اہل پاکستان ہمیشہ عالم اسلام کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ تاریخ کا یہ موڑ امت مسلمہ کیلئے امتحان کی گھڑی ہے۔ دیگر اسلامی ممالک بھی پاکستان کی مشکلات کو سمجھتے ہوئے اس کے شانہ بخشانہ کھڑے ہوتے ہیں یا حسب سابق باطل سامراجی طاقتوں کے

ہاتھوں کھلوانا بن کر زندہ رہنے کی شرمناک روش جاری رکھتے ہیں؟ اس کا فیصلہ اب آئندہ چند برسوں میں ہو گا لیکن یہ بات طے ہے کہ اب پاکستانی قوم نئے عزم، نئے حوصلے اور تازہ دلوں کے ساتھ لے کر امتحان گاہ میں اتر چکی ہے۔ اب اس نے کشمیری مسلمان ماؤں بہنوں کی عصمتوں کا حساب بھی چکانا ہے اور باری مسجد، سمیت مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کی منصوبہ بندی بھی کرنی ہے۔ اللہ کرے اس نودریافت شدہ پاکستان کے حکمران بھی قومی غیرت، دینی حمیت اور تاریخی معیار پر پورا اتریں۔ یہ جذبے، جواب موجزن ہیں زندہ رہیں۔ یہ جوصلے، جو پیدا ہوئے ہیں بڑھتے رہیں۔ انشاء اللہ..... آج بھی ہمارا ہے اور آنے والا کل بھی۔ اے وطن! تجھے یہ نئی پر عزم قوم مبارک اور اے قوم تجھے نیا اور مضبوط پاکستان مبارک۔

(جون ۱۹۸۸ء)

یوم میلاد۔۔۔۔۔ یوم انقلاب

ربیع الاول۔۔۔۔۔ اسلامی سن ہجری کا مبارک مہینہ۔۔۔۔۔ ہر سال اپنے دامن میں کیف و سرور اور محبت و مروت کے ان مٹ سمندر لیے جلوہ گر ہوتا ہے اور نگر نگر تذکار رسالت ﷺ کے تازہ جہاں آباد کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔ جشن میلاد النبی ﷺ کی یہ دھوم ایک طرف محبوب کبریٰ تاجدارِ کائنات ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلقِ محبت کا اظہار ہے اور دوسری طرف اس رشتہِ غلامی کے ساتھ عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھانے کا تجدیدِ عہد بھی ہے۔ جشن میلاد النبی ﷺ پر اظہارِ مسرت سنتِ الہی بھی ہے اور حکمِ الہی بھی۔

تخلیقِ انسانیت سے بہت پہلے۔۔۔۔۔ ارواحِ انبیاء کے مقدس اجتماع کا انعقاد جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا جشن میلاد النبی ﷺ تھا وہاں ”میشاق السنین“ میں کار فرما حکمتِ ربی، حضور ﷺ کے مشن کی تکمیل کیلئے تن من دھن لٹانے کی متقاضی بھی تھی۔ چنانچہ ازل سے لبد تک۔۔۔۔۔ قافلہٴ انسانیت کی کامیابی کا انحصار وہی ایمان اور نصرتِ رسول ﷺ ٹھہرا جس کا عہد اللہ تعالیٰ نے اس تقریبِ سعید میں لیا تھا۔۔۔۔۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت و رسالت کی نعمت اسی پہلی تقریبِ میلاد میں عطا ہوئی اور اس پختہ عہد کے بعد ہوئی جس میں رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان اور تصدیقِ شرطِ اول تھی۔ اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ سیدنا آدم سے لے سیدنا عیسیٰ تک جتنے انبیاء و رسل ہوئے ہیں جس کو نے میں جس وقت بھی تشریف لائے وہ نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ کے فیض کا پرتو بن کر آئے اور قیامت تک جو بھی رضائے الہی کی منزل کو پائے گا وہ بھی اسی فیضِ نبوی ﷺ کا خوشہ چین ہوگا۔ حق تو یہ ہے کہ جس کو ملا جب بھی ملا جو کچھ ملا وہ درِ مصطفیٰ ﷺ کی خیرات تھی۔

ربیع الاول شریف کا دامن اس لیے نعمت ہائے ربانی سے مالا مال ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب و مکرم رسول ﷺ کا ظہور ہوا جن کے طفیل دنیا کی سب نعمتوں کو

وجود ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان ہر دور میں ان ایام کو زندگی کے قیمتی لمحات سمجھ کر ذکرِ رسول ﷺ میں گزارتے رہے ہیں۔ یوں تو مسلمان کا ہر سانس اور زندگی کا ہر لمحہ ذکرِ رسول ﷺ میں بسر ہونا چاہیے لیکن آپ کی ولادت کی گھڑیاں تو تاریخِ بخریت کا وہ قیمتی سرمایہ ہیں جنہیں یادگار بنانے کی ہر کاوش تحدیثِ نعمت کے زمرے میں شامل ہو کر اللہ کے ہاں محبوب و مقبول ٹھہرتی ہے۔

ہمارا دور جس باضطراب اور بے یقینی کی گرفت میں ہے اس کا علاج انسانی علم کی بلند یوں اور مادی وسائل کی فراوانی میں نہیں بلکہ اس نسخہٴ کیمیا میں موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے آخری اور مکمل پیغام کے طور پر اپنے آخری رسول ﷺ کے قلبِ اطہر پر اتارا۔ ربیع الاول ۱۱۰۰ ہر سال ہمیں اسی پیغام کی عالمگیریت اور اسی نسخہٴ کیمیا کی اہمیت کی یاد بھی دلاتا ہے۔ یہی نسخہ ہماری کامیابی کا مرانی اور ہمہ جہت عالمی کردار کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ وہ کردار جس کی صداقت کا ڈنکا ساری دنیا میں پورے ۱۲ سو سال بجا رہا۔

ہمیں میلاد النبی ﷺ کا جشن مناتے ہوئے یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یومِ میلاد النبی ﷺ دراصل یومِ نجات بھی تھا۔ شرک سے نجات، جہالت سے نجات، ظلم سے نجات، غلامی کی زنجیروں سے نجات، شیطان اور طاغوت کے ہتھکنڈوں سے نجات اور جھوٹے خداؤں کی اذیت ناک خدائی سے نجات۔ یومِ میلاد النبی ﷺ دراصل اس انقلاب کی صبحِ نو تھی جس نے انسانیت کے دامن سے درندگی کے بد تماد ہبوں کو دھویا اور اسے رحمت و رافت کے سد ابھار پھولوں سے بھر دیا۔ اس انقلاب نے عرب کے صحرا انوردوں کو خضر راہ بنا دیا۔ اونٹ اور بھیر بجر یوں کے چرواہوں کو قیامت تک قافلہٴ علم و حکمت کی پیشوائی کا منصب عطا کیا۔ یہی انقلاب تھا۔۔۔۔ جس نے نوعِ انسانی کو حقیقی آبر و بخشی۔ جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے والے غلاموں کو وہ جرأت اور حوصلہ دیا کہ وہ اپنے آقاؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہر جائز بات کرنے اور ان کے دستِ جفاکیش کو توڑ کر اپنا حق لینے کے قابل ہو گئے۔ حضور ﷺ کی قیادت نے تمیز بندہ و آقا کا فرق مٹا کر فسادِ آدمیت کی ہر مرض کو جڑ سے اکھاڑ

نازک موڑ پر ہوش مندی کے تقاضے

وطن عزیز اپنی نصف صدی کی تاریخ میں اتنی نازک صورتحال سے کبھی دوچار نہیں ہوا جتنا کہ اب ہے۔ ایک طرف داخلی انتشار، بد امنی، عدم تحفظ، لا قانونیت اور قتل و غارت گری کا ماحول ہے اور دوسری طرف کشمیر کی سرحدوں پر غیر اعلانیہ جنگ ہو رہی ہے۔ سرحدوں پر پاک بھارت کشیدگی کی حالیہ صورت حال سے وطن عزیز کا ہر شخص پریشان ہے اور باہمی گولہ باری کی اس لہر میں تیزی کو کسی بڑے اور متوقع خطرے کا پیش خیمہ سمجھا جا رہا ہے۔ یعنی شاہدوں کے بقول گذشتہ ہفتہ سے آزاد کشمیر کے سرحدی قصبات پر ہونے والی بھارتی فائرنگ اتنی لگاتار اور شدید ہے کہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاسکتے۔ جو جہاں ہے وہیں بھوکا پیاسا بیٹھا ہوا ہے۔ ہزاروں لوگ بے گھر ہو چکے ہیں، سینکڑوں مکانات روٹی کے گالوں کی مانند اڑ گئے ہیں، ہسپتالوں میں زخمیوں کے انبار لگ رہے ہیں، سینکڑوں شہید ہو چکے ہیں اور جو باقی بچے ہوئے ہیں ان پر خوف و ہراس اور دشمن کی جارحیت سے عدم تحفظ کے سائے مزید گہرے ہو رہے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں آٹھ سال سے جاری تحریک آزادی اپنے فیصلہ کن موڑ میں داخل ہو چکی ہے۔ پچھلے آٹھ سال سے سات لاکھ بھارتی افواج جدید ترین اسلحہ کے ساتھ مقامی باشندوں پر ظلم و ستم کے تمام ہتھیار استعمال کرنے کے باوجود اب مایوسی اور پست ہمتی کا مظاہرہ کرتی نظر آرہی ہیں۔ نئے مجاہدین سے انڈین فوج کا تصادم روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اہل کشمیر کے جذبہ آزادی کے سامنے بھارتی حکومت کا ہر حربہ ناکام ہو چکا ہے۔ دوسری طرف ایٹمی دھماکوں کے بعد صورت حال یکسر تبدیل ہو چکی ہے۔ بھارت جس مسئلے کو اب تک گھر کا معمولی مسئلہ کہہ رہا تھا وہ اسی کے ایٹمی دھماکوں سے پیدا ہونے والی گونج کے ساتھ مربوط ہو کر بین الاقوامی سطح پر صف اول کے خطرناک مسائل

میں شامل ہو گیا ہے۔ اب مسئلہ کشمیر دو ملکوں کا سرحدی مسئلہ نہیں بلکہ ایشیاء میں ایٹمی جنگ کو روکنے اور عالمی امن کی بحالی سے مشروط ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ سمیت پوری یونین کے رکن ممالک نے بھی پہلی مرتبہ اس آتش فشاں کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے اپنی توجہات اس طرف مرکوز کی ہیں۔ عالمی سطح پر اس اہمیت سے ہندو بیجا پریشان ہے۔ UNO کی سلامتی کونسل سے لے کر حالیہ کولمبوسارک ممالک کی سربراہی کانفرنس تک اسے ہر پلیٹ فارم پر ندامت اور خفت اٹھانا پڑ رہی ہے لیکن وہ انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ ”میں نہ مانوں“ کے پرانے موقف پر ڈٹا ہوا ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ اس وقت اسلام دشمن عالمی طاقتوں کی نظریں اسلامی ایٹمی قوت بننے کے بعد پاکستان پر لگی ہوئی ہیں اور وہ اسے خاک بدھن ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف عمل ہیں۔ خاص طور پر عالم صیہونیت کا نقیب اسرائیل تو اب کھل کر پاکستان دشمن سرگرمیوں میں انڈیا سے تعاون کر رہا ہے۔ متوقع جنگ کی صورت میں صاف ظاہر ہے امریکہ اور یورپ کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ نہیں ہوں گی اور وہ ہمیں حالیہ ایٹمی دھماکوں کی گستاخی پر سزا بھی دینا چاہتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں حکومت وقت کو داخلی اور خارجی دونوں محاذوں پر نہایت ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے قومی ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیے۔ یہ ہماری تاریخ کا نازک اور اہم ترین موڑ ہے۔ اپنی خارجہ پالیسی کو مزید متحرک اور فعال بنانے اور خاص طور پر اسلامی ممالک کا تعاون حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ ہمیں بجا طور پر اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ وقت ہر گز خانہ جنگیوں کا متحمل نہیں لیکن براہو ہوس اقتدار کا کہ اس نے ہر دور میں ذاتی انا کے گل کھلا کر اجتماعی اور قومی مفادات کو پس پشت ڈالا ہے۔ ہماری سرحدوں پر خون بہہ رہا ہے، غریب لوگوں کی جان و مال بھارتی گولہ باری کا ہدف ہے اور یہاں اقتدار کے دن لمبے کرنے کیلئے عوام دشمن حکومتی سرگرمیاں زوروں سے جاری ہیں۔

شاہانہ مزاج حکمران، رعایا کو بھیڑ بھریاں سمجھ کر ان کا جینا دو بھر کر رہے

ہیں۔ موجودہ حکومت جس بھاری مینڈیٹ پر اتر رہی ہے اس کا بھرپور استعمال ابھی تک عوام کے خلاف کیے گئے اقدامات میں ہی ہو رہا ہے۔ آئے روز منگائی کا ایک نیا دھماکہ ہو رہا ہے۔ پٹرول، پانی، بجلی، گیس اور اشیائے خوردنی کی جان لیوا گرانی کسی بیرونی دباؤ کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف اور صرف سرکاری خزانہ بھرنے کے حکومتی ہتھکنڈے ہیں۔ موجودہ حکومت نے حالیہ بحث میں صحت، تعلیم اور زراعت جیسے بنیادی شعبوں میں پہلے سے بھی کمی کر دی ہے اور ”ثقافت کے فروغ“ کی مد میں ۱۸۱ فیصد اضافہ کر کے تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کے نتیجے میں پہلا تاریخ ساز قدم نئے عالمی ٹی وی چینل کا اجراء ہے جس پر لچر فلمی ثقافت کی تشہیر کی جا رہی ہے۔ ملک کے تمام تجارتی اور کاروباری حلقوں میں پھراسمگی اور عدم تحفظ کا ماحول ہے۔ آئے روز ہڑتالیں ہو رہی ہیں اور کاروباری اور صنعتی اداروں کی تباہی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ بیرونی قرضوں کے کھشکول توڑنے والی حکومت نے قرضوں کی رقم ۱۳۸ بلین سے بڑھا کر ۱۴۲ بلین کر دی ہے اور بے بس عوام کے قدموں پر غلامی کی زنجیروں میں مزید اضافہ کیا ہے۔ قرض اتار و سکیم کے ۱۴ ارب روپے ابھی تک کسی کھاتے میں نہیں لگے تھے کہ قومی خود انحصاری فنڈ میں وزیراعظم نے لوگوں کی جیبیں خالی کرنا شروع کر دیں ہیں اور اس رقم کا مصرف بھی تاحال سامنے نہیں آیا ہے۔ حکومت ایٹمی دھماکوں کی آڑ میں صورتحال کو زیادہ خراب کرنے کی خود سو فیصد ذمہ دار ہے اور اس کے شواہد اب کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ نیت نیک اور جذبہ تعمیری ہو تا تو کم از کم نادہندگان سے اربوں روپے اب تک واپس ہو چکے ہوتے۔ کراچی کے دیگر گوں حالات ہماری قومی تاریخ کا رسوا کن سانحہ ہے۔ ہم پوری ذمہ داری اور دیانتداری سے ارباب حکومت اور وطن عزیز کے تمام ذمہ دارندہی، سیاسی اور سماجی قائدین اور اداروں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ذاتی انا کے بتوں کو توڑ کر اسلام کے اس قلعہ ”پاکستان“ کی دیواریں مضبوط کریں، قوم کے وسائل تعمیر و وطن پر لگائیں اور غریب عوام کے دکھوں کا مدد لوانہیں کر سکتے تو اس کے مسائل میں اضافہ بھی نہ کریں۔

(اگست ۱۹۸۸ء)

امریکی دہشت گردی اور عالم اسلام

گذشتہ ہفتے ۲۱ اگست کی شب امریکہ کا دو اسلامی ممالک سوڈان اور افغانستان پر کروڑ میزائلوں سے حملہ اس جدید جمہوری دور کا وہ بدترین واقعہ ہے جس کی صدائے بازگشت اب ایک عرصہ تک سنائی دی جاتی رہے گی۔ جمہوری اقدار اور انسانی حقوق کا پرچار کرنے والے امریکہ نے ننگی جارحیت کا ارتکاب کر کے نہ صرف بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں اڑائیں بلکہ اس کی اس حرکت نے تہذیب، اخلاق اور انسانیت کے چہرے کو بھی نوح ڈالا ہے۔ امریکی صدر نے طاقت اور اقتدار کے نشے میں آج دو آزاد خود مختار اور دین پسند اسلامی ممالک کی حاکمیت کو بلا جواز روندنا ہے۔ جنگل کا یہی قانون اگر جاری رہا تو کل کوئی دوسرا ملک بھی اپنے سے کمزور ملک پر اسی طرح چڑھ دوڑے گا۔ ایسے میں عالمی ادارے غیر موثر ہو جائیں گے اور ”تاریخی کارنامے“ کا ذمہ دار امریکہ بہادر ہی ٹھہرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اکثر جانبدار ممالک اور وہاں کی امن پسند عوام نے امریکہ کی اس کھلی دہشت گردی کی بھرپور مذمت کی ہے۔

جہاں تک منتشر عالم اسلام کا تعلق ہے، اس پر بھی خاص طور پر اس ظالمانہ شب خون کا واضح اثر دکھائی دے رہا ہے۔ افغانستان اور سوڈان کے ساتھ اسلامی ممالک کے باہمی تعلقات کے قطع نظر، پوری ملت اسلامیہ نے ان حملوں کو براہ راست اپنے لئے چیلنج سمجھا ہے۔ جن اسلامی ممالک کے حکمران امریکہ کی فرمانبرداری میں حد سے گزر کر قومی حمیت و غیرت کا سودا کر چکے ہیں وہاں بھی بیداری کی ایک جاندار لہر پیدا ہو چکی ہے اور عوام و خواص کی نظروں میں امریکہ کی اسلام دشمنی کھلی حقیقت کے طور پر سامنے آگئی ہے۔ خود امریکی اور یورپی تجزیاتی ادارے ان حملوں کو جنسی مریض کلنٹن کی غلطی قرار دیتے ہوئے امریکہ کے مستقبل کیلئے شدید خطرات کا پیش خیمہ بتا رہے ہیں۔ ان اداروں کے نزدیک ”اس حملے نے

بیاد پرست مسلمانوں کو مزید شدت پسندی کے مظاہروں پر ابھارا ہے۔“ حقیقت یہ ہے کہ سرد جنگ میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ پوری دنیا پر مطلق العنان حکمرانی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ان خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کیلئے اس نے ”نیو ورلڈ آرڈر“ بھی جاری کر رکھا ہے جس کی موثریت کا انحصار اس پر ہے کہ دوسری متبادل ابھرتی ہوئی قوتوں کے ساتھ اسلامی دنیا کو بھی مزاحمتی قوت کے طور پر ابھرنے سے روکا جائے۔ لیکن یہ تو ایک طاغوتی اور شیطانی تدبیر ہے جس کے مقابلے میں قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ کی اپنی تدبیریں ہیں اور تدبیروں کا مقابلہ کسی بھی انسانی طاقت کے بس کی بات نہیں۔ امریکہ ان حملوں کو اس طویل جنگ کا انتباہ کہہ رہا ہے جو اسکے بقول ”دہشت گردی“ کے خلاف لڑی جانی ہے لیکن کیا معلوم یہی جنگ اس کی اپنی بقاء اور سلامتی کے خلاف فیصلہ کن ثابت ہو۔

ان حملوں کا تیسرا رخ وطن عزیز پاکستان کی داخلی خود مختاری کی طرف ہے کیونکہ افغانستان پر آگ برسانے والے میزائل پاک سر زمین کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے گزرے ہیں جن میں سے ایک بلوچستان کی ریت میں گر کر ناکارہ بھی ہوا۔ خود مختار ملک کی فضائی حدود کی اس کھلی خلاف ورزی کو حکومت نے اگرچہ عوامی دباؤ کے پیش نظر سلامتی کونسل میں چیلنج کرنے کا عزم بھی ظاہر کیا ہے لیکن اس سے بد معیت امریکہ کو کیا فرق پڑے گا۔ اس درخواست کا بھی وہی حشر ہو گا جو دو دن قبل سوڈان کی درخواست کا ہوا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اپنے علاقے میں امریکی میزائل گرنے کی حکومتی تصدیق اور تردید کا مضحکہ خیز عمل پوری دنیا میں پاکستانی قوم کیلئے شرمندگی بن گیا ہے۔ دنیا میں شاید یہ پہلی مثال ہے کہ کسی ملک کی حساس اور ذمہ دار ترین وزارت نے عالمی سطح پر ۷۲ گھنٹوں میں تین موقف بدلے ہوں۔ یہ حماقتیں ہمارے ہاں روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں۔

اس سارے اسلام دشمن واقعہ کا اصل سبب فلسطینی نثراد صادق ہویدہ کا تفتیش کے دوران اسامہ بن لادن کے ساتھ تعلق کا اعتراف ہے اور امریکی اخباروں کے بقول یہ سبب امریکہ کو پاکستان نے خود اپنے ہاتھوں ڈالروں کے لالچ میں فراہم کیا۔ ہمارے نادان

دوستوں نے امریکی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے قبل ازیں بھی یوسف رمزی اور اسمبل کانسی جیسے باطل شکن مسلمان مجاہدین کو پاکستان سے پکڑ کر امریکی ایجنسیوں کے حوالے کیا۔ حکومت دہشت گردی کی مذمت ضرور کرے لیکن ملت فروشی کا دھندہ چہ معنی دارد؟ باعثِ تعجب تو یہ ہے کہ یہاں آئے روز قتل ہوتے ہیں، لیاقت علی خان سے لے کر صدر جنرل ضیاء الحق تک ملک کے حکمران جن کی دہشت گردی کا نشانہ بنے ہماری کسی ایجنسی یا تحقیقاتی ادارے نے ان قاتلوں کی تلاش کرنے کی کوشش نہ کی۔ کراچی میں ہر روز درجنوں جانیں ضائع ہوتی ہیں لیکن مجرم آج تک پکڑے نہیں گئے۔ اپنے ملک میں پولیس کی ناکے کے قریب خون کی ندیاں بہ رہی ہیں ان کا تدارک تو ہونا سکا لیکن ہزاروں میل دور دوسرے ممالک میں ہونے والے واقعات کے مجرم انہیں اپنی سر زمین پر نہ جانے کیسے نظر آجاتے ہیں؟ ہم بے گناہ انسانوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنانے والے کسی بھی گروہ یا تنظیم کی حمایت نہیں کرتے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تحقیق کیے بغیر واقعات کو بنیاد بنا کر امریکہ اگر عالم اسلام کے خلاف کھلی دہشت گردی اور ننگی جارحیت کا ارتکاب کرتا ہے تو ہماری حکومتیں کب تک اس کا دست و بازو بنی رہیں گی؟

افغانستان اور سوڈان پر حملہ نئی بات نہیں اس سے قبل عراق پر بھی امریکہ اسی طرح کی حرکت کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اسرائیل نے اسی طرح عرب علاقوں پر شب خون مارے ہیں، بھارت بھی آزاد جموں و کشمیر پر گذشتہ دنوں اسی دہشت گردی کا مظاہرہ کر چکا ہے۔ یورپ میں سرب ہر روز مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں۔ الغرض پورا عالم کفر امت مسلمہ کے خلاف ایک متحدہ قوت بن چکا ہے لیکن مسلم ممالک ابھی تک کفر کے حلقہ بگوش بنے رہنے پر مصر ہیں۔ کاش ان ہوس پرست مسلمان حکمرانوں کو بھی احساسِ زیاں ہو جائے۔ حالیہ واقعات کے تناظر میں حکومت پاکستان کی غفلت شعاریاں طشت ازبام ہو چکی ہیں۔ دو روزہ اقتدار کی خاطر امریکہ سے معذرت خواہانہ رویہ پوری امت مسلمہ کیلئے باعثِ شرم ہے۔ قائد انقلاب نے بجا طور پر یہ مطالبہ کیا ہے کہ حکومت ان بزدلانہ حرکتوں سے باز آجائے ورنہ مستعفی ہو جائے گی، کیونکہ ایسے حالات میں عاقبت نااندیش حکمرانوں کے ہاتھوں میں نیوکلیر پاکستان کی حفاظت بہت بڑا سیکورٹی رسک ہوگا۔

(ستمبر ۱۹۸۸ء)

..... اور اب اسلام بھی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھ گیا

مملکتِ خداداد پاکستان کی تاریخ جن ناگوار ابواب سے عبارت ہے ان میں سے پیشتر کا تعلق حکمرانوں کی ہوس پرست ذہنیت سے ہے۔ یہاں آئے روز نسلی، جغرافیائی، لسانی، صوبائی اور مذہبی تعصبات کا زہر اگلنے والے بھی کافی تعداد میں موجود رہے ہیں اور قومی غیرت و حمیت کو گروی رکھ کر تاحیات اقتدار کے محلات تعمیر کرنے والے بھی اپنی ناکام کوششوں میں مصروف رہے۔ عوام الناس نے ہر قسم کے دکھ تکلیف اور ایسے برداشت کئے لیکن ایک چیز پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا وہ ہے ایک ملک میں۔۔۔ اسلامی نظام کا نفاذ۔۔۔ غم و آلام کے کڑوے گھونٹ پی پی کر حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ گزارنے والی قوم ابھی تک نظامِ مصطفیٰ کی نوید جانفزا سننے کیلئے بے قرار تھی۔ اسے اس صبح سعادت کا انتظار تھا جب اس اسلامی نظریاتی ملک کا سیاسی، معاشی اور انتظامی ڈھانچہ قرآن و سنت کے سنہری عادلانہ اصولوں پر استوار کیا جاتا۔ اس آرزو کے پیچھے دراصل وہ سب کاوشیں تھیں جن کا سلسلہ پوری صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ نصف صدی تحریکِ پاکستان کی جدوجہد میں اور نصف صدی قیامِ پاکستان کے بعد خوابوں کی حقیقی تعبیر کے انتظار میں صرف کیا لیکن ہوا کیا؟ موجودہ حکومت نے سابقہ ریکارڈ توڑتے ہوئے شرم و حیاء کے سارے ہندھن توڑ دیئے۔ عوام کے حقوق لوٹے لوٹتے یہ مقتدر طبقہ اتنا دیدہ دلیری پر اتر آیا ہے کہ اب اس نے اسلام کی ناموس کو بھی اپنے چند روزہ اقتدار کیلئے داؤ پر لگا دیا ہے۔ غریب لوگوں کو تو انہوں نے کچھ دیا اور نہ کبھی دے سکتے ہیں، دین اور مذہب سے وابستگی جو ان مظلوموں کا طرہ امتیاز تھی سو وہ بھی ان کے دلوں سے نکالنے کی کاوش شروع ہو گئی ہے۔

۲۸ اگست کو وزیر اعظم پاکستان نے اپنی ایک نشری تقریر میں نفاذِ اسلام سے

متعلق شریعت بل کا اعلان کیا جسے اسمبلی میں پیش کیا جانا ابھی باقی ہے۔ بات اگر صرف

شریعت بل کی حد تک ہوتی تو شاید ممبران اسمبلی اس پر خاموش بھی رہ جاتے لیکن شریعت بل کی آڑ میں دراصل لامحدود اختیارات کا حصول مقصود ہے اس لئے ملک کی جملہ سیاسی و مذہبی جماعتوں نے حکومت کے اس بظاہر نیک عمل کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس تنقید و تاخیر میں ملک کے اندر اور باہر اسلام کی ساکھ بھی متاثر ہوئی اور اسلام دشمن قوتوں بالخصوص بھارت کو پاکستان کے جواز کے خلاف زبان درازی کا موقع ملا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ملک کے بعض قائدین اور جماعتیں اسلام کے خلاف آواز اٹھانے اور لوگوں کو اکسانے کیلئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی موقع ہاتھ آجائے تو پورا زور دین کو ملک و ملت کی سرحدوں سے دیس نکال دینے میں صرف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر جہاں حکومت کی بد نیتی، منافقت اور دجل کھل کر سامنے آیا وہاں ان لادین گروہوں کا مکروہ باطن بھی عوام نے دیکھ لیا اور انہیں اچھی طرح پہچان بھی لیا ہے۔

تحریک منہاج القرآن دونوں طبقات کے موجودہ رویوں کی مذمت کرتی ہے۔ اللہ کا دین اس کی شریعت اور نظام مصطفیٰ ﷺ ہر گز ایسی چیز نہیں جسے حکمران اپنی سیاسی دوکان چکانے کیلئے استعمال کر سکیں۔ ہمارا ایمان ہے جس نے بھی اسلام کے ساتھ فراڈ کیا، تاریخ کے ریکارڈ پر وہ عبرت بن گیا۔ ہم دور کیوں جائیں چند برس پہلے کی بات ہے اسلام کو اقتدار کیلئے استعمال کرنے والوں کا وجود فضاؤں میں تحلیل ہو گیا جبکہ مخالفت کرنے والے بھی ذلیل و خوار ہو کر دنیا سے چلتے بنے۔

قائد تحریک منہاج القرآن نے اس تاریخی موقع پر اپنی طرف سے 14 نکات پیش کر کے ان اسلام پسند حکمرانوں کو تاریخ کے کٹھرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ وہ اسلام کا نام لینا چھوڑ دیں گے یا پھر اسلام کا حقیقی نفاذ کریں گے۔ آج نفاذ اسلام کے اعلان کو ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ ہمیں پورے ملک میں کہیں بھی شریعت محمدی ﷺ کے نفاذ کی جھلک نظر نہیں آتی۔ ٹی وی پروگرام اسی طرح فحاشی پھیلا رہے ہیں، اخبارات میں وہی بے ہودگی موجود ہے، ملک بھر کے سینما گھروں میں غیرت و حمیت کو بالائے طاق رکھ کر سب

کچھ جاری و ساری ہے، حکومت نے خود سودی نظام کے حق میں رٹ دائر کر رکھی ہے، اسمبلی ممبران شراب و شباب سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اکثریت قوم کا سرمایہ کھا کر ہضم کر چکی ہے۔
چوں کفر از کعبہ بر خیز و کجا مانند مسلمانی؟

ہم ارباب حکومت کو آج بڑا ملتا رہے ہیں کہ اگر وہ فی الواقع اسلام کے ساتھ مخلص ہیں تو ایک دن کی تاخیر کئے بغیر شریعت بل منظور کروائیں اور ملک میں اسلام کو نافذ کر دیں پھر خدا کی رحمت اور مدد بھی آپ کے شامل حال ہو جائے گی۔ کوئی سپر طاقت ہمارا لبال بھیرگا نہیں کر سکے گی اور آئندہ تاریخ آپ کو اسلام کے وفادار اور ملک کے محسنوں میں شمار کرے گی لیکن اگر آپ نے مظلوم عوام کی ساتھ دھوکہ کیا ہے اور اسلام کو تاش کا پتہ سمجھ کر محض ایک کھیل کھیلا ہے تو یاد رکھو! تمہارا انجام عبد اللہ بن ابی سے بھی برا ہوگا۔ تاریخ تو آپ کو منافق اور دغا باز کے طور پر پیش کر ہی دے گی، اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے سامنے بھی آپ کو اس جرم کا حساب دینا پڑے گا۔ پھر دین کے ساتھ فراڈ کے نتیجے میں آپ کے متعلق وہاں سے جو فیصلہ ہوگا اس کے خلاف آپ کے پاس اپیل کرنے کا کوئی فلور نہیں ہوگا۔ اس سے پہلے کہ اللہ کی بے آواز لاشی تم پر برس پڑے اور تمہارے ایوان فرعونی ایوانوں کی طرح نشانِ عبرت بن جائیں، شریعتِ اسلامی کا مذاق اڑانا چھوڑ دو۔ دوئی پسندی، منافقت اور کفر ہے اسلام صاف ستھرا دین ہے اس کو نافذ کرنے والے بھی صاف ستھری سیاست کرتے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضادات نہیں ہوتے۔ ان کی نظر کرسی کی بجائے خداوندِ قدوس کی رضا پر ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں اللہ کی شان کے علاوہ کسی کی شان نہیں چھتی اور تاجدارِ کائنات نبی ﷺ کے علاوہ کسی کو اپنا رہنما نہیں سمجھتے۔ قدرت نے آپ کو دونوں اختیار دے دیئے ہیں۔ چند ٹکوں کے عوض اقتدار کیلئے قومی حمیت کا سودا کر لو اور تاریخ میں عبرت کا نشان بن جاؤ یا اللہ کے بھروسے پر اسلام کا حقیقی نفاذ کر دو اور رہتی دنیا تک زندہ جاوید ہو جاؤ۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے

(اکتوبر ۱۹۸۸ء)

کراچی کی سٹرکوں پر ”پاکستان“ کا چھلنی لاشہ

۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کا سورج اہل پاکستان پر اپنی نورانی کرنیں نچھاور نہیں کر پایا تھا کہ ملک و ملت کے ہمدرد حکیم محمد سعید کا خورشید حیات ایک سفاکانہ حملے میں کراچی کے افق سے غروب ہو گیا۔ پاکستان اور بالخصوص کراچی کی سر زمین پر قتل و غارت گری چونکہ روز مرہ کا معمول بن گیا ہے اس لیے عام آدمی کی موت کی خبر پر تو اب کان بھی کھڑے نہیں ہوتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امن و سلامتی کے ان دشمنوں نے اس مرتبہ ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم سپوت کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا تاکہ ملک کے اندر اور باہر ہر خاص و عام کو حالات کی سنگینی کا بھر پور ادراک ہو سکے، سو وہ ہو گیا ہے۔

۷۸ سالہ حکیم محمد سعید محض ایک شخص ہوتے تو ان کی موت اہل پاکستان کیلئے اتنا بڑا سانحہ نہ ہوتی لیکن وہ تو ایک مستقل ادارہ تھے۔ ایسا ادارہ جس کے کئی شعبے تھے اور ہر شعبے میں ایک جہاں آباد تھا۔ علم کا جہاں، حکمت کا جہاں، تہذیب و ثقافت کا جہاں اور اعلیٰ انسانی اقدار کا جہاں۔ اس لئے ان کا قتل پون صدی پر مشتمل ایک عہد کا خاتمہ ہے اور ایک باوقار تہذیبی اور ثقافتی ورثہ سے محرومی ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے مرنے سے انسانیت کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف اپنے وجود کو زندہ رکھنے کے لئے جیتے ہیں، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دم سے انسانیت نمودار ہوتی ہے اور ان کا وجود اعلیٰ انسانی اقدار کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کائنات کی سب سے قیمتی متاع ہوتے ہیں۔ ہمدردِ ملت حکیم محمد سعید مرحوم ایسے ہی سعادت مند انسانوں میں سے ایک تھے جن پر انسانیت ہر دور میں فخر کرتی ہے۔ پاکستان بنا تو وہ ستائیس سالہ خوشحال جوان تھے، ان کے گھر میں دینی دنیوی اور سماجی اعتبار سے وہ سب کچھ موجود تھا جس کیلئے لوگ عمر بھر تگ و دو کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں پاکستان کی محبت ان

کے ہر جذبے پر غالب تھی اس لئے انہوں نے دہلی میں ہنستا ہستا گھرانہ چھوڑا، عزیز رشتہ دار اور دوست احباب کی رفاقت کو خیر باد کہا اور مہاجر بن کر اسلامی مملکت کا شہری بننے میں فخر محسوس کیا۔ کراچی میں ایک چھوٹے سے کرائے کے کمرے میں اپنے مشن کا آغاز کیا۔ خلوص نیت، مقصد سے لگن اور ارادے میں پختگی ان کا سرمایہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابیوں پر کامیابیاں عطا فرمائیں۔ قدرت نے انہیں بلند پہاڑوں جیسی صلابت، ان کے دامن میں بہنے والے دریاؤں جیسا فیاض، شفاف دل اور ان کی تمناؤں میں صحراؤں کی سی وسعت دے رکھی تھی۔ ان کی زندگی کا ایک لمحہ فرض شناسی اور نظم و ضبط میں ڈھلا ہوا تھا۔ ان کی اجلی اور شفاف شخصیت روشنی کا ایسا مینار تھی جس سے ملک اور بیرون ملک علم و عمل، حکمت و تدبیر، دانش و بینش، تقویٰ و طہارت اور اسلامی محبت و موڈت کی کرنیں چھن چھن کر نکلتی تھیں۔

وہ حافظِ قرآن بھی تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ایسے عاشق جو اپنے عمل سے اس تعلقِ عشقی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ان کی عظمت میں جہاں انسان دوستی اور خدمتِ خلق کے بلند معیار دکھائی دے رہے ہیں ان سے کہیں زیادہ ان کی دینداری، نیکی، ایثار کیشی اور تقویٰ و طہارت کا عمل دخل تھا۔ وہ ظاہری زندگی میں جتنے آئیڈیل تھے، ذاتی اور نجی زندگی میں اس سے کہیں بڑھ کر قابلِ تقلید تھے۔ ان کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ وافر تھا لیکن وہ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ سادہ رہائش اور خوراک استعمال کرتے تھے، کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے اور سب کے لئے خیر خواہ تھے۔ اتباعِ رسول ﷺ کا اس سے بڑا پیکر اور کون ہو گا؟ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جب پاکستان کے شہری بنے تو اپنی ساری صلاحیتیں پاکستان کی تعمیر کیلئے وقف کر دیں اور وہ رات کو پاکستان کی خوشحالی کے متعلق جو خواب دیکھتے اگلے روز اس کی حقیقی تعبیر کے لئے سرگرم عمل ہو جاتے۔ اس سے بڑی عظمت اور خدمت کیا ہوگی کہ وہ وفاقی وزارت اور صوبائی گورنری کے اعلیٰ حکومتی مناصب پر پہنچ کر بھی اسوہ صدیقی پر عمل کرتے ہوئے اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیتے اور حسبِ معمول پورے ملک

میں مریضوں کی مفت مسیحا کرتے تھے۔

وہ موجودہ حکومتی قیادتوں سے قطعاً مختلف کردار کے حامل تھے۔ انا پرستی کا بت تو انہوں نے کبھی پلنے ہی نہیں دیا تھا۔ گئی مال و دولت کی ہوس تو اس سلسلے میں بھی وہ قطعاً بے نیاز تھے۔ حکومتی منصب پر فائز رہے تو بھی ان کی نظر لوٹنے پر نہیں لوٹانے پر رہی، موجودہ حکمرانوں کی طرح قوم کا خون نہیں چوستے تھے بلکہ اپنے جگر کا خون دے کر وطن کے نونہالوں کی تربیت ان کا مشن تھا۔ وہ بھی مہاجر تھے لیکن انہوں نے اس ہجرت کو نہ کبھی جتلیا اور نہ کسی گروہ کا حصہ بن کر نفرتوں کے جنگل بوئے بلکہ خونخوار ماحول میں محبت کے شہستان اگائے اور جہالت کی تاریکیاں کافور کرنے کیلئے علم و حکمت کے شہر بسائے۔

انہوں نے بلوچستان اور سندھ کے سنگم پر ایک ویرانے کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں علم و حکمت کا خوبصورت شہر ”مدینۃ الحکمت“ تعمیر کر دیا جہاں اب ایشیاء کی خوبصورت ترین لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی اور طبیہ کالج کے علاوہ ہزاروں معصوم بچوں کی تعلیم و تدریس کا مثالی ادارہ قائم ہو چکا ہے۔ مدینۃ الحکمت حکیم صاحب کے خوبصورت خوابوں کی وہ عملی تعبیر ہے جس میں قوم کے جسمانی امراض سے لے کر فکری، نظریاتی اور روحانی علاج کا بندوبست ہو رہا ہے۔ ان کا دستِ شفاعت بیک وقت افراد کی نبضوں پر بھی رہا اور قوم کی دکھتی رگوں پر بھی۔

افسوس! زندگی کی سوغات لوٹانے والا وہ مسیحا۔۔۔ جو اہل وطن کی جسمانی بیماریوں سے لے کر نفسیاتی اور روحانی بیماریوں کے علاج میں مگن تھا، جو اپنے فکر و عمل سے نفرتوں کی چنگاریاں بجھا کر محبتوں کی کیا زیاں ہموار کر رہا تھا۔ خوف و دہشت اور نفرت کی تپتی دھوپ نے جب باب الاسلام کا حسن جھلسا دیا تو وہ شجرِ سایہ دار بن کر کراچی کے مکینوں میں درد کی دولت تقسیم کرتا رہا۔ جو ظلمتوں کا سینہ چاک کر کے علم کی نہریں نکالنے میں لگا رہا اور کوہ کن بن کر تیشہ عمل سے نئے پیکر تراشنے کی مشقت کرتا رہا۔ اسے بھی ہم محفوظ نہ کر سکے۔ ان کی نگاہوں میں روشن پاکستان کا عظیم مستقبل سما یا ہوا تھا جس کیلئے انہوں نے اپنے شب و

روز سمیت اپنا تمام اثاثہ وقف کیا ہوا تھا۔ ان کی شخصیت چلتا پھرتا پاکستان تھی جس کے لئے اقبال، قائد اعظم اور لاکھوں مسلمانوں نے سہانے خواب دیکھے تھے۔ وہ اپنے ظاہر و باطن کی طرح پاکستان کو بھی تندرست صاف اور خوشحال دیکھنا چاہتے تھے۔ افسوس! ملک و ملت کے اس محسن کو اسی قوم نے خون میں نہلایا۔ انہیں اسی بستی کے بد بخت مکینوں نے گولیوں سے چھلنی کیا جس بستی میں انہوں نے اپنے جگر کا خون دے کر بہاریں لائی تھیں۔ کراچی کی سڑک پر حکیم سعید قتل نہیں ہو بلکہ پاکستان کا وجود گولیوں سے چھلنی ہوا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے قاتل جس بھی گروہ کے افراد ہیں وہ نہ ملتِ اسلامیہ کے وفادار ہیں اور نہ ملک کے خیر خواہ۔ کتنی بد بخت ہیں وہ فضائیں جہاں اس سعید روح کے قاتل سپانس لے رہے ہیں اور کس قدر بد نصیب ہے وہ سر زمین جس پر ایسے ننگ انسانیت اپنے ناپاک وجود کے ساتھ قیام پذیر ہیں۔ ان کے قاتل پکڑے بھی جائیں تو قوم کے سامنے انتقام کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اصل مجرم تو وہ دماغ اور وہ رویہ ہے جس کے اکسانے پر یہ سانحہ پیش آیا۔ جب تک وہ ختم نہیں ہوتا ایسے سانحے پیش آتے رہیں گے۔ اس لئے حکومت اگر مخلص ہے تو حکیم صاحب کے قاتلوں سمیت اس منظم گروہ کی بیخ کنی کرے جس کے ایماء پر ایسے گنچ ہائے گراں مایہ ہر روز رزقِ خاک ہو رہے ہیں۔

حکومت نے ان کے قتل کا مقدمہ بھی حسب معمول ان نامعلوم قاتلوں پر دائر کیا ہے جو آج تک کبھی پکڑے نہیں گئے۔ بھاری مینڈیٹ کی حکومت کے منہ پر اس سے بڑا طمانچہ کیا ہوگا کہ اس کا ”مضبوط ترین“ وزیر اعظم ملت کے اس معمار کے جنازے پر نہیں جا سکا۔ حکومت اگر اس شورش پر قابو نہیں پاسکتی تو وہ نااہل ہے اور اگر اسے ان مجرم قوتوں کا علم ہے اور وہ مصلحت کے پیش نظر ہاتھ نہیں ڈالتی تو غدار ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے اقتدار میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ حکیم صاحب کی سفید شیروانی پر لگنے والے خون کے دھبے تو فرشتے کو ثروتِ تنیم سے دھو چکے ہوں گے کیونکہ وہ شہید ہوئے ہیں مگر ان کے قتل سے پاکستان کی تاریخ اور انسانیت کے چہرے پر جو دھبہ لگا ہے اسے کون صاف کرے گا۔

”کوئی علاج اس کا بھی اے چارہ گر ہے کہ نہیں؟“

(نومبر ۱۹۸۸ء) (ہمدردِ ملت حکیم محمد سعید کی شہادت کے موقع پر)

شریعت بل اور سی ٹی ٹی پر قومی اتفاق رائے کی ضرورت

یہ حقیقت اب زیادہ کھل کر ثابت ہو چکی ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان، باطل سامراجی طاقتوں کے بجز استبداد میں کراہتے ہوئے عالم اسلام کا واحد نقیب ہے۔ اقوامِ عالم میں ہمیشہ کی طرح اگرچہ اب بھی سیاسی حکمرانی کیلئے طاقت کا ہتھیار ہی کارآمد ہے لیکن عصرِ حاضر میں ”اس طاقت“ کے معیار تبدیل ہو رہے ہیں۔ پہلے وقتوں میں جس کے پاس جنگجو افراد کی کثرت ہوتی تھی، حکومت اور سیاست پر اس کا تصرف ^{ایک مطلق عمل} تھا جبکہ آج افراد کی قوت اور سامانِ حرب و ضرب کی کثرت نہیں بلکہ صلاحیت، قوت و طاقت کی علامت ہے۔ اس حقیقت کا مشاہدہ خلیج میں باآسانی کیا جاسکتا ہے جہاں وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے درجنوں عرب ممالک افرادی قوت اور وسائل کی کثرت کے باوجود چھوٹے سے اسرائیل کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتے۔ پوری دنیا پر سیاسی غلبے کا خواب دیکھنے والے یہودیوں نے آج سے کئی سال قبل سر جوڑ کر ”پروٹوکولز“ کے نام سے جو منصوبہ تشکیل دیا تھا اس کا بیادی فلسفہ بھی یہی تھا۔ اسی لئے صہیونیت کا عالمی ایجنٹ امریکہ اپنے نیوورلڈ آرڈر کے ذریعے ہر وہ کام کر رہا ہے جو اس یہودی منصوبے کی تکمیل میں مدد ہو۔ قبل ازیں سرخ و سفید سامراج آپس میں طاقت کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس لئے ان کی توجہ بھی اسی طرف تھی اور توازن بھی قائم تھا لیکن اب معاملہ قطعاً مختلف ہے۔ روسی سامراج عروج کے بعد اپنی طبعی موت سے ہمکنار ہو چکا ہے اور امریکہ اسلام دشمن حلیفوں کے ساتھ مل کر عالم اسلام کے ساتھ کھلے مقابلے پر اتر آیا ہے۔ مزاحمتی کاروائیوں سے نپٹنے کیلئے اس نے بڑی صفائی سے اسلامی دنیا کے وسائل پر قبضہ کر لیا ہے اور بد قسمتی سے ان ممالک کے سربراہان باہمی انتشار اور ہوس اقتدار کے باعث اپنے اذلی دشمن کے اشاروں پر ناچار رہے ہیں۔

ان حالات میں پاکستان جیسے نظریاتی ملک کا ایٹمی قوت بن جانا عالم کفر کیلئے سب

سے بڑا چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی یونین سے لے کر اسرائیل اور بھارت جیسے ممالک اسلام اور پاکستان دشمنی میں امریکہ کے ساتھ متحد ہو چکے ہیں۔ ان ممالک کے تحقیقاتی ادارے اور خفیہ ایجنسیاں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت پر اپنی نظریں گاڑھ چکی ہیں اور عراق کی طرح پاکستان کو بھی اپنے ناپاک عزائم کا نشانہ بنانے کے منصوبوں کو عملی شکل دے چکی ہیں۔ کالا باغ ڈیم، سی ٹی بی ٹی اور ”شریعت بل“ جیسے متنازعہ مسائل پر قومی انتشار اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس صورتحال کو بھانپتے ہوئے قائد تحریک منہاج القرآن پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے گذشتہ دنوں مرکزی سیکرٹریٹ پر ایک قومی مذاکرے کا اہتمام کیا تاکہ ملک کی نمائندہ سیاسی و مذہبی جماعتوں کے قائدین کا موقف سن کر وطن کی بہتری کیلئے کسی متفقہ نتیجے پر پہنچا جائے اور حکومت وقت کو تاریخ کے اس نہایت نازک موڑ پر قومی امنگوں کے مطابق فیصلے کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ قائد محترم نے شریعت بل اور ”سی ٹی بی ٹی“ پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”ہم الحمد للہ مسلمان ہیں اور ہمارا جینا شریعت اسلامیہ کیلئے وقف ہے لیکن پندرہواں ترمیمی بل ایک مذہب موم سیاسی کوشش ہے جس کو عاقبت نااندیش حکمرانوں نے شریعت بل کا نام دے رکھا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو سٹرکوں پر لا کر اپنی حمایت میں جذباتی کیا جاسکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شریعت بل منظور ہو کر نافذ ہو جائے تو حالات میں مثبت تبدیلی کی ضمانت قطعاً نہیں دی جاسکتی کیونکہ شریعت اسلامیہ بلوں کی منظوری کی محتاج نہیں بلکہ وہ اخلاص نیت، دینداری اور روزمرہ زندگی میں پاکیزگی دیکھنا چاہتی ہے۔ جو حکمران ملک میں شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں پہلے وہ اپنے کردار و عمل میں تودینداری پیدا کر لیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ 73ء کے آئین میں کونسی ایسی شق ہے جو نفاذ اسلام میں رکاوٹ ہے۔ اس میں باقاعدہ درج ہے کہ ”پاکستان میں کوئی قانون قرآن و سنت کی بالادستی کے خلاف نہیں بنے گا“ جب پہلے سے آئین میں یہ گنجائش تھی تو اب نئے بل کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ جو حکمران شریعت نافذ کرنے کے لئے موجودہ شریعت بل کا انتظار کر رہے ہیں انہوں نے خود معیشت کے خاتمے سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو چیلنج کیا ہوا ہے اور

سپریم کورٹ میں اس کے خلاف اپیل دائر کر رکھی ہے۔ جب ہمارا آئین ملک میں محرمات کے وجود کو کسی بھی شکل میں برداشت نہیں کرتا تو قدم قدم پر خلاف شریعت سرگرمیاں کیوں جاری ہیں اور یہ حکومت شراب اور بدکاری کے اڈوں کی سرپرستی کیوں کر رہی ہے؟ اسلامی شریعت کا پہلا اصول مساوات اور نظامِ عدل ہے جس کا آغاز ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد ”مواخاتِ مدینہ“ سے ہو گیا تھا جس میں حضور ﷺ نے وسائلِ رزق کو تقسیم کر کے ہر شخص کو برابری کے حقوق سے نوازا تھا حالانکہ اس وقت نہ ارکانِ اسلام نافذ ہوئے تھے اور نہ باقی شعبے باقاعدہ عمل میں آئے تھے لیکن آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ غریب دو وقت کی روٹی کو ترستا ہے اسے پینے کا صاف پانی اور تن ڈھانپنے کیلئے ۵ میٹر کپڑا میسر نہیں اور دوسری طرف حکمرانوں کے محلات، دولت و ثروت کے ڈھیر اور لامحدود وسائل ہیں جن پر وہ سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ جدید دور کے یہ فرعون انہی غریبوں کا خون چوس کر انہی پر عدل و مساوات کے نفاذ کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہم بجا طور پر یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ بل حکومت کی منافقت کا مظہر ہے جس سے اسلام پوری دنیا میں مزید بد نام ہوگا۔ اس لئے ہم نے قبل ازیں بھی اپنے ۱۴ نکات پیش کر کے اس عمل کو درست سمت دینے کی کوشش کی تھی۔

جہاں تک سی ٹی ٹی ٹی (Comprehensive Test Ban Treaty) یعنی ”

ایٹمی تجربات پر پابندی کے جامع معاہدے“ پر دستخطوں کا معاملہ ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خطرناک سازش ہے جس کے پیچھے امریکہ کے سازشی یہودیوں کا مکمل ہاتھ ہے۔ اس پر دستخطوں کے لئے پاکستان پر دباؤ ڈالنے والے امریکہ نے خود اس کی توثیق نہیں کی۔ ہمارے ہاں جو لوگ اس معاہدے پر دستخطوں کے حامی ہیں انہیں دراصل حقیقتِ حال کا صحیح ادراک نہیں ورنہ کوئی صاحبِ شعور محبِ وطن اس کے مضمرات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس معاہدے کا مسودہ ابتدائیہ کے علاوہ آرٹیکلز، تین حصوں اور دو ضمیمہ جات پر مشتمل ہے جس میں سے پہلا حصہ انٹرنیشنل مانیٹرنگ سسٹم پر دوسرا موقع

ملاحظہ اور معائنہ کے قانون پر اور تیسرا حصہ ممبر ممالک کے درمیان اعتماد کی بحالی کے اقدامات پر مبنی ہے۔ سی ٹی ٹی کے آر ٹیکل ۴ پیرا ۱۴۱ سے ۱۰۱ تک واضح طور پر بار بار ذکر کیا گیا ہے کہ کسی بھی ممبر ملک کی اجازت ہوگی کہ وہ اپنے حریف ملک کی تنصیبات کا پوری تسلی اور گہرائی سے جائزہ لینے کیلئے ماہرین (Observers) کی ٹیم بھیج سکے گا جو موقع پر حساس مقامات کی مکمل رپورٹ اپنے ملک کی ایٹمیسی کو ٹرانسفر کر سکے گی۔ ان مندرجات کے اندر موجود سہولیات سے فائدہ اٹھا کر اگر ہندوستان، اسرائیل یا کوئی بھی اسلام دشمن ملک پاکستان کے حساس مقامات کی تفصیلات حاصل کرنے کیلئے ٹیم تشکیل دے گا تو بتائیے پاکستان کی پوزیشن آج کے عراق سے مختلف ہوگی؟ ہمارے پاس کونسی سیاسی طاقت اور اخلاقی جواز ہوگا کہ ہم دشمنوں کو اپنی قومی سلامتی کے رازوں سے دور رکھ سکیں گے۔ امریکہ اگر ہمیں اقتصادی امداد کا لالچ دے کر اس خطرناک معاہدہ پر دستخطوں کا کہہ رہا ہے تو اس میں آخر کوئی حکمت تو ہوگی۔ ہمارا اتنا ہمدرد اور مہربان وہ کب سے بن گیا ہے کہ ایک طرف وہ اسلامی ممالک پر دن دھاڑے آگ برسانے سے بھلی باز نہیں آتا اور دوسری طرف وہ پاکستان جیسے ”خطرناک“ ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا سرمایہ خرچ کرنے پر راضی ہو جائے۔ ہمارے حکمران اپنی حماقتوں سے مجبور ہو کر اقتدار کے تحفظ کیلئے اس خطرناک کھیل میں اس کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ ہمارے وزیراعظم نے اسمبلی سے اس بل کی حمایت پر قرارداد بھی منظور کروالی ہے اور حالیہ دورہ امریکہ کے دوران نوازشات کے عوض کسی ممکنہ پیش رفت کا اشارہ بھی دے دیا ہے۔

اس مسئلے کا سب سے اہم اور ضروری پہلو جو اس وقت قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی مناسب موقع نہیں ملے گا۔ ہندوستان ہر لحاظ سے ہمارے مقابلے میں مضبوط ہے۔ ایٹمی دھماکوں کے بعد یہ دیرینہ مسئلہ جس قدر عالمی سطح پر نمایاں ہوا ہے اس کو منطقی انجام تک پہنچانا ہی ہماری قومی پالیسی کا مقصد ہونا چاہیے۔ امریکہ کے تحقیقاتی اداروں نے پاکستان کے متعلق امریکی صدر اور کانگریس کے

سامنے جن تین امکانات کا ذکر بطور خاص کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دستخط نہ کرنے کی صورت میں مسئلہ کشمیر حل کروایا جائے گا تاکہ بھارت اور پاکستان کے درمیان متنازع معاملات کی عدم موجودگی کی دلیل بنا کر دستخط کروائے جائیں۔ لہذا دستخط کرنے ہی ہیں تو کم از کم مسئلہ کشمیر کو اس سے مشروط کر دیا جائے۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو حکومت بتائے وہ ۵ ارب ڈالر کے عوض پوری قوم اور ملت کی غیرت و حمیت کا سودا کیوں کر رہی ہے؟ جہاں تک اقتصادی پابندیوں کا تعلق ہے یہی حکم ان پہلے کشلول توڑنے کا عہد کر چکے ہیں۔ انہیں اگر قوم اور ملک سے ہمدردی ہے تو باہر کے بچوں میں رکھی ہوئی وہ دولت واپس لے آئیں جو اس قوم کا حق بھی ہے۔ یہ کونسی حب الوطنی اور اسلام دوستی ہے کہ اپنے دشمنوں سے زندگی کی بھیک مانگنے کیلئے ان کے در پر حاضر یاں دی جائیں اور اپنے قومی تقاضوں کے برعکس ان کی من مانی شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی نسلوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ ویسے بھی امریکہ اب زیادہ دیر تک اقتصادی پابندیاں جاری نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ پاکستان مجبور ہو کر کسی اسلامی ملک کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کر دے۔ لہذا اس سے پہلے کہ شریعت بل اور سی ٹی بی ٹی جیسے مذہبی اور قومی معاملات مزید قومی بگاڑ کا باعث بن جائیں ان پر اتفاق رائے کر لینا چاہیے۔ ملک کے عوام و خواص کو اعتماد میں لینا چاہیے اور دو روزہ اقتدار کی خاطر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس سے ملک و ملت کو ناقابل تلافی نقصان کا شکار نہ بنے۔

(دسمبر ۱۹۸۸ء)

گولڈن جوبلی سال کی تلخ تاریخی یادیں

ہماری قومی تاریخ کا گولڈن جوبلی سال ۱۹۹۷ء بالآخر رخصت ہو گیا۔ اس سال حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر بے شمار گولڈن جوبلی تقریبات منعقد کی گئیں۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس پچاس سالہ جشن کی تیاریاں سابقہ حکومت نے شروع کیں لیکن حالات اور وقت نے ”پچاری“ PPP کی حکومت کا ساتھ نہ دیا اور یوں حب الوطنی کا سہرا موجودہ حکومت کے وزیروں، مشیروں اور کارکنان کے سر بٹھا رہا۔ قوم نگران حکومت کے ناتواں کندھوں پر سوار ہو کر جب پچھلے سال ۱۹۹۶ء میں داخل ہوئی تو اسے ”بے رحم احتساب“ کا جھانڈہ دیکر نئے الیکشن میں جھونک دیا گیا۔ چنانچہ قوم نے گولڈن جوبلی سال کا آغاز الیکشن ۱۹۹۷ء کی تیاریوں کے ساتھ کیا۔ ۳ فروری کو جب میدان لگانے اس پچاس سالہ مسافر قوم کی اکثریت نے جمہوریت کے اس دن گل میں اترنے سے احتراز کیا اور ووٹ ڈالنے کی بجائے گھروں کی چار دیواری میں نرم گرم بستروں پر آرام کو ترجیح دی۔ ایسے لوگوں کی اکثریت ان ابلہ پامسافروں پر مشتمل تھی جو پچھلے عرصہ میں کئی بار اپنے مہربانوں کے ”تیر“ کھا چکے تھے۔ بچے کچھ تیر اندازوں نے مورچہ لگایا لیکن رمضان المبارک میں ۳ فروری کی سرد ہوائیں ان کے لئے بادِ مخالف ثابت ہوئیں۔

۳ فروری کا سورج پاکستانی سیاست پر ایک عرصہ تک چھائے رہنے والے بھٹو خاندان کے جملہ امکانات کو سمیٹتے ہوئے شفق کی سرخی میں ڈوب گیا۔ رات جوں جوں گہری ہوتی گئی پاکستانی سیاست کا ایک نیا باب رقم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ اگلی صبح جب ۴ فروری کے سورج نے افق سے جھانک کر دیکھا تو سر زمین پاکستان ”شیر“ کے آہنی پنچوں میں جکڑی جا چکی تھی۔ پریس اور الیکٹرونک میڈیا سے لیکر گلی، محلوں میں دوڑنے والے پنچوں کی زبانوں تک ”شیر کی بہادری“ موضوع بنی ہوئی تھی۔ آج سے پاکستانی سیاست کی بساط پر ”خاندان شریفان“

کی عملداری کا دور شروع ہو رہا تھا۔ کئی مہربانوں نے اس کامیابی پر گھی کے چراغ روشن کئے۔ مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور بھنگڑے ڈالے گئے۔ ”شیر آگیا میدان وچ ہو جمالو“ کے بھنگڑے ڈالنے والوں میں سے بعض تو وہی تھے جنہوں نے ”بھٹو آگیا میدان وچ ہو جمالو“ پر رقص کی مشق کر رکھی تھی۔

اہل وطن کے ایک طبقے نے تو قوم کی اس ”شرافت پرستی“ پر کھفِ افسوس ملا۔ کئی اس جمہوری اکھاڑے کے غیر متوقع نتائج پر دم بخود تھے۔ خود موجودہ وزیر اعظم میاں نواز شریف بھی حیران تھے کہ تقدیر آج ان پر یوں ریکارڈ توڑ مہربانیاں کیوں کر رہی ہے۔ بعض باخبر اور تجربہ کار بزرگوں نے اسے خاکی وردی میں ملبوس فرشتوں کی صاف ستھری کاروائی پر محمول کیا جو اس روز رحمت اور امن کی علامت بن کر ہر پولنگ سٹیشن کے علاوہ ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے۔

بہر حال جو بھی ہو اور جیسا بھی ہو ”شیر“ پورے طمطراق سے اقتدار پر بر اجمان ہو گیا۔ مسلم لیگ کی کامیابی کو انقلاب سے بھی تعبیر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل وطن پر خصوصی انعام بھی کہا گیا۔ ایسے خیر خواہوں کے بقول ملک اب تخریب کار مشکوک ہاتھوں سے نکل کر محب وطن، باکردار اور تعمیر کی خواہش رکھنے والے مضبوط ہاتھوں میں آچکا تھا۔ شیر نے ملک دشمنوں اور لوٹ مار کرنے والے سیاست دانوں سمیت خرابی کی اصل جڑ افسر شاہی کے خلاف چنگھاڑنا شروع کیا۔ کئی ایک ”بددیانت“ افسر تو آہنی پنجوں کا شکار بھی ہوئے۔ منگائی بے روزگاری اور غربت کی چکی میں پسے ہوئے بد قسمت لوگوں کو یہ سب کچھ اپنی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل کی طرف اٹھتا ہوا قدم محسوس ہوا۔ ”قرض اتارو ملک سنوارو“ کا مثبت اور منفرد منصوبہ تو ہر شخص نے سراہا اور سب نے حتی المقدور اس اپیل پر اپنی پونجی وطن کے نام پر قربان کرنے کو سعادت سمجھا لیکن یہ سلسلہ ابتدائی ایام کے بعد بتدریج ٹھنڈا پڑ گیا کیونکہ لوگوں کو اس میں بھی بددیانتی کی بو آرہی تھی۔ خیر اس سکیم سے حکومت کے بقول اگرچہ ارب ڈالر جمع بھی ہوئے تو یہ رقم عالمی مالیاتی اداروں کے منہ میں زیرہ بھی نہیں۔ ۲۸

بلین ڈالر کے قرضے چھ ارب سے کیسے اتر سکتے ہیں۔ بہر حال بقول حکومت وہ ”نا دھندہ“ قرار دیئے جانے سے بال بال بچ گئی۔ اسے قرضوں کی اگلی قسط بھی مل چکی ہے جس سے ”تعمیر وطن“ جاری ہے۔ ایک اخباری اطلاع اور ماہرین کی مصدقہ رپورٹ کے مطابق ہم ان قرضوں کی واپسی کی بجائے ہر سال تقریباً ایک کھرب ۳۶ ارب روپے تو صرف قرضوں کے سود کی رقم ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان کی پچاسویں سالگرہ پر جب احتساب کی گونج سنائی دی تو قوم نے پہلی مرتبہ اس مطالبے پر سو فیصد خوشی اور رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ احتساب اگر تکمیل پذیر ہو گیا تو ہمیں عالمی مالیاتی اداروں کی طرف دیکھنے اور ان کے سامنے کاسہ گدائی رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲۰ ارب ڈالر تو ان سیاسی مگر مچھوں کے نام ریکارڈ پر ہیں جو اسی ملک میں گھوم پھر رہے ہیں۔ اس لسٹ میں کئی پردہ نشینوں کے علاوہ موجودہ وزیر اعظم کا نام بھی ہے جن کے ذمے ایک ذمہ دار شخص کی رپورٹ کے مطابق تقریباً ۸ ارب ڈالر کا قرض ہے۔

خیر ہم تو بات کر رہے ہیں گولڈن جوبلی سال کی تقریبات کی جن کے غلغلے میں احتساب کی صدا تمام تر جوازات کے ساتھ دب گئی اور اب تک دبتی چلی جا رہی ہے۔ ۷۹ کا ابتدائی عرصہ تو قرض اتارو مہم کی نذر ہوا اور پھر گندم کے بحر ان نے حکومت کی چولیس غیر متوقع طور پر ہلا کر رکھ دیں۔ دوسری طرف اسلام آباد کے نو تعمیر شدہ کانفرنس سینٹر میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے غیر معمولی اجلاس کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں۔ ۲۳ مارچ کے اس شاندار عالمی اجلاس کے ساتھ پاکستان میں اعلیٰ سطحی گولڈن جوبلی تقریبات کا آغاز ہو گیا۔ قوم پچاس سالہ جشن آزادی منا رہی تھی ساتھ ہی سرکاری اور غیر سرکاری ادارے بھی یہ جشن کسی نہ کسی انداز سے مناتے رہے۔ سرمایہ دار اور مقتدر طبقہ تو اپنی کامیاب حمتِ عملی پر جشن منا رہا تھا جبکہ غریب اور سفید پوش طبقہ تشنہ آرزوؤں کے ڈھیر پر کھڑا ”آزادی کا انجام“ دیکھ رہا تھا۔ بہر حال گولڈن جوبلی پر یہ ملے جلے جذبات تھے لیکن قوم کا اکثریتی طبقہ اب بھی پچھلی باتوں کو فراموش کر کے اچھے دنوں کی امیدیں لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر کیا ہوا ہوس

اقتدار کی تاریخ نے اپنے آپ کو دھرایا اور مسلم لیگی اکثریت پر مشتمل ہماری قومی اسمبلی نے متفقہ قرارداد کے ذریعے اپنے محسن صدر ضیاء الحق مرحوم کی تعمیر شدہ مشہور زمانہ آٹھویں ترمیم کا طاقتور ”صدارتی محل“ مسما کر دیا۔ صدر مملکت جو اپنے دیرینہ ہم مشیروں کے ہاں اسی صدارتی اختیار کو استعمال کرنے کے جرم میں فاروق لغاری سے ”فاروق الحق“ بھی بن چکے تھے، اپنی اس بے بسی اور بے وقعتی پر اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ گئے لیکن سنجیدہ طبیعت کے باوصف حکومت کی طرف سے لگے ہوئے زخم کو خاموشی سے چاٹتے رہے۔ وہ کسی صورت میں بھی چوہدری فضل الہی کا نام نہاد صدارتی عہدہ قبول کر کے خاموش تماشائی بننے پر رضامند نہیں تھے اس لئے مصلحتاً خاموشی اختیار کرتے ہوئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ گولڈن جوبلی تقریبات ۱۴ اگست کو اپنی جوبن پر پہنچ گئیں۔ وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ اور دیگر مشیروں نے ان تقاریب کی نقابت و سیادت کرتے رہے اس عرصہ میں کبھی کبھار احتساب کی صدائے بازگشت بھی سنائی دیتی رہی اور وہ بھی ایک مخصوص شخصیت کے متعلق حالانکہ دونوں سیاسی دھڑے دو دو مرتبہ اقتدار کے ایوانوں کو سعادت بخشے ہوئے لوٹ مار کا بازار گرم کر چکے تھے۔ لوٹ مار کی اسی سر توڑ روش میں دھت پا کر انکو باری باری اقتدار سے چلتا کیا گیا تھا۔ مگر ان حکومت نے بے رحم احتساب کا جو ڈھنڈرو اپیٹا تھا اسے بھاری مینڈیٹ حاصل کرنے والی حکومت نے بھی جاری رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہی قوم کی دکھتی رگ تھی اور اسی کی ضرورت بھی سب سے زیادہ محسوس کی جا رہی تھی۔ بہر حال حکومت نے اس دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور یہ وعدہ کیا کہ ہم غنڈوں، لٹیروں اور چوروں سے قوم کی ایک ایک پائی وصول کریں گے۔ لوگ جسٹس مجدد مرزا صاحب کو بھی اپنا مسیحا سمجھنے لگے کہ یہ شریف اور دیانتدار شخص شاید اپنی احتسابی عدالت میں قوم کے لٹیروں کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن اس اندھے اور کالے قانون کی گتھیاں یہاں بھی حائل ہو گئیں اور ”مجدد“ صاحب کی تمام اجتہادی کاوشیں ”اقدام و خطا کے مرحلے میں پھنس کر رہ گئیں۔

آج تک پورے ایک سال میں ایک بھی فرد جرم عائد نہ ہو سکی اور نہ کسی سے قومی

خزانہ لوٹنے کا اقبال جرم کروایا جاسکا۔ احتساب کمیشن کی زد میں آنے والے آصف زرداری بھی ابھی تک باعزت شہری ہیں۔ وہ نہ صرف قومی مجرم ثابت نہیں ہو سکے بلکہ صاحب بہادر کی ملک کی معزز ترین سینٹ کے رکن منتخب ہو کر حلف بھی اٹھا چکے ہیں۔ ملک و قوم کی خدمت کا یہ دوبارہ عہد اب نہ جانے ان سے کونسی خدمت کروائے گا۔

وزیر اعظم کی ذات بھی زد میں آرہی تھی۔ نواز شریف کو لوگ چونکہ مردِ بحر ان بھی کہتے ہیں اس لئے اس متوقع بحر ان سے خود کو نکالنے کیلئے انہوں نے پورے ملک کو تاریخ کے خطرناک ترین قانونی بحر ان میں جھونک دیا۔ اپنی شرافت کی سفید چادر کو دھبوں سے بچانے کیلئے انہوں نے جو رسک لیا ہے اس نے پورے ملک کے قومی اداروں کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ آئندہ مورخ جہاں یہ لکھے گا کہ ملک کا وزیر اعظم عام شہری کی طرح چیف جسٹس کے کٹہرے میں کھڑا ہوا وہاں اسے یہ بھی لکھنا پڑے گا کہ ملک کے معزز ترین ایوانِ عدل کی دبجیاں بھی پہلی مرتبہ بھیری گئیں اور معزز ایوان کے ارکان آپس میں محاذ آرائی پر یوں اترے کہ عدالت خود عوام کی نظروں میں مجرم قرار پائی۔ پھر پہلی بار ملک کے چیف جسٹس سے انصاف کا قلمدان چھین کر اسے گھر بھیج دیا گیا۔ قانون کی تضحیک کا یہ عمل اس قدر ضرر رساں تھا کہ پورا ملک ایک ناقابلِ تلافی بحرانی کیفیت میں مبتلا کر دیا گیا۔ یہ بھی ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ صدر نے ہنگامی عدالتی کارروائی میں واپس ملنے والے اختیارات کو استعمال نہیں کیا بلکہ اسمبلی کا خون کئے بغیر چپ چاپ خود ہی صدارتی محل سے اپنا بستر بوری گول کر لیا۔ بقول محترم ارشاد احمد حقانی یہ تاریخ بتائے گی کہ اصل کامیابی کسی کی تھی اور ناکامی کس کے حصے میں آئی۔

بہر حال جو بھی ہوا یہ باعثِ عبرت بھی ہے اور قابلِ اصلاح بھی۔ اب تو حکومت نے اسے اپنے نئے مینڈیٹ سے تعبیر کیا ہے۔ وہ نئے عزم اور نئے طمطراق سے بقیہ اہم حکومتی عہدوں پر اپنی پسندیدہ شخصیات کو براجمان کروانے میں مصروف ہے۔ کیا عجب کہ اس نئے ”شریفاں“ ڈھانچے کے ہاتھوں قدرت کوئی تاریخی کام لے ہی لے مگر یہ تو وقت

بتائے گا۔ سر دست قوم پھر اسی دیرینہ مطالبے کو دہرا رہی ہے کہ کہاں گیا وہ ”احتساب“ کہاں گئی وہ قوم کی دولت جو بددیانت کرپٹ لٹیروں سے واپس کی جانی تھی۔ کہاں ہے وہ عدالت جس کے کٹھرے میں کھڑے مجرم اور محسن کا فرق نظر آئے گا۔ قوم کو کب ”ہیرو“ اور لٹیروں کی تمیز ہوگی۔ کیا ہم اس کی امید حالیہ حکومت کی حب الوطنی سے رکھیں یا پھر ملک کی صد سالہ تقاریب کی تیاریوں میں مصروف ہو جائیں۔

روزنامہ جنگ ادارتی صفحہ مورخہ ۳ جنوری ۱۹۸۷ء

مکنہ جارحیت اور قومی سلامتی کے تقاضے

بھارت کے انتہا پسند اور جنونی ہندو حکمرانوں نے اپنی اندرونی کمزوریوں کو چھپاتے ہوئے یکبادیگرے 15 ایٹمی دھماکے کر کے پوری دنیا کو ایک عجیب اضطراب میں ڈال دیا ہے۔ جنونی ایشیاء کے ہر ملک اور بالخصوص پاکستان کی سرحدیں اس شرمناک حرکت سے شدید خطرے میں ہیں۔ آئے روز بھارت کی طرف سے نئے نئے اور دھمکی آمیز بیانات آرہے ہیں۔ یہ صورت حال اس وقت زیادہ تشویشناک ہو جاتی ہے جب امن کے عالمی ٹھیکیدار مغربی ممالک اور ان کے سرپرست امریکہ کی پالیسی سے واضح طور پر بھارت کے لئے جانبداری جھلکتی نظر آتی ہے۔ انتہا پسند حکمران جماعت بی جے پی نے اپنے خطرناک انتخابی منشور میں جن اہداف کا پرچار کیا تھا ان میں ایٹمی دھماکوں کے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک آزادی کو کچلنے کے بعد آزاد کشمیر کو بھی بھارت میں شامل کرنے کا عندیہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لئے اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ باری مسجد کی قاتل موجودہ بھارتی حکومت کا اگلا ہدف آزاد کشمیر پر جارحانہ کارروائی ہے۔

گزشتہ ہفتے بھارت کے وزیر داخلہ ڈاکٹر ایل کے ایڈوانی نے کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی موجودگی میں ایک پریس کانفرنس کے دوران انتہائی بے ہودہ الفاظ میں پاکستان کو ”سبق سکھانے“ کی دھمکی دے دی ہے اور وہ خود اب امور کشمیر کانگراں بھی بن چکا ہے۔ کشمیر سمیت سیاچین میں مسلسل ایسے واقعات ہو رہے ہیں جن میں بھارت کی طرف سے کنٹرول لائن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ بھارت نے اپنی فوجیں اور خطرناک ایٹمی اسلحہ پاکستان کی سرحدوں تک پہنچادیا

ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق گزشتہ ہفتے بھارتی آرمی چیف جب اگلے مورچوں کا جائزہ لینے کشمیر کی سرحدوں پر آیا تو اس کے ہمراہ اسرائیلی آرمی کاڈپٹی چیف بھی تھا۔ علاوہ ازیں ایٹمی

ٹیکنالوجی میں بھی بھارت کو روس، امریکہ اور اسرائیل کا تعاون حاصل ہو رہا ہے۔ اس طرح کے شواہد صاف بتا رہے ہیں کہ موجودہ انتہا پسند ہندو حکومت کی پشت پر اسرائیلی یہودی لابی مصروف عمل ہے اور وہ پاکستان کو عراق کی طرح بے دست و پا بنا کر رکھنا چاہتی ہے۔ اس ساری صورتحال سے نمٹنے کے لئے پاکستانی قوم اور حکومت کو فوری طور پر درج ذیل امور سر انجام دینا ہونگے۔

۱۔ جنوبی ہندو دراصل پاکستان سے گزشتہ ہزار سالہ تاریخ کا انتقام لینا چاہتے ہیں اس لئے اسے ہمیشہ کی طرح اب بھی اینٹ کا جواب پتھر کی صورت میں دیا جانا ضروری ہے اور اس کے لئے پاکستان کو بلا خوف و خطر فوری طور پر ایٹمی دھماکہ کر دینا چاہئے ورنہ تاخیر ناقابل تلافی نقصان کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔

۲۔ حکومت اور اپوزیشن سمیت سیاسی و مذہبی قائدین اور جماعتیں بلکہ پاکستان کا چھ چھ قومی سلامتی کی خاطر تاریخ کے اس نازک موڑ پر ممکنہ صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے یکجہتی کا اظہار کرے۔

۳۔ داخلی خلفشار، صوبائیت پرستی، جغرافیائی، نسلی اور لسانی بتوں کو توڑ کر کراچی سے خیبر تک سارے پاکستانی ایک قوم بن جائیں۔ ایک ایسی نظریاتی قوم جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کی ہر سازش ناکام بنانے کا عزم رکھتی ہو۔

۴۔ حکومت اپنی سست خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کرے اور اپنے حلیف ممالک سے فوری رابطے کر کے انہیں اعتماد میں لے۔ بالخصوص اسلامی ممالک، جہاں سے بھی دھمکی اور غیر اعلانیہ حمایت کی خبریں مل رہی ہیں خلیجی ممالک کو باور کرانا چاہئے کہ یہود و ہنود کا یہ تازہ گٹھ جوڑ آپ کے لئے اتنا خطرناک ہے جتنا پاکستان کیلئے۔ ابھی تک مصر، عراق، شام، ترکی، الجزائر، اردن، ہنگہ دیش، ملائیشیا، انڈونیشیا، برونائی اور سنٹرل ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستیں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ تاحال ان کا کوئی بیان نہیں آیا۔ قبل اس کے کہ چالاک ہندو وہاں اپنے سفارتی و فود بھیجنا شروع کر دے، ہمیں فوری رابطے کر کے اپنا جائز موقف پیش کر دینا

چاہئے۔ اس طرح شاید سفارتی محاذ پر ہماری سابقہ کوتاہیوں کی تلافی بھی ہو سکے گی۔ پاکستان ایران کو او آئی سی کے پلیٹ فارم پر وزرائے خارجہ کانفرنس کیلئے درخواست کرے۔ ایرانی قیادت نے اپنی پوری حمایت کا یقین بھی دلایا ہے۔

۵۔ آزاد کشمیر کے سرحدی علاقوں میں نوجوانوں کے لئے لازمی فوجی تربیت کا فوری بندوبست ہونا چاہئے اور انہیں مناسب ہتھیاروں سے لیس کر دینا چاہئے تاکہ وقت آنے پر فوج کو عوام کا مکمل تعاون حاصل ہو ورنہ سب کچھ پاک فوج کے ذمے لگا دینے سے جارح ہندو کا مقابلہ مشکل ہو گا۔ ویسے بھی مقبوضہ کشمیر میں نہتے عوام آٹھ لاکھ مسلح ہندو فوج کے ساتھ جس طرح اپنی آزادی کی جنگ خود لڑ رہے ہیں سرحد کی اس طرف کے لوگوں کو بھی لڑنی چاہئے۔

۶۔ قوم کو خود انحصاری اور قربانی کیلئے ذہنی طور پر تیار کرنا ضروری ہے۔ مہتمول اور کاروباری حلقے زیادہ ایشارہ بھی کریں صرف اپنے ذمہ واجب الادا ٹیکس ہی ادا کرتے رہیں تو کافی ہے۔ ہماری قوم کا خطرناک کینسر اس وقت کرپشن ہے۔ عام لوگوں نے ٹیکس اور بجلی چوری سے لے کر بچوں کے دودھ اور دواؤں میں ملاوٹ کو اپنا کاروباری شعار بنا لیا ہے۔ ایسی قوم دشمن سے کیا لڑے گی جو اپنی ہی نسل کے خلاف غیر اعلانیہ جنگ میں مبتلا ہے۔

۷۔ ایٹمی دھماکہ ہو جانے کی صورت میں مغربی ممالک کی طرف سے جن اقتصادی پابندیوں کا خدشہ ہے ان سے نمٹنے کیلئے اقتصادی وسائل کی اشد ضرورت ہے۔ ہم مقروض قوم ہیں اور ہماری رگ جاں ہمارے دشمن کے ہاتھوں میں ہے۔ جب تک یہ کشکول گدائی نہیں توڑیں گے ہم ذہنی اور فکری آزادی سے ہمکنار ہو ہی نہیں سکتے۔ اس اہم مسئلے کیلئے اشد محنت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ہمارے سیاسی قائدین سرمایہ دار اور جاگیر دار ملک سے باہر رکھی ہوئی تجوریاں خود واپس لائیں لیکن ان قومی چوروں کو شاید اتنی جرات نہ ہو سکے اس لئے حکومت خود یہ انتظام کرے اور اپنی صفوں میں شامل قومی لیروں سے حساب لے۔ ان کی نشاندہی سابق نگران حکومت میں ایک مرتبہ ہو چکی

ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے وزیر اعظم اپنے ذمے 8 ارب ڈالر کے قرضے قومی خزانے میں جمع کروائے اور دوسرے لوگوں کی نشاندہی کر کے ان سے اپیل کرے، اس طرح شاید انہیں بھی شرم آجائے۔

۸۔ متوقع اقتصادی پابندیوں اور بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک قومی دفاعی فنڈ کا قیام فوری طور پر اشد ضروری ہے اور اس کے لئے قوم کسی سیاسی یا مذہبی قیادت پر اتنا اعتماد نہیں کرے گی جتنا وہ ڈاکٹر عبدالقدیر پر کر رہی ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر ملت اسلامیہ کے محسن اور عصر حاضر کے سب سے بڑے ہیرو ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ اس وقت غیر متنازع ہیں اور اپنی پوری فکری اور جسمانی توانائیاں قوم کیلئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ اس نازک صورتحال میں ان کی موجودگی سے ایٹمی توانائی کی طرح اقتصادی خود انحصاری کے لئے ان کی مدد لے۔ وہ اگر ٹی وی پر آدھ گھنٹہ کے خطاب میں قوم سے خود مخاطب ہوں تو میرا ایمان ہے کہ وطن عزیز کا بچہ بچہ، غریب امیر، مرد، عورتیں لہیک کہتے ہوئے حتی المقدور قربانی دیں گے۔ ہمارے ملک میں بے شمار سونا ہے، خواتین اپنے آدھے زیورات اور تاجر اپنی ایک سال کی کمائی بھی فنڈ میں جمع کروادیں تو سارے بیرونی قرضے اس ایک اپیل پر ختم ہو سکتے ہیں اور اتنا کچھ بچ بھی سکتا ہے کہ دفاعی اخراجات خوش اسلوبی سے چل سکیں۔

۹۔ آخری اور اہم ترین چیز یہ ہے کہ قوم کی فکری تطہیر اور ذہنی تربیت کی ضرورت ہے۔ جنگ میں ہتھیار کم اور جذبے زیادہ کارآمد ہوتے ہیں۔ اس وقت مغربی ثقافتی یلغار اور بھارتی فلمی کلچر نے ہمارے گھروں میں مستقل قبضہ کر رکھا ہے۔ صبح و شام مغربی میڈیا اور ڈش کے ذریعے بھارتی موسیقی سے لطف اندوز ہونے والی قوم کے نوجوان اپنے ازلی دشمنوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔ اس لئے حکومت ٹیلی ویژن، اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے نوجوانوں میں قومی غیرت و حمیت، دین اور مذہب ہی اقدار سے محبت کے جذبات پیدا کرنے کا اہتمام کرے لیکن دوسروں میں یہ جذبہ پیدا کرنے سے پہلے خود حکومتی عمائدین کو دینی اور

مذہبی اقدار کی پاسداری کرنا ہوگی۔ اس وقت انہی جذبوں کی ضرورت ہے جو تحریک پاکستان کے دنوں دیکھنے میں آتے تھے۔ دو قومی نظریہ اجاگر کرنا ہوگا ورنہ متعصب ہندو کا سر کچلنا مشکل ہے۔ واجپائی، ایڈوانی اور سکسینہ ان ہی ہندو سورماؤں کی اولاد ہیں جنہیں محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صالح دین دوست اور بنیاد پرست مسلمان سپہ سالاروں نے تاریخ کی عبرتناک شکستیں دی تھیں۔ آج وہی ہندو پھر سر اٹھا رہا ہے اور اس کے مقابلے کیلئے ہمیں قاسم کا عزم غزنوی کا عقیدہ غوری کی غیرت اور احمد شاہ ابدالی کا جذبہ جہاد درکار ہے۔

اس وقت ہماری قوم کو عریاں ثقافت اور سستی جذباتیت کی نہیں بلکہ دینی اور مہذب ثقافت کی ضرورت ہے۔ ٹی وی پر لوگوں کو اپنے بہادر اسلاف کے کارناموں سے روشناس کیا جانا چاہئے۔ میوزیکل شو اور فلمی سٹاروں سے تعارف قوم کی ضرورت نہیں۔ یہ تو (الامشاء اللہ) اب بھی تقسیم بر صغیر کے موجودہ نقشے پر راضی نہیں بلکہ آئے روز بھارت یا تیرا کرنا ان کے پیشے کی ضرورت ہے۔ قومیں موسیقی سے نہیں جہادی جذبوں سے سلامت رہتی ہیں اور پروان بھی چڑھتی ہیں۔

تاریخ آج پھر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور فطرت دو قومی نظریے کو اجاگر کر رہی ہے۔ اس وقت قومی غیرت دینی حمیت اور اپنی شاندار تاریخی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آئندہ نسلوں کے لئے ایک شاندار مثال قائم کرنے کا سنہری موقع ہے۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(۲۹ مئی ۹۸، روزنامہ جنگ ادارتی صفحہ)

سال 99ء

ملتِ اسلامیہ کی غیرتِ ملیٰ پر ایک اور امریکی حملہ

عالمِ اسلام کے خلاف عالمِ کفر کے جارحانہ اقدامات کی تاریخ اگرچہ کافی طویل ہے لیکن گذشتہ ماہ ۷ ادا سمبر کو پنج بستہ رات کے سناٹے میں امریکہ اور برطانیہ نے بغداد پر آتش و آہن کی جو بارش برسائی اور مسلسل چار روز تک جس ابلسی رقص کا بدترین مظاہرہ دنیا نے دیکھا اس کی مثال شاید کہیں بھی نہ ملے۔ امریکہ اور برطانیہ کے سربراہوں نے رمضان المبارک کے آغاز میں اگرچہ حملے روک دینے کا اعلان کر دیا تھا لیکن وہ اعلان عارضی تھا اور عراق کے نہتے عوام پر اب بھی خطرے کی تلوار لٹک رہی ہے۔ امریکہ کسی بھی وقت اپنی خفت چھپانے کے لیے بغداد پر آگ کی بارش کر سکتا ہے۔ اسکے شواہد آئے روز دیکھنے میں آتے رہتے ہیں، جب امریکہ اور برطانیہ کے جنگی طیارے عراق کے ”نوفلانی زون“ پر پرواز کرتے ہوئے عراقی دھمکیوں کا جواب میزائلوں سے دیتے ہیں۔ یہ صورتحال پہلے سے زیادہ کشیدہ دکھائی دیتی ہے۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں ملک اس وقت دنیا کے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک کی قیادت کر رہے ہیں۔ ان کے خبر رساں ادارے اور ذرائع ابلاغ پوری دنیا میں انسانی حقوق کی آواز بلند کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسلامی ممالک میں خواتین اپنی مرضی سے شرعی پردے کی پابندی کریں یا غربت کے ہاتھوں ستائے ہوئے بچے محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالنے کی باعزت کوشش کریں ان ممالک کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی انسانی حقوق کی نمائندہ نام نہاد تنظیمیں پوری دنیا میں ظلم و ستم کی داستانیں سنا سنا کر اپنی ”ہمدردی اور انسان دوستی“ کا ڈنڈا ہورا پیٹتے نہیں تھکتیں۔

انہوں نے جنگی جانوروں، سمندری حیوانوں اور فضاء میں اڑنے والے پرندوں کے طبعی ماحول پر اثر انداز ہونے والے عوامل کی روک تھام کے لیے تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں

اور تو اور ان کے کتوں کو کسی کے ہاتھوں نقصان پہنچ جائے تو اس پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیتے ہیں۔ ایک طرف مخلوق پر ان کے التفاتِ کریمانہ کا یہ عالم اور دوسری طرف جیہ وہ اپنی سرحدوں سے باہر نکل کر تیسری دنیا کی اقوام بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ معاملات کرتے ہیں تو یکسر بدل جاتے ہیں۔ وہی جانوروں پر رحم کرنے کی صدائیں بلند کرنے والے اور عورتوں اور بچوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والے بھوکے بھیردیوں کی طرح مسلمانوں کے جان و مال پر جھپٹتے نظر آتے ہیں۔ فلاح اور امن کے سارے منصوبے ایک طرف رکھ کر اپنے مذموم مفادات کی خاطر انسانیت کا چہرہ نوچنے سے بھی باز نہیں آتے۔

عالم کفر کا سرغنہ امریکہ جو اپنے سامنے سر اٹھا کر چلنے والے افراد اور ممالک کو دہشت گرد قرار دے کر قابلِ گردن زنی سمجھتا ہے، قوت و طاقت کے نشے میں بدمست ہو کر جب اور جہاں چاہتا ہے میزائلوں کی بارش برسانا شروع کر دیتا ہے۔ دوسروں کو جن اصول و ضوابط کا پابند بنانا چاہتا ہے خود انہی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن اسے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ اس ”امن پسند مہذب“ ملک کی جارحیت سے عراق میں اب تک ۵ لاکھ سے زائد بے گناہ افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ ان میں وہ بوڑھے اور معصوم بچے بھی شامل ہیں جو خوراک اور دوائیوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے اپنے عزیزوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں۔ حالیہ حملوں میں زخمی ہونے والے ہزاروں عورتوں بچوں اور بوڑھوں کے لیے عراق کے ہسپتالوں میں مناسب علاج کا کوئی بندوبست نہیں لیکن کیا مجال کہ انسانی حقوق کی یہ تنظیمیں اور نشریاتی ادارے اس دستِ جفاکیش کی شان میں گستاخی کریں۔ عالمی تجزیاتی اداروں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کی حالیہ بمباری اس امر کی حملے سے بھی زیادہ وحشیانہ تھی جس میں انڈوچائینہ کے ۴۰ لاکھ شہری اور کسان ہلاک ہو گئے تھے نیز اس چار روزہ میزائلوں کی اندھا دھند بارش نے ۱۹۹۱ء کا ریکارڈ بھی توڑ دیا ہے جس میں 2600 لڑاکا طیاروں نے 88500 ٹن وزنی بم سر زمین عراق

پر گرانے کا "اعزاز" حاصل کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس امر کی جارحیت کا مقصد قیام امن نہیں بلکہ پوری دنیا کے امن کو تہہ وبالا کر کے اپنی چودھراہٹ کا لوہا منوانا ہے۔ گستاخ ملکوں کو سبق سکھانے کی ذمہ داری امریکہ نے اگر اپنے سر لے رکھی ہے تو اسے اسرائیل، سر بیا اور بھارت جیسے بے اصول ممالک کی سرکونی بھی کرنی چاہیے جن کی فوجیں نصف صدی سے مسلمانوں کا خون ناحق صرف اس لیے بہا رہی ہیں کہ وہ آزادی جیسا بنیادی حق مانگتے ہیں۔ سلامتی کونسل کی قراردادیں تو ان ممالک کے خلاف بھی پاس ہوتی رہتی ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کرانے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کی غیرت نے جوش کیوں نہیں مارا؟ اسرائیل کے پاس اس وقت دنیا کے خطرناک ترین ایٹمی ہتھیاروں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے اور وہ آئے روز عرب ہمسایہ ممالک کی سرحدوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ کیا عراق خلیجی ممالک کے لیے اسرائیل سے بھی زیادہ خطرناک تھا؟

عراق نے کویت پر جارحیت کا ارتکاب کیا بھی تھا تو امریکہ کی رضامندی سے کیا تھا اور جب اسے خلیج میں آنے کا موقع مل گیا تو اب وہ یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہا بلکہ اب اس کی 24000 فوج اور بحری بیڑوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے جس کا تمام خرچ خلیج کے عاقبت ناندیش حکمران اسلامی سرمایہ لٹا کر دے رہے ہیں۔ عراق کویت سے کب کا واپس آچکا ہے اور پچھلے آٹھ سال سے اس نے کسی پڑوسی ملک کے خلاف کسی قسم کے جارحانہ اقدامات نہیں کیے۔ اس نے نام نہاد اقوام متحدہ کے قوانین کا احترام کرتے ہوئے اپنی ساری تنصیبات اور حساس مقامات معائنے کے لیے کھول دیئے۔ امریکیوں کے ناروا سلوک کے باوجود عراقی حکام نے ان کے ساتھ تعاون کیا، صرف اس امید پر کہ دنیا کے منصفوں کے سامنے حقیقت حال آشکار ہو جائے اور وہ عراق پر عائد پابندیاں اٹھادیں تاکہ یہاں کے بچوں، بوڑھوں اور بے سہارا مردوں اور عورتوں کو ان کی ضرورت کی بنیادی سہولتیں میسر آسکیں لیکن حالیہ عزائم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ کو نہ کل خلیج کا امن عزیز تھا اور نہ آج اسے کویت کی سلامتی سے کوئی دلچسپی ہے۔ وہ اسلامی دنیا کے معدنی

وسائل پر قابض ہونا چاہتا تھا سو وہ ہو گیا۔ اب وہ ہر قیمت پر یہاں رہنے کا جواز مہیا کرے گا۔ ہتھیاروں کے معائنے پر متعین ٹیم کا سربراہ رچرڈ ہٹلر UNO کا نمائندہ نہیں بلکہ یہودی ایجنٹ ہے جس نے امریکہ اور برطانیہ کے ایماء پر دروغ گوئی اور تعصب پر مبنی رپورٹیں تیار کیں اور انہیں لا کر ہلا متی کو نسل میں پیش کرنے کی بجائے بدنام زمانہ امریکی صدر کے ٹیبل پر رکھ دیا جس نے اپنے چہرے سے جنسی سیکنڈل کی گرد جھاڑنے کے لیے راتوں رات تمام عالمی اصول و ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حملے کا حکم دے دیا۔ عالم اسلام کے خلاف امریکہ کی یہ پہلی جارحیت نہیں بلکہ چند ماہ قبل ایک اسامہ بن لادن کی خاطر دو مسلمان ممالک سوڈان اور افغانستان پر شب خون مارا تھا اور دونوں ممالک میں بھاری جانی نقصان ہوا تھا۔ کہنے کو تو امریکہ اور برطانیہ دونوں نے اس حملے کو کامیاب قرار دیا ہے کیونکہ ان کے بقول کافی حد تک عراق کی فوجی قوت تباہ ہو چکی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حملے سے دونوں حملہ آور ملکوں نے عالمی امن کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے نہتے عراقی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی غیرت کو جھنجھوڑا ہے۔ پوری دنیا کے انصاف پسند لوگوں کی نظروں میں امریکہ کی یہ جارحیت اس کا ناقابل معافی جرم قرار پائی ہے۔ خود سلامتی کو نسل کے بقیہ تینوں مستقل ارکان نے اس حملے کی بھرپور مذمت کی ہے۔ رہ گئی غرب لیگ O.I.C اور چند مسلمان حکمرانوں کے مذمتی بیانات، تو ان کی حیثیت محض چند روایتی جملوں سے بڑھ کر کچھ نہیں تھی۔

ان حملوں سے جہاں عالم اسلام کی بے بسی اور بے چارگی کا اندازہ ہو رہا ہے وہاں امریکی استعمار کے عزائم بھی کھل کر دنیا کے سامنے آگئے ہیں۔ خاص طور پر مسلمان ممالک میں بسنے والے عوام و خواص کے امریکہ مخالف جذبات میں شدت آئی ہے اور وہ اسلامی ممالک پر مسلط سامراج پرست حکمرانوں کی حقیقت سے بھی آگاہ ہوئے ہیں۔ حالات اگر یوں ہی رہے اور امریکہ کا منہ زور گھوڑا مسلمانوں کی لاشیں اسی طرح روندتا رہا تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب امن پسند مظلوم مسلمانوں کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہوگا، ان کا اجتماعی انتقام

ایک آتشیں لاوا بن کر پھٹے گا اور وہ دن امریکی استعمار کا آخری دن ہوگا۔ اب تو صدر صدام نے قومی خطاب میں تمام عرب ممالک کے باشندوں کو مخاطب کر کے امریکہ کے خلاف ڈٹ جانے کی ترغیب بھی دی ہے۔ ادھر امریکہ کے سرفہرست گستاخ سعودی نژاد اسامہ بن لادن کے جو بیانات امریکی جرائد کی زینت بن رہے ہیں ان میں بھی یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ اسامہ امریکہ کے خلاف اپنے ردِ عمل میں اب اور شدت پیدا کر چکا ہے اور اسی حوالے سے اس نے صدام کے ساتھ بھی رابطہ کر لیا ہے۔ اس خبر میں کتنی صداقت اور حقیقت ہے اس کا اندازہ تو آئندہ دنوں میں ہی ہو سکے گا لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اب قدرت حالات کو تبدیل کرنے کے سامان خود تیار کر رہی ہے۔ امریکہ کو مختلف محاذوں پر اب مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کی فوجی برتری کو چین اور روس نے چیلنج کر ہی دیا تھا اب اس کی معاشی برتری کے واحد ہتھیار ڈالر کے مقابلے میں یورو کرنسی بھی اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ جہاں تک امریکہ کے خلاف اسلامی شدت پسندی کا تعلق ہے تو امریکہ اسرائیل اور یورپی ممالک کا امتیازی سلوک خود اس شدت میں اضافہ کر رہا ہے اور یہ بھی میرے نزدیک اسی قدرتی نظام کا حصہ ہے جس سے بالآخر عالم کفر کو دوچار ہونا ہے۔ بقول شاعر۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے
 امریکہ اپنے حواریوں کے ساتھ مل کر اسلامی دنیا کا جتنا استحصال کرے گا قانون
 قدرت کے تحت اس کا ردِ عمل اتنا ہی شدید تر ہوتا چلا جائے گا۔ ابھی تو وہ ایک اسامہ بن
 لادن کے غیض و غضب کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر رہا، ایک شخص کے وجود سے اس
 عالمی سپر پاور کے ایوان لرزہ بر اندام ہیں اور اس کے خاتمے کے لیے وہ اپنی پوری سائنسی
 سیاسی اور مالی قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ کل جب عرب و عجم کے لاکھوں مسلمان اسامہ اور
 شیخ احمد یسین بن گئے تو اس کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہے گا اور پھر جو کچھ بھی ہوگا
 اسکے اپنے عمل کا ردِ عمل ہوگا ”تِلْكَ الْآيَاتُ نُدَا وِلْهَا بَيْنَ النَّاسِ۔“ ظلم کی یہ رات لمبی سہی

لیکن اس کی صبح ضرور طلوع ہوگی کہ یہ قانونِ فطرت ہے۔ قدرتِ وقت کے نئے فرعونوں سے انتقام ضرور لے گی کیونکہ یہ اس کے بے رحم احتساب کا حصہ ہے۔ یہاں کتنے فرعون، نمرود، ہٹلر اور مسولینی آئے اور چلے گئے، کسی کی بادشاہت میں دوام و استقرار نہیں سوائے اس ذات کے جو ازل سے ابد تک اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہے۔ وہ ڈھیل ضرور دیتا ہے لیکن کھلی چھٹی نہیں۔ ابھی کل کی بات ہے اس کے عدل کی بے آواز لاٹھی نے سرخ سامراج کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے خدائی کے دعویداروں کو دنیا کے سامنے نشانِ عبرت بنا دیا۔ امریکہ اپنے خوشامدیوں کی جتنی چاہے مقدار بڑھالے، انسانِ تباہی کے لیے جس قدر چاہے ہتھیار جمع کر لے، سپر طاقت ہونے کے نشے میں ڈوب کر جتنا ظلم بھی کر لے، اس کی حاکمیت کا تاج اب محمدِ عربی ﷺ کے غلاموں کی ٹھوکر میں ہے اور انہیں اس نے خود لٹکا رہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ.

(جنوری ۱۹۹۹ء)

”خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا“

یورپ کے دل میں ۹۰ فیصد آبادی کا خوبصورت سر سبز و شاداب علاقہ کوسوو گذشتہ دس سال سے نسل پرست سربائی عیسائیوں کے زیر تسلط ہے۔ یہاں آئے روز ہتے مسلمانوں کو بلا جواز قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کی املاک کو نذرِ آتش کیا جا رہا ہے۔ معصوم بچوں، بوڑھے اور نوجوان مرد و عورتوں کا ظالمانہ سرگرمیوں میں بے دریغ قتل کیا جا رہا ہے۔ یورپی یونین نیٹو امریکہ اور UNO سمیت سب عالمی ادارے اور علاقائی امن مشن اب تک کسی واضح پیش رفت میں ناکام رہے ہیں۔ اور تو اور مسلمان ممالک کی نام نہاد عالمی تنظیم OIC بھی بے حس و حرکت بے بس، مظلوم اور مقہور مسلمانوں کی تماشائی دکھائی دیتی ہے۔ آئے روز خبریں آتی ہیں کہ نیٹو تنظیم نے سرب راہنماؤں کو لڑائی بند کرنے اور سرب مسلح افواج کو کوسوو سے نکالنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے اور سربوں پر حملوں کی تیاریاں آخری شکل اختیار کر رہی ہیں لیکن گذشتہ چھ ماہ سے نہ جانے یہ ”تیاریاں“ عملی شکل اختیار کیوں نہیں کر پائیں جبکہ اسی نیٹو کے رکن ممالک برطانیہ اور امریکہ آئے روز اپنے جنگی طیاروں کے ذریعے عراقی سر زمین پر حملے کر رہے ہیں حالانکہ سلامتی کونسل کے ارکان انہیں کئی بار اس یکطرفہ کارروائی سے باز رہنے کا کہہ چکے ہیں۔

کوسوو کے باشندوں کا گناہ بھی یونینیا کی طرح یہی ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں نسل پرست عیسائیوں نے یہ باور کروا دیا ہے کہ وہ ان سے بلقان اور صلیبی جنگوں کا بدلہ لے رہے ہیں۔ اس متعصبانہ رویے کے ردِ عمل میں وہاں البانیہ، یونینیا اور کوسوو کے دیرینہ مسلمان خطوں میں ایک طرف اسلامی نظریاتی تشخص ابھر اور دوسری طرف وہ وہاں آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کرنے کی جائز جدوجہد کرنے لگے۔ چنانچہ یورپ کے دل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے یہ ابھرتے ہوئے آثار دیکھ کر یورپی ممالک سمیت امریکہ اور اسرائیل

منافقت اور اسلام دشمنی میں سر یوں کے ہمرکاب ہو چکے ہیں۔ یونانی مظلوم مسلمانوں پر ظلم کے جتنے پہاڑ ٹوٹے، جدید ترقی یافتہ اور ”مہذب“ یورپ کی تاریخ میں وہ ایک عبرتناک باب ہے۔ ابھی وہ زخم مندمل نہیں ہو پائے تھے کہ کسو و کے بے بس نہتے مسلمان شہریوں کو اسی اسلام دشمنی کا نشانہ بنایا گیا۔

آج کل سخت سردی اور برف میں یہاں کے بے گھر بچے، عورتیں اور بوڑھے سر چھپانے کے لئے چھت کو ترس رہے ہیں اور پیٹ بھرنے کے لئے ایک وقت کے لقمے کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں اجتماعی قتل و غارت کی بھینٹ چڑھا کر ندی نالوں اور کھیت کھلیانوں میں کھلے آسمان کے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ اوپر سے مغربی اور صہیونی میڈیا پوری دنیا میں بے بس مسلمانوں کی اس حالت زار کی ویڈیو فلمیں من پسند تبصروں کے ساتھ نشر کر کے آتش انتقام کو ٹھنڈا کر رہا ہے۔ عالم کفر کی اس کھلی اسلام دشمنی اور اس کے دوہرے معیاروں کے مشاہدات تو روز اول سے دیکھنے میں آتے رہے ہیں کیونکہ حق و باطل کی یہ چپقلش انسانی تاریخ کے آغاز سے جاری ہے لیکن افسوس تو ان مسلمان ممالک اور ان کے سر براہوں پر ہوتا ہے جو یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود انہی طاقتوں کی کاسہ لیسی میں جتے ہوئے ہیں ان کے مفادات کی نگہداشت پر کمر بستہ ہیں، خود آپس میں متحد ہونے کی بجائے دشمنوں کے اشاروں پر ناچتے ہوئے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کے کانوں میں ان سسکتے بلیختے مظلوم بچوں اور لٹی مرنی مسلمان عورتوں کی چیخیں سنائی نہیں دیتیں لیکن اپنے اقتدار کے خلاف معمولی سی آہٹ کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔

الحذر اے چیرہ دستاں ہیں فطرت کی تحذیریں

امت مسلمہ اس وقت ایک طرف کشمیر کا زخم چاٹ رہی ہے تو دوسری طرف فلسطین کے مسلمانوں کا رستا ہوا خون ہے جبکہ تیسری طرف خلیج میں عالمی غنڈوں نے مسلمانوں کی جان و مال کے ارد گرد اپنے گھیرے تنگ کر لیے ہیں اور پھر یورپ میں مسلمانوں کا سر بے دردی سے کچلا جا رہا ہے۔ یہ صورتحال ایک واضح عالمی تصادم کا پیش خیمہ ہے اور ایک

شدید و عمل کو دعوت دی جا رہی ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اربوں مسلمان ہر روز کی بدلتی ہوئی متضاد صورت حال کو گہری نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ انہیں جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے میرے نزدیک وہ ایک قدرتی نظام کا حصہ ہے۔ جن سوسائٹیوں میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنی شناخت 'تہذیب' ثقافت اور اقدار کھودی تھیں ایک بار پھر خود بخود وہ جھری لے کر بیدار ہو رہی ہیں۔ انہیں ماضی سے ناٹھ جوڑنے کیلئے مجبور کیا جا رہا ہے اور وہ اپنے بھولے ہوئے سبق کو یاد کر رہے ہیں۔ وہ سبق جو انہیں نبی آخر الزماں ﷺ پڑھانے آئے تھے۔ امانت کا سبق، شجاعت کا سبق، دیانت کا سبق، پاکیزگی کا سبق، سچائی اور تقویٰ کا سبق تاکہ انہیں ایک بار پھر دنیا کی امامت سونپی جاسکے۔ ایک قانون یہ ہے جو UNO امریکہ، روس، یورپ اور ہندوستان کی اسمبلیوں میں بنتا ہے اور ایک قانون وہ ہے جو عرش الہی پر تیار ہوا ہے۔ انسانوں کی طرح ان کے قانون بھی فانی اور عارضی ہیں لیکن عالم ارواح میں تشکیل دیا گیا قانون الہی نہ صرف قیامت تک باقی ہے بلکہ کائنات کی بقاء اور سلامتی کا ضامن بھی ہے۔ انسانوں کے قوانین دوہرے معیارات رکھتے ہیں اس لئے خود اپنی موت مرتے رہے ہیں اور مرتے رہیں گے کیونکہ جو شاخ نازک پر آشیاں بنے گا ناپائیدار ہوگا۔ ان اقوام نے نہ صرف اسلام کے خلاف جنگ چھیڑ لی ہے بلکہ فطرت انسانیت اور خالق کے ساتھ بھی لڑ رہے ہیں۔ اس لڑائی نے انہیں اب اس مقام پر پہنچایا ہے جہاں یہ حیوانوں سے بدتر زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ان کے ہاں رشتوں کا تقدس ہے نہ خون کی محبت۔ عالمی طاقت کا بظاہر مطلق العنان حکمران دو سال سے ایک بازاری عورت کے ہاتھوں جو تیوں میں ڈال بانٹ رہا ہے۔

ہم گذشتہ معروضات کی طرح ایک بار پھر دنیا بھر کے مجاہد مسلمانوں کے جذموں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہیں یقین دلاتے ہیں کہ حق و باطل کی اس کھلی جنگ میں فتح آپ کا مقدر ہے "وَأَنْتُمْ إِلَّا عَلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" کے الفاظ میں یہ وعدہ خداوندی ہے لیکن ایمان اور یقین شرط ہے۔ رہے مسلمان ممالک کے غدار حکمران تو ان کیلئے

یہی عذاب کافی ہے کہ یہ اپنے محلات میں رہتے ہوئے اور کرسی اقتدار پر مسلط ہو کر بھی صبح و شام موت سے چھپتے پھرتے ہیں۔ یہ بزدل، بے ضمیر اور بے حس ہو چکے ہیں اور ان کے تحت اچھلنے کا وقت آرہا ہے۔

کو سو و یو سنیا، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا اور دنیا کے ہر اس خطے کے غیور مسلمان جہاں وہ اپنی بقاء اور دین کی سر بلندی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور قربانیاں دے کر سر خر و ہو رہے ہیں۔ ان شہیدوں کا خون ضرور رنگ لائے گا۔ اس سے وہ گلستان آباد ہوں گے جو آئندہ صدی میں امن کی خوشبوئیں پھیلائیں گے اور ان شہادت گاہوں سے وہ چراغ روشن ہوں گے جو مستقبل کی تاریکیوں میں روشنیاں تقسیم کریں گے۔ ہم روح اقبال سے معذرت کے ساتھ ان کے شعر میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ.....

اگر ”البانیوں“ پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(فروری ۹۹ء، کو سو و یو سنیا میں مسلمانوں کے بے دریغ قتل عام کے موقع پر)

عوامی اتحاد کی صدارت سے علیحدگی کا فیصلہ

ملک کو بد امنی، معاشی ابتری، سیاسی عدم استحکام، لا قانونیت اور جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے گذشتہ سال قائد تحریک منہاج القرآن پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی قیادت میں مختلف سیاسی جماعتوں پر مشتمل جو گریڈ الاٹنس ”پاکستان عوامی اتحاد“ کے نام سے وجود میں آیا اور سال بھر میں اس نے جس اصولی، تعمیری اور صاف ستھری سیاست کا چلن محال کیا اس سے ہر صاحب شعور شخص بخوبی آگاہ ہے۔ ۳۰ جنوری کو قائد انقلاب نے اپنی زیر صدارت اتحاد کے سربراہی اجلاس میں تمام معاملات کو جس حسن انداز سے پنپایا اس کے بارے میں اتحاد کے تمام سربراہان نے نہ صرف تعریف کی بلکہ اخبارات نے جس ہنگامہ خیز صورت حال کی توقع ظاہر کی تھی اس سلسلہ میں بھی اتحاد مخالف قوتوں کو مایوسی ہوئی۔ اس سے اگلے روز پریس کانفرنس میں آپ نے عوامی اتحاد کی صدارت سے علیحدگی کا رضاکارانہ اعلان کر کے جس خوش آئندہ جمہوری روایت کی بنیاد رکھی پاکستانی سیاست میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اتحاد کے دستور کے مطابق آپ کی صدارت کے اختتام میں ابھی ایک ماہ سے زائد عرصہ باقی تھا لیکن اتحاد کے بہتر مستقبل کے پیش نظر آپ نے خود اس اہم عہدے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ممکن ہے اس فیصلے کو بعض لوگ کوئی اور رنگ دے کر پیش کریں لیکن حقیقتاً اس میں بہت سی حکمتیں کار فرما ہیں۔ اس فیصلے سے اتحاد میں شامل جماعتیں آئندہ قیادت کے انتخاب میں جمہوریت اور میرٹ کو بنیاد بنا کر آزادانہ فیصلہ کر سکیں گی۔ اس فیصلے کا دوسرا اور بڑا سبب یہ ہے کہ پورا سال اتحاد کی جس قدر مصروفیات رہیں اور قائد انقلاب کو جن ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہونا پڑا ان میں پاکستان عوامی تحریک کی طرف توجہ کم دی گئی تھی۔ اتحاد کو ایک سال کامیابی سے چلانے کے بعد اب اس کی دوسری بڑی قوت PAT کو مرکزی سطح سے لے کر نیچے ضلعی اور تحصیل سطح تک

منظم کرنے کی اشد ضرورت تھی، اب انشاء اللہ اس ٹارگٹ کو مکمل کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں اتحاد کی صدارت کے دوران آپ چونکہ سب اتحادی جماعتوں کے منتخب قائد کے طور پر سوچتے اور فیصلے کرتے تھے اب اس امانت سے سرخروئی کے بعد اپنی سیاسی جماعت کی بھرپور نمائندگی کا موقع حاصل کرنا ضروری تھا۔ نیز اتحاد میں شامل ملک کی بڑی سیاسی قوت PPP کی بعض محدود خواہشات اور من مانے فیصلوں کے علی الرغم قائد محترم نے ایک بزرگ سیاسی شخصیت کو یہ ذمہ داریاں سونپ کر ممکنہ ڈکٹیٹر شپ کا راستہ بند کر دیا ہے تاکہ اتحاد اپنے وسیع تر قومی، ملکی اور بین الاقوامی مقاصد کی طرف کامیابی سے بڑھتا رہے۔ اتحاد میں شامل جن قیادتوں نے قائد محترم کی نابغہ روزگار شخصیت اور صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے وہ کھرے کھوٹے کا فرق اچھی طرح سمجھ چکی ہیں۔ اس لئے صدارت ہونہ ہو اصل قوت، کردار، صلاحیت اور عوامی پذیرائی کے اعتبار سے انشاء اللہ ہمارے پاس ہی رہے گی تاہم جمہوری روایات کو پروان چڑھاتے ہوئے دوسرے ساتھیوں کو موقع دینا بھی اعلیٰ ظرفی کا تقاضا ہے۔ عمدے سے چمٹے رہنا اب ہماری ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہمیں اتحاد کے قیام کے مقاصد میں الحمد للہ توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی ہے۔ اب اگلے اہداف کی طرف بڑھنے کی ضرورت ہے اور اس کیلئے صدارت جیسی حساس ذمہ داری کا بوجھ کاندھوں پر اٹھائے رکھنا محال تھا۔ تنظیمات اور تحریکی کارکن اس تبدیلی کو خاطر میں لائے بغیر اپنا انقلابی اور دعوتی و تنظیمی سفر جاری رکھیں۔ انشاء اللہ ابھی آپ کا یہ کارواں اگلی منزلوں کی طرف بڑھے گا جہاں صبح انقلاب آپ کا استقبال کرنے کو بے تاب ہے۔

(فروری ۱۹۹۹ء)

واجبائی کا دورہ پاکستان اور مسئلہ کشمیر پر حکومتی ”پیش رفت“

بھارتی وزیر اعظم مسٹر اٹل بھاری واجپائی کا حالیہ دورہ پاکستان عالمی اور مقامی سطح پر غیر معمولی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ پاکستان اور بھارت کے ذرائع ابلاغ میں تو ابھی تک اس کا غلغلہ تھمنے میں نہیں آ رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ موصوف کی وجہ شہرت اسلام اور پاکستان دشمنی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس ہندو جماعت کے لیڈر ہیں جو دوسرے مذاہب کے خلاف جنونی اور انتہا پسندانہ رجحانات میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس لیے ان کی طرف سے پاکستان آنے کی غیر متوقع خواہش سامنے آتے ہی لوگوں کی نظریں واہگہ سرحد پر گڑھ گئیں۔ ان کی خواہش کو وزیر اعظم پاکستان نے عملی جامہ پہنانے میں جس ”فیاضی“ کا بے مثال مظاہرہ کیا وہ بھی اپنی جگہ مسلم لیگی حکومت کا ”تاریخی کارنامہ“ ہے۔ دونوں وزرائے اعظم کی اس تاریخی بیٹھک میں زیر بحث آنے والے اصل ایجنڈے کی تفصیلات آہستہ آہستہ سامنے آرہی ہیں اور کچھ امور شاید آخر وقت تک پردہ اخفاء میں رہیں کیونکہ یہ چیزیں تیسری دنیا میں جمہوری ممالک کے ”سفارتی آداب“ کی حکمت عملی کا تقاضا ہے۔

جہاں تک پاک بھارت سربراہان کی ملاقات یا مذاکرات کا تعلق ہے اس پر کسی حلقے میں دوسری رائے نہیں۔ مذاکرات، معاہدات اور تبادلہ خیالات فی نفسہ برے نہیں بلکہ یہ تو حضور ﷺ کی سنت مطہرہ ہے۔ لیکن ان مذاکرات اور معاہدات کے پس پردہ عزائم اور خدشات پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ خاص طور پر جب یہ معاہدات انتہا پسند ہندوؤں سے کیے جائیں تو ہمیں برصغیر کی ایک ہزار سالہ تاریخ کو سامنے رکھنا ہوگا۔ بالخصوص گذشتہ صدی میں برصغیر کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت جن تغیرات سے گزری اور یہاں کے مسلمانوں کو برطانوی سامراج کے ساتھ ساتھ متعصب ہندو سیاست کا سامنا رہا اور ان حالات کا منطقی نتیجہ تحریک پاکستان کی صورت میں سامنے آیا۔ پاکستان قائم ہوا تو یہ محض

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور مسلمانوں کے جذبے کا معجزہ تھا اور نہ ہندو نے تو آج تک پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ اس اندرونی خلش اور اضطراب کا اظہار واجپائی نے یہاں آکر بھی گورنر ہاؤس لاہور میں اپنے خطاب کے دوران کیا اور کہا کہ ”بٹوارے کا گھاؤ تو کافی حد تک مندمل ہو گیا ہے لیکن اس کا داغ ہمارے دلوں میں ابھی باقی ہے۔“ وہ اسی بقیہ داغ کو لے کر آئے اور ہمارے پھرے داروں کی حفاظت میں سیر گلشن کرنے کے بعد جب واپس گئے تو اپنی اسی تاریخی ہندوانہ روشن کا مظاہرہ کیا کہ ”میں نے پاکستان کے وزیر اعظم کو کشمیر میں مداخلت بند کرنے کا کہہ دیا ہے۔“ گویا انہوں نے وہاں یہ تاثر دیا کہ وہ ہمارے گھر میں ہمیں متنبہ کرنے آئے تھے۔ اس کے باوجود ہمارے حکمران اس دورے کے بطن سے اپنی تاریخی فتح کا ثبوت پیدا کرنا چاہیں تو یہ ان کا حسن ظن ہی ہوگا۔

یہ بات اب زباں زدِ عام ہے کہ اس دو طرفہ تعلق میں مذاکرات کی حد تک خیر سگالی کی لہر امریکہ بہادر کے دباؤ میں آئی ہے کیونکہ وہ براعظم ایشیاء میں نیورلڈ آرڈر کے مطابق اپنا اثر و رسوخ جس سطح تک لے جانا چاہتا ہے اس میں جنوبی ایشیاء کے ان دونوں ممالک کا ایٹمی پروگرام آڑے آرہا ہے۔ اس ایٹمی خطے میں مسئلہ کشمیر ایک ایسا فلیش پوائنٹ ہے جس پر کسی بھی وقت جنگ چھڑ سکتی ہے اور ایسا ہوا تو پھر ایٹمی ہتھیاروں کا دو طرفہ استعمال بعید از قیاس نہیں۔ اس خطے میں امریکی ذلچپسی کی دوسری اور بڑی وجہ ”ایٹمی پاکستان“ ہے جس کا بڑھتا ہوا سیاسی، عسکری اور دینی کردار پڑمردہ عالم اسلام کے لیے تقویت کا باعث بن سکتا ہے جبکہ امریکہ سمیت عالم کفر کی ساری کاوشوں کا محور اسی تقویت کے آثار کا خاتمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشعور سنجیدہ فکر لوگ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حق میں نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کفر کی ساری توجہات اور تشویش کا مرکز ہمارا ایٹمی پروگرام ہے اس لیے اس میں جس طرح بھی رکاوٹ ڈالنی ممکن ہے عالم کفر اسے کر گزرے گا۔ پاکستان نے چونکہ تھوڑی سی جرأت کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کے حل کو دستخطوں سے مشروط کر دیا ہے اس لیے یہ مسئلہ نصف صدی میں پہلی بار عالمی توجہات کا مرکز بن گیا

ہے لیکن ہمارے پاس کیا ضمانت ہے کہ یہود و ہنود کی باہمی رضامندی سے تشکیل پانے والا ایجنڈا مسئلہ کشمیر کے آبرو مندانه حل اور پاکستان کے مستقبل کے لیے مفید ہوگا۔

اس دو طرفہ اعلیٰ سطحی مذاکرات کے اعلامیے کو اعلان لاہور کا نام دیا گیا ہے اور بعض نادان حلقے اس کو ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کی کڑی بھی کہہ رہے ہیں۔ قومی اخبارات اور باختیار قیادت کی زبانی یہ خبریں بھی سامنے آگئی ہیں کہ یہ اعلان U.N.O کی قراردادوں کی بجائے شملہ معاہدے کے ایجنڈے کو ہی آگے بڑھانے کی مبہم سی کوشش ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اعلیٰ سطحی ملاقات میں ایسی کونسی غیر معمولی پیش رفت ہوئی ہے جو شملہ معاہدے کے بعد پچھلے ۲۷ سال نہیں ہو سکی تھی۔ وزیراعظم پاکستان نے وہ کونسا تیر مارا ہے جو مسئلہ کشمیر کے حل میں کارگر ثابت ہوگا شملہ معاہدہ تو شکست خوردہ ہوئے پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ہندوؤں کی سر زمین میں اپنے قیدی چھڑانے کے لیے کیا تھا۔ ۱۹۷۲ء کے حالات آج کے حالات سے قطعاً مختلف ہیں۔ پچھلے دس سال میں کشمیری مسلمان ۷۰ ہزار شہداء کی قربانیاں دے چکے ہیں، ۴۰ ہزار مسلمان قید و بند میں کرا رہے ہیں اور اتنے ہی اپنے زخمی جسم لیے پھر رہے ہیں۔ ۱۰ ہزار خواتین کی عصمت دری ہو چکی ہے، ہزاروں کاروباری مراکز رہائشی مکانات اور مساجد نذر آتش ہو چکی ہیں۔ کشمیر کے کھیت کھلیان پہاڑ اور دریا شہداء کے خون سے لٹے پڑے ہیں۔ پوری وادی ایک عقوبت خانے کا منظر پیش کر رہی ہے جس میں سات لاکھ بھارتی افواج بے دریغ ہلاکت انگیز کاروائیوں میں مصروف ہیں۔ اتنی قیامتیں ٹوٹنے کے بعد بھی اگر اہل کشمیر کی قسمت کا فیصلہ شملہ معاہدے کے مطابق ہی ہونا ہے تو حیف ہے موجودہ حکومت کی کشمیر پالیسی پر اور افسوس ہے ہمارے اس رویے پر جو کشمیر میں بہتے ہوئے خون سے لا تعلق ہے۔ مسئلہ کشمیر شاید اتنا مشکل اور پیچیدہ نہیں تھا جتنا ہمارے حکمرانوں کی بزدلانہ اور مبہم پالیسیوں نے بنا دیا ہے۔ انڈیا خود اسے بین الاقوامی فورم پر لے گیا تھا اور آج ہندو قیادت اسے اپنے قومی مفادات کے پیش نظر مقامی سطح پر لارہی ہے تو یہ یقیناً غاصب

بھارت کی کامیاب خارجہ پالیسی کا مظہر ہے لیکن پاکستان حق جانب ہو کر بھی نہ صرف ہمیشہ کمزور پوزیشن میں رہا بلکہ بین الاقوامی فورم پر قرارداد منظور کرانے میں ہمیشہ ناکام رہا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ بھارت کی طرح ہم بھی مقبوضہ کشمیر کی آزادی سے مخلص نہیں۔ ہمارا قومی موقف آزادی کے عالمی اور قانونی اصولوں کے مطابق نہیں۔ ہم کشمیری قوم کو لڑتے ہوئے تو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن اسے منزل تک پہنچنے سے پہلے دیوچ لینا چاہتے ہیں۔ حق خود ارادیت کے حصول کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پورا کشمیر آگ اور خون کی منزلوں سے گزر کر عین ہماری تمناؤں کے مطابق ہماری جھولی میں آگرے۔ ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ کوئی قوم بھی آزادی کی جنگ اس لیے نہیں لڑتی کہ وہ ایک ملک سے علیحدہ ہو کر دوسرے کا حصہ بن جائے۔ کشمیر کو عالمی مسئلہ ہم نے خود نہیں بنے دیا۔ اب اگر مظلوم کشمیری مسلمانوں کی آہِ فلک شکاف نے عالمی طاغوت کے دروازے پر دستک دی ہے اور ایٹمی پروگرام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے خوابوں کی تعبیر کے امکانات پیدا کیے ہیں تو ہماری نالائق حکومتی قیادت اپنی اسی پرانی مبہم پالیسی کی لیکر پیٹنے ہوئے اعلان لاہور پر اتر رہی ہے۔

قائد تحریک منہاج القرآن پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے جا طور پر گذشتہ روز پریس کانفرنس میں اپنے دس سالہ پرانے اور جرات مندانہ موقف کو دہرایا ہے کہ جب تک ان معاہدوں اور مذاکرات میں کشمیری قیادت کو تیسرے فریق کے طور پر شامل نہیں کیا جائے گا مسئلہ کشمیر پر کوئی فیصلہ کن پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے زور دے کر فرمایا کہ کشمیر بھارت اور پاکستان کا سرحدی تنازع نہیں بلکہ ایک باغیرت قوم کی آزادی اور اس کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ اس لیے پاکستان کو بار بار یہ موقف نہیں دہرانا چاہیے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ اگر یہ بھی کشمیر کو اپنے ساتھ ملانے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو بھارت کو کیا پڑی ہے کہ وہ اسے اپنا ٹوٹا ٹک نہ کرے۔

بعض لوگ بھارت پاکستان کی سرحد کو دیوار برلن سے تشبیہ دیتے ہوئے اس

کے گرانے کے خواب بھی دیکھ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہمارے ہاں بھی کمی نہیں جو آج بھی پاکستان کی تخلیق کا جواز پوچھتے پھر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب دین اور نظریے کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ معاشی خوشحالی اور ثقافتی گہما گہمی کو ہی آزادی کا مفہوم قرار دیتے ہیں۔ ایسے کج فہم لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ برلن کی دیوار اینٹ پتھر سے خود جرمین کے لوگوں نے بنائی تھی لیکن پاک بھارت سرحد اسلام اور کفر کی نظریاتی سرحد ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے صدیوں پہلے کھینچا ہے۔ اسکی موجودگی نظریہ پاکستان کے تحفظ کی ضمانت اور ایمان کی علامت ہے۔ رہے وہ مسائل جن کا حل باقی ہے وہ ہونا چاہیے لیکن یہ حل اپنا دینی، تاریخی اور ثقافتی تشخص قائم رکھتے ہوئے ہونا چاہیے۔ ہم حکومت کے پالیسی سازوں کو صاف بتادینا چاہتے ہیں کہ نظریہ پاکستان کا تحفظ قائم رکھتے ہوئے کشمیری مسلمانوں کی لاتعداد قربانیوں اور وہاں کی عوام الناس کی امنگوں کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ کے حل کی ہر کوشش پر ہم تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ بصورت دیگر اگر کسی امریکی، اسرائیلی یا ہندو تجارتی ایجنڈے پر عمل درآمد کی کوشش کی گئی اور فلسطین کے یاسر عرفات کا کردار ادا کیا گیا تو ہم تمہارے راستے کی سب سے بڑی دیوار ہوں گے۔

(مارچ ۱۹۹۹ء)

قومی سیاست میں ہمارا نصب العین

احیائے اسلام، اتحاد امت اور مصطفوی انقلاب کے لیے عالمی سطح پر سرگرم عمل تحریک منہاج القرآن شروع دن سے وطن عزیز میں مثبت تبدیلیوں کی خواہاں ہے۔ اسلام کے نام پر لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کیے گئے اس ملک کی باگ ڈور بد قسمتی سے جس مقتدر طبقے کے پاس چلی آ رہی ہے اس نے نہ صرف اس کے بنیادی نظریے سے انحراف کیا بلکہ اس کے ہوس اقتدار نے اسے دولخت کرنے میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ ملکی وسائل سے مالا مال یہ خطہ پاک اس وقت دنیا کے ان بد قسمت ممالک میں شامل ہے جہاں لوگ بنیادی ضرورتوں کو ترستے ہیں، انہیں بد امنی، غربت اور لوٹ مار نے ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے گذشتہ سال قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی سربراہی میں پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک اہم قدم اٹھایا گیا اور مختلف سیاسی جماعتوں کے اشتراک سے ”پاکستان عوامی اتحاد“ کا پلیٹ فارم مہیا کیا گیا جس نے اسلامک سوشل آرڈر کے نام سے ۱۴ نکاتی اعلامیہ جاری کر کے پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ کو حیران کر دیا۔ اتحاد میں شامل دو بڑی قوتوں میں ایک سیکولر جماعت پاکستان پیپلز پارٹی بھی تھی جو چار بار اقتدار میں آنے والی واحد سیاسی قوت تھی۔ مذہبی دہشت گردی، فرقہ پرستی اور منافرت کے ماحول میں مذہبی اور سیکولر قوتوں کا ایک پلیٹ فارم پر اسلامک سوشل آرڈر کے تحت آگے بڑھنے کا یہ عزم جہاں بہت بڑی مثبت پیش رفت تھی وہاں وطن دشمن عناصر، خاص طور پر اس یہودی لابی کے لیے پریشان کن تھا جو پاکستان میں سیاسی اور مذہبی کشیدگی دیکھنے کے متمنی رہتے ہیں۔ حالات اگرچہ نامساعد تھے لیکن عوامی اتحاد کی قیادت پر عزم اور باصلاحیت تھی اس لیے بظاہر متضاد نظر آنے والی قوتیں بھی کامیابی سے چلتی رہیں۔ گذشتہ ماہ ایک سال کے بعد اس اتحاد کے بنیادی ایجنڈے سے اختلافات کرنے والوں کو

اتحاد سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم ان اختلافات کی حقیقت آپ کے سامنے رکھیں مناسب رہے گا کہ اتحاد کے ایک سال پر نظر ڈال لی جائے۔

قائد انقلاب کی صدارت میں عوامی اتحاد کا ایک سال :

آج سے ایک سال قبل ۱۰ مارچ ۱۹۹۸ء کو پاکستان عوامی اتحاد کا قیام عمل میں آیا۔ اتحاد میں شامل تمام جماعتوں نے اتحاد کی کامیابی کے لیے کاوشیں کیں لیکن بنیادی کردار پاکستان عوامی تحریک کے چیئر مین ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے بطور صدر اتحاد ادا کیا۔ پاکستان عوامی تحریک نے اتحاد کو مضبوط بنانے اور ٹھوس بنیادیں فراہم کرنے کے لیے اپنی افرادی قوت و وسائل اور صلاحیتوں کا بہترین استعمال کیا اور اسے قومی سیاست میں مثبت رجحانات اور فعال کردار کی ادائیگی کے قابل بنا کر ایک مضبوط اپوزیشن کے طور پر منوایا۔ اس ایک سال میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیر صدارت PAI نے درج ذیل سرگرمیاں سر انجام دیں۔

۱۔ رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے پاکستان کے بڑے شہروں میں تاریخی جلسے اور ریلیاں منعقد کی گئیں مثلاً مارچ ۹۸ء گوجرانوالہ میں، اپریل ۹۸ء پشاور میں، مئی ۹۸ء حیدر آباد میں، اگست ۹۸ء کراچی میں، ستمبر ۹۸ء سرگودھا میں، اکتوبر ۹۸ء بہاولپور، ملتان، سکھر اور مظفر آباد میں اور نومبر ۹۸ء لاہور میں۔ پریس اور عوام و خواص نے ان ریلیوں اور اجتماعات میں PAT کی نمایاں حیثیت کو خاص طور پر نوٹ کیا۔

۲۔ مشترکہ جلسوں اور ریلیوں کے علاوہ سال بھر پاکستان عوامی تحریک نے اپنے پلیٹ فارم سے اتحاد کے لیے جلسے و ریلیاں کیں جن میں اتحاد کے دیگر رہنماؤں کی نمائندگی سے عوامی اتحاد کے استحکام اور مؤثریت میں اضافہ ہوا۔ جون ۹۸ء شیخوپورہ، تالاہور میلاد مارچ ہوا، جولائی ۹۸ء راولپنڈی میں، اگست ۹۸ء لاہور میں جبکہ اسی ماہ گست ۹۸ء لاہور میں خواتین کی شاندار ریلی بھی منعقد ہوئی جبکہ ۸ فروری ۹۸ء اسلام آباد میں ایک بہت بڑا پروگرام ہوا۔

۳۔ عوامی اتحاد ایک کثیر جماعتی اتحاد تھا جس میں فیصلہ سازی اور مشاورت یقینی طور پر ایک دشوار عمل تھا۔ قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیرِ صدارت نہ صرف عوامی اتحاد کے تحت ۱۰ اسربراہی اجلاس منعقد ہوئے بلکہ لاہور، کراچی، اسلام آباد اور ملتان میں ہونے والے اجلاسوں میں بہترین نظم کے ساتھ جمہوری روایات کے مطابق فیصلہ سازی کا عمل رائج کیا گیا۔

۴۔ عوامی اتحاد کے لیے سرانجام پانے والے دستوری و تحریری کام PAT نے سرانجام دیئے بالخصوص پاکستان عوامی اتحاد کا چودہ نکاتی ”مشترکہ اعلامیہ“ عوامی تحریک کے سیکرٹریٹ میں ترتیب دیئے گئے بنیادی ڈرافٹ کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کیا گیا۔ PAT کے مرکزی سیکرٹریٹ میں ۱۸ مارچ کو تمام سربراہوں نے کمیٹی کے تیار کردہ اس اعلامیے پر دستخط کر کے اسے مشترکہ اعلامیے کے طور پر قبول کیا جو اپنی جگہ مثبت تبدیلیوں کا بہترین دستور تھا۔ اسی طرح موجودہ وزیر اعظم کے خلاف بھیجی جانے والی چارج شیٹ کا تمام کام PAT کے مرکزی سیکرٹریٹ میں PAT کی ٹیم نے سرانجام دیا۔

۵۔ قائد محترم نے پاکستان اور پاکستان سے باہر ایک سال میں ۵۷ پریس کانفرنسز کے ذریعے عوامی اتحاد کے نقطہ نظر کو متعارف کروانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اتحاد کی طرف سے مختلف اجلاسوں میں ملکی قومی اور ملی مقاصد کے لیے ۴۸ قراردادیں پاس کی گئیں۔

۶۔ مئی ۱۹۸۸ء میں نیو کلیئر ایشو پر پاکستان کی سب سے بڑی APC، جس میں ملک کی ۴۲ جماعتیں شریک ہوئیں منعقد کی گئی جس نے نیو کلیئر ایشو پر مجموعی قومی موقف اختیار کرتے ہوئے حکومت کو ایٹمی دھماکوں پر مجبور کیا۔ اتحاد کے پلیٹ فارم سے فقط حکومت کے خلاف شور شرابے کی بجائے قومی ایشوز پر سوچ چار کے بعد ٹھوس اور واضح موقف اختیار کیے گئے جنہیں زبردست عوامی پذیرائی حاصل ہوئی۔ مثلاً سی ٹی ٹی کا لابغ ڈیم، شریعت بل، آزادی صحافت، قومی بحث اور خارجہ پالیسی وغیرہ۔

۷۔ عوامی اتحاد کی سرگرمیوں کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کروانے کے لیے قبلہ قائد

انقلاب نے جون ۱۹۸۸ء میں میریٹ ہوٹل اسلام آباد میں پاکستان میں موجود بیرونی سفراء کے اعزاز میں ایک عشاءِ دیا جس میں عوامی اتحاد کی جدوجہد اور نقطہ نظر کو دنیا بھر کے سفراء اور حکومتوں تک واضح انداز میں پہنچایا گیا۔ مرکز سے انٹرنیٹ کے ذریعے عوامی اتحاد سے متعلق معلومات دنیا بھر میں باقاعدگی سے فراہم کی جاتی رہیں۔ پاکستان سے باہر برطانیہ، امریکہ، ہالینڈ، فرانس، کینیڈا، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات وغیرہ میں دورہ جات کے موقع پر عوامی اتحاد کا موثر انداز میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر نقطہ نظر پیش کیا گیا۔

۸۔ پاکستان کے رجحان ساز اور دانشور طبقے تک اتھارٹی کا نقطہ نظر پہنچانے کے لیے بہت سی نشستیں منعقد کی گئیں جن میں IPPS-CWC اور قومی بحث وغیرہ پر اتحاد کا نقطہ نظر سامنے لایا گیا۔

۹۔ عوامی اتحاد کے تمام جلسے، جلوس، ریلیوں اور پریس کانفرنسز کو آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعے پاکستان اور پاکستان سے باہر دنیا کے ۷۰ ممالک میں متعارف کروایا گیا۔

۱۰۔ IPPS پر قوم کے سامنے غلط پراپیگنڈا پیش کر کے اپوزیشن کا کردار مسخ کرنے کے حکومتی اقدامات کی روک تھام کے لیے قبلہ قائد انقلاب نے حکومت کو چیلنج کیا کہ جلی مہنگی ہونے کی ذمہ دار موجودہ حکومت ہے۔ اس پر حکومت کو ٹیلی ویژن پر مناظرے کا چیلنج دیا گیا جسے حکومتی وزیر شیخ رشید احمد نے قبول کیا لیکن وقت مقررہ پر ٹی وی سٹیشن نہ پہنچے جبکہ قبلہ قائد انقلاب نے وقت مقررہ پر پہنچ کر حکومت کو عملاً شکست دے دی۔ اسی طرح انہوں نے بہت قلیل وقت میں IPPS پر کتاب تحریر کر کے اس موضوع پر تحقیقی

معلومات اور حقائق قوم کو فراہم کر کے ایک منصوبہ ساز اپوزیشن لیڈر کا کردار ادا کیا۔

۱۱۔ پاکستان میں اقلیتوں میں پائی جانے والی عدم تحفظ کی فضاء کو ختم کرنے کے لیے قبلہ قائد انقلاب نے ”مسلم کر سچن ڈائلاگ فورم“ کا قیام عمل میں لا کر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پائیدار اثرات کی بنیاد ڈالی۔

۱۲۔ پاکستان عوامی اتحاد کو ایک منظم اور مضبوط اتحاد بنانے کے لیے پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی سیکرٹریٹ کو ہی عوامی اتحاد کے صدر کا مرکزی سیکرٹریٹ قرار دیا گیا جہاں سے اتحاد کے لیے بہترین خدمات سرانجام دی گئیں۔ اس دوران عوامی اتحاد کے ترجمان کے طور پر قبلہ قائد انقلاب کے میڈیا سیل کا کردار نمایاں اور کلیدی رہا۔

اختلافات کی حقیقت :- اتحاد میں شامل دو بڑی قوتوں PPP اور PAT کے درمیان اختلافات کی نوعیت اگرچہ ایک فطری سائل تھا لیکن جس ایجنڈے پر دستخط کر کے اس اتحاد کا آغاز ہوا تھا اس میں خاصی حد تک اس خلیج کو مٹایا جا چکا تھا۔ آئندہ انتخابی حکمت عملی سے لے کر خارجہ پالیسی تک اور ملک میں نافذ نظام عدل سے لے کر معاشی نظام تک وہ تمام شقیں شامل تھیں جو ایک مضبوط اور خوشحال معاشرے کو وجود میں لانے کے لیے ایک واضح لائحہ عمل تھا لیکن اس لائحہ عمل پر عمل درآمد میں بھی وہی ہوس اقتدار آڑے آئی۔ PPP کی قیادت سمیت بعض دوسرے حضرات اس متفقہ ایجنڈے سے روگردانی کرتے ہوئے موجودہ حکومت گرانے سے متعلق صرف ایک نکاتی ایجنڈے پر اپنی ساری قوتیں لگادینے پر مصر ہو گئے جو بجائے خود ایک منفی رجحان کا غماز تھا۔ قائد انقلاب سمیت اتحاد میں شامل مثبت رجحانات رکھنے والے رہنماؤں نے کسی ٹھوس منصوبہ بندی اور آئندہ قابل اعتماد قیادت پر اتفاق کیے بغیر ”حکومت ہٹاؤ ایجنڈا“ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ حکومتیں ہٹانے اور نئی حکومتیں بنانے کا کھیل تو پچھلے پچاس سالوں سے جاری ہے۔ اب بھی اگر موجودہ حکومت کو ہٹا کر PPP کو اقتدار میں لانا مقصود ہے تو اس ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا۔ جو قیادت پہلے دوبار حکومت میں آکر مایوسیوں کے بغیر قوم کو کچھ نہ دے سکی اس نے اب کیا کر لینا ہے۔ یہ وہ جرأت مندانہ اور دیانتدارانہ موقف تھا جو پورے سال قائد انقلاب نے ڈٹ کر ہر سطح پر بیان بھی کیا اور کسی ایسے ایجنڈے پر ایک قدم بھی نہیں اٹھانے دیا جو قوم، ملک اور دین کے وسیع تر مفاد کے خلاف تھا۔ قائد محترم کی

یہ جرأت اور استقامت قومی اخبارات کے ذریعے ہر شخص تک پہنچ چکی ہے۔ ہم نے اس ایک سال کی سیاسی جدوجہد میں جو کچھ حاصل کیا وہ قومی سطح پر ایک ٹھوس اور مثبت تبدیلی کے لیے فضا کی ہمواری تھی۔ ہم نے محدود مفاد کے لیے کسی اصول پر سمجھوتا نہیں کیا۔ ہم مصطفوی انقلاب کی کامیابی تک ہر وہ کوشش کریں گے جس میں حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہمیں روشنی میسر آتی رہے گی۔ تحریک منہاج القرآن نہ پہلے کسی باطل نظام اور منافقانہ سیاست کا حصہ بنی ہے نہ آئندہ بنے گی..... انشاء اللہ۔

(اپریل ۱۹۹۹ء)

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

انسانی تاریخ طبقاتی، نسلی اور جغرافیائی کشمکش کے بہت سے مظاہر پیش کر چکی ہے لیکن اسے شرفِ انسانیت کے منافی سمجھتے ہوئے ہر الہامی مذہب اور معتدل انسانی سوچ و فکر نے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔ بالخصوص اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء و رسل نے نہ صرف مظلوم انسانی طبقات کا ساتھ دیا بلکہ وقت کے فرعونوں، ہامانوں اور نمرودوں کے مقابلے بھی کیے۔ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ بلا تمیز رنگ و نسل اور مذہب و مسلک سب کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اس قادرِ مطلق ذات نے کسی شخص کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ کسی حیثیت میں بھی دوسروں کا خدا بن کر ان کے بیادوی حقوق پر ڈاکہ ڈالے۔

اسلام نے اسی تمیز بندہ و آقا گو فسادِ آدمیت قرار دیتے ہوئے پہلی مرتبہ انسانوں کی خرید و فروخت ممنوع قرار دی اور اس کے گلے میں معلق صدیوں سے غلامی کی بھاری آہی زنجیریں اتار پھینک دیں۔ رسولِ انسانیت رحمتہ للعالمین ﷺ نے اسی شرفِ انسانیت کو بحال کرتے ہوئے سردارانِ قریش سے قطع نظر بلال و یاسر جیسے حبشی غلاموں کو اپنے سینے سے لگایا اور خطبہٴ حجۃ الوداع کے دن کبر و نخوت کی ہر شکل کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل کر قیامت تک مساواتِ انسانی کا عملی ثبوت پیش فرمایا۔

اس مساواتِ محمدی ﷺ کا نمائندہ پہلا انسانی معاشرہ مدینہ منورہ میں قائم ہوا جہاں تاریخ نے پہلی مرتبہ یہ مناظر دیکھے کہ بادشاہ اور غلام ایک صف میں کھڑے ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جھکتے ہیں اور سرورِ کائنات ﷺ مزدوروں کے ہمراہ خندق کھودتے ہیں، جانثار صحابہ جب بھوک کی جائز شکایت لے کر اپنے آقا کی بارگاہ میں درخواست گزار ہوتے ہیں اور اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے پتھر دکھاتے ہیں تو آقائے کائنات ﷺ نے ایک کی بجائے دو پتھر باندھ رکھے ہیں۔ اسی سر زمین مدینہ میں نوحب سیدنا صدیق اکبرؓ سربراہ مملکت بنتے ہیں تو خلیفہ

کا منصب سنبھالنے کے بعد بھی ضرورت مندوں کے لئے بحر یوں کا دودھ خود دوتے ہیں۔ پھر اسی مدینہ کے تحت خلافت پر جب تین براعظموں پر پھیلی ہوئی عظیم الشان اسلامی حکومت کے فرمانروا سیدنا فاروق اعظمؓ جلوہ افروز ہوتے ہیں تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی حاجت روائی کا سامان اپنے کندھوں پر اٹھا کر ان تک پہنچاتے ہیں۔ عراق کے امیر کو غریبوں کے حقوق سے متنبہ کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ اگر وجہ کے کنارے میرے دور میں بحری کا کوئی بچہ بھی بھوکا مر گیا تو اس کی ذمہ داری عمر پر عائد ہوگی۔ الغرض اسلامی فرمانرواؤں اور عام باشندوں کے درمیان تاریخ نے جتنا کم فاصلہ اس وقت دیکھا پھر شاید کبھی نہ دیکھا ہو۔

اسی ریاستِ مدینہ کی تقلید میں مسلمانانِ برصغیر نے لاکھوں قربانیاں دے کر اپنے خون پر پاکستان جیسے اسلامی نظریاتی ملک کی بنیادیں رکھیں۔ تحریکِ پاکستان کے قائدین اور کارکنان نے مساوات، عدل، بھائی چارے، غریب پروری اور معاشی مساوات کے نہ جانے کتنے سہانے خواب دیکھ رکھے تھے مگر افسوس۔۔۔۔۔ یہ قافلہ منزل پر پہنچنے سے پہلے اپنے ہی راہزنوں سے لٹ گیا۔ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے جس اسلامی حکومت کا تصور پیش کیا تھا وہ آج تک حقیقت نہیں بنے دیا گیا بانی پاکستان کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے حکمرانوں نے لوٹ مار، دغا بازی اور چوربازاری کا وہ سلسلہ قائم کیا کہ الامان والحفیظ۔ پاکستانی قوم کی اکثریت اب واضح طور پر دو طبقات میں تقسیم ہو چکی ہے ان میں سے ایک لوٹنے والوں کا طبقہ اور دوسرا مظلوم عوام کا طبقہ جو ہر بار لٹتا ہے، کبھی جمہوریت کے نام پر اور کبھی اسلام کے نام پر۔ اول الذکر طبقہ مختلف مقتدر حلقوں میں منقسم ہو چکا ہے جو ہر بار حالات کا رخ دیکھ کر وفاداریاں بدل لیتا ہے اور یوں اقتدار کی یہ میوزیکل چیئر کسی نہ کسی طرح ان کے قبضے میں ہی رہتی ہے۔ مختلف نعروں اور جماعتوں کے نام پر یہی چند مراعات یافتہ خاندان اس قوم کی تقدیر پر مسلط ہیں اور اس کے معاشی وسائل لوٹ لوٹ کر بیرون ملک تجوریاں بھرنے کے ساتھ ساتھ ملک میں محلات اور کارخانے بنا رہے ہیں۔ عوام الناس دن بہ دن غربت،

جمالت 'افلاس' بد امنی 'عدم تحفظ' بے روزگاری 'مہنگائی اور فرقہ واریت کے جہنم میں جل رہے ہیں۔ پاکستان کی کل آبادی کا ۴۰ فیصد حصہ غریب ہے اور ۴۰ فیصد غربت کے عالمی معیار سے بھی نیچے بدتر زندگی گزار رہا ہے جبکہ بقیہ پچاس فیصد حصے میں ۱۵ فیصد سے زائد لوگ ایسے ہیں جو متوسط اور سفید پوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یوں ۵ فیصد سے بھی کم لوگ ۹۵ فیصد انسانوں کے حقوق پر قابض ہیں اور ہر گزرنے والا لمحہ عوام الناس کیلئے مسائل کے انبار میں اضافہ کر رہا ہے۔ حکمرانوں نے مال و زر جمع کرنے اور حکومتی تسلط قائم رکھنے کیلئے بیرون ملک اسلام دشمن مالیاتی اداروں سے قرضوں کے معاہدے کر رکھے ہیں جن میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے۔ یوں ایک طرف ان کے خزانوں میں وسعت آرہی ہے اور دوسری طرف قوم کا بچہ بچہ قرض کے بھاری بوجھ تلے دبتا چلا جا رہا ہے۔ موجودہ مسلم لیگی حکومت جب اقتدار میں آئی تو اس نے غیر ملکی قرضوں کا کشکول توڑنے کا اعلان کرتے ہوئے "قرض اتارو ملک سنوارو" سکیم کے تحت ایک طرف غریبوں سے رقم بطوری اور دوسری طرف اڑھائی سال میں بیرونی قرض ۱۰۳۹ ارب سے بڑھ کر ۱۷۵ ارب روپے ہو چکا ہے۔ اس وقت پاکستانی قوم تقریباً ۳۰ ہزار ارب روپے کی مقروض ہے اور صاف ظاہر ہے یہ قرض کوئی بھی بد دیانت حکومت چکا نہیں سکتی بلکہ سود و سود کی شکل میں اس میں ہر سال خود بخود اضافہ ہو رہا ہے۔ ان بد دیانت حکمرانوں کے ایماء پر افسر شاہی نے بھی کرپشن کے عالمی ریکارڈ توڑ دیئے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان کا نام دنیا کے چند کرپٹ ترین ممالک کی فہرست میں شامل ہے۔ نیز UNO کی رپورٹ کے مطابق پاکستان جیسا قدرتی وسائل سے مالا مال ملک دنیا کے ستر غریب ممالک کی فہرست میں ۶۳ ویں نمبر پر ہے یعنی دنیا کے ۶۲ غریب ترین ممالک بھی ہم سے بہتر حالت میں ہیں۔

ان حالات میں قوم کے سامنے اب دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو وہی جس پر یہ ۵۲ سال سے چلی آرہی ہے اور دوسرا انقلاب، ہوش مندی اور احساس و فکر کا راستہ ہے۔ یاد رکھئے! پہلا راستہ ضمیر فروشی، بزدلی اور خسیت کا راستہ ہے جسکی منزل عزت و وقار اور خوشحالی ہے۔ اسی

راتے کی طرف پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین عالم اسلام کے عظیم لیڈر اور سیاسی و معاشی انقلاب کے داعی پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قوم کو آواز دی ہے۔ انہوں نے ٹھوس پروگرام کے ساتھ قوم کے ضمیر پر انقلاب کی دستک دی ہے۔ غریبوں اور دکھی لوگوں کے مسائل کے حل کیلئے ۱۲ نکاتی انقلابی پیج کا اعلان کیا ہے۔ یہ یقیناً سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے ایک کھلی بغاوت اور بہت بڑی جنگ کا آغاز ہے جسے لڑنے کیلئے مصطفوی سپاہیوں کے ایمانی جذبوں کی ہی ضرورت ہے۔ غریبوں! مظلومو! بے سہارو! مزدورو! تمہارے حقوق کا ادراک صرف اور صرف دینی اور انقلابی قیادت ہی کر سکتی ہے۔ آؤ! تاریخ کے اس دور اے پر متحد ہو کر اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کرو اور مصطفوی انقلاب کا سورج اطلوع ہونے تک باطل سامراجی ایجنٹوں کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کر دو، پھر دیکھنا تمہاری تقدیروں پر مسلط ان درندوں کو سمندر بھی جگہ نہیں دے گا۔ سنو! روح اقبال تمہیں آج بھی پکار رہی ہے۔

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
 کاخ امراء کے درو دیوار ہلا دو
 سلطانی اسلام کا آتا ہے زمانہ
 جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

(مئی ۱۹۹۹ء)

ارضِ وطن کے شبِ زندہ دار محافظوں کے نام!

یہ حسن اتفاق تھا یا قانونِ قدرت کا عبرت انگیز واقعہ جب پاکستانی قوم نے ایٹمی دھماکوں کی پہلی سالگرہ ”یومِ تکبیر“ سے موسوم کر کے عین اس وقت منائی جب کشمیر کے کارگل سیکٹر میں بھارت کے دو لڑاکا طیاروں کا ملبہ پوری دنیا کے سامنے نشانِ عبرت بنا ہوا تھا۔ کشمیر میں 720 کلومیٹر طویل پاک بھارت سرحد پر دو طرفہ گولہ باری اب ایک معمول بن چکا ہے۔ اس لئے دونوں ملکوں کے عوام ان جھڑپوں پر زیادہ کان نہیں دھرتے لیکن گذشتہ کئی ہفتوں سے کارگل کے بلند پہاڑوں پر جاری کارروائی کا دائرہ ”جھڑپوں“ سے بڑھ کر خطرناک جنگی حملوں کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اب تک کی صورتِ حال اور بھارت کی سیاسی و فوجی قیادت کے بیانات سے ان حملوں کا سلسلہ رکتا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ بڑے پیمانے پر مزید خطرناک جنگی حملوں کے آثار واضح ہو رہے ہیں۔

کارگل سیکٹر میں مجاہدین کی واضح اور فیصلہ کن کامیاب پوزیشن کب تک قائم رہتی ہے، اس کا فیصلہ آئندہ چند دنوں میں ہو گا لیکن اس وقت تک دنیا نے حق و باطل کے اس معرکے میں جو نظارہ دیکھا ہے اس میں جنگی حکمتِ عملی کے ماہرین بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مٹھی بھر مجاہدین کئی ہفتوں سے بھاری انڈین فوج کے تابڑ توڑ فضائی اور زمینی حملوں کا مقابلہ کس بہادری اور جوانمردی سے کر رہے ہیں۔ ایک طرف دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلے کی تہِ نسبتہ سردی اور ضروریاتِ زندگی کی عدم دستیابی اور دوسری طرف ہزاروں کی تعداد میں تازہ دم مسلح فوجی دستے جن کی پشت پر دنیا کی بڑی سیاسی اور عسکری قوت کے تمام تر ممکنہ وسائل موجود ہیں۔ اس واضح فرق کے باوجود مجاہدین کا پلہ اگر بھاری ہے تو یہ محض نصرتِ ایزدی کا معجزہ ہے۔

بھارتی افواج نے قبل ازیں پاکستانی سرحدوں کی کئی بار خلاف ورزی کی ہے جس پر

ہماری عسکری اور سیاسی قیادت نے مروجہ مہذب اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے کئی بار احتجاج بھی کیا لیکن لاتوں کے بھوت باتوں سے کب مانتے ہیں۔ 26 اور 27 مئی کو بھارتی ہوا بازوں نے فضائی حدود کی نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ پاک سرحد پر بمباری کا ارتکاب بھی کیا۔ یہ انتہائی اقدام 71ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اپنی نوعیت کا سنگین ترین واقعہ بھی تھا اور متوقع نتائج کے اعتبار سے خطرناک ترین بھی۔ اس لیے اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جاتا توہ ہندو بنیا ابھی تک نہ جانے کیا کچھ کر چکا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسکی خاص نصرت سے ہمارے فوجی سپاہیوں کے ہاتھوں بھارتی فضائیہ کا غرور خاک میں مل گیا۔ اقوام عالم کے سامنے بھارت کو حدود کی خلاف ورزی سے انکار کا موقع بھی نہیں مل سکا اور وہ اپنی خفت کو چھپانے کا کوئی معقول بہانہ بھی نہیں تراش سکا۔ دشمن کی پہلے قدم پر یہ عبرت ناک شکست یقیناً ہمارے لئے تائید ایزدی ہے۔ اس سے پاکستانی قوم اور مسلح افواج کے حوصلے بلند ہوئے ہیں اور ہندو افواج کا مورال گرا ہے لیکن مکار دشمن اپنی اس خفت کو چھپانے کیلئے اس سے بھی سنگین تر قدم اٹھا سکتا ہے۔ اسے اپنی کثرت اور قوت کا غرور ہے مگر وہ شاید یہ بھول گیا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد کی کئی گنا بڑی فوجیں اسی سر زمین پر غوری، غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کی غریب الوطن، بے سروسامان اور مختصر فوج کے ہاتھوں دندان شکن شکستیں کھا چکی ہیں۔ کفر نے ہمیشہ شمشیر پر بھروسہ کر کے مار کھائی ہے اور مومن سپاہی بے تیغ بھی لڑ کر فتح حاصل کرتے رہے ہیں۔ تاہم یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب ہمارا سپاہی بے تیغ نہیں رہا بلکہ اسکے پاس غوری، شاہین اور بدر جیسے میزائلوں سے لیکر جدید ترین ایٹمی ہتھیاروں تک کی دستیابی ہے۔

اسلام کی عسکری تاریخ میں ایمانی جذبوں سے لڑنے والی فوج نے کبھی شکست نہیں کھائی۔ جب کبھی ہزیمت کا سامنا ہوا وہاں مالی منفعتیں اور سیاسی مصلحتیں کارفرما تھیں کیونکہ ہوس اقتدار اور دنیوی مال و اسباب کی حرص اسلامی فلسفہ جہاد کے بالکل متضاد ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ مسلمان اپنے لیے بھی امن پسند ہے اور دوسروں کیلئے بھی لیکن جب اسکی

جان، مال، عزت و آبرو اور دین خطرے میں ہو تو اس صورت میں ظلم کی ہر شکل کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا اس کا فرض بن جاتا ہے۔ فتنہ و فساد جب تک اپنی موت آپ نہ مر جائے اس پر چین سے بیٹھنا حرام ہے اور یہی چیز دنیا میں امن و آشتی اور سماجی و سیاسی عدل کی ضمانت ہے۔ اس لیے جہاد ”قتل و غارت کا نظریہ“ نہیں بلکہ ہر سطح پر امن و سلامتی کیلئے کی جانے والی انتہائی کوشش کا نام ہے۔ امن کیلئے یہ کوشش اسلامی معاشرے میں بھی جاری رہتی ہے اور غیر اسلامی معاشرہ نے بھی اسلام کے ظلِ عاطفت میں حقیقی تحفظ کا لطف اٹھایا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں گاؤں ماتا کے یہی پجاری ہندو بیٹے متحدہ ہندوستان میں ایک ہزار سال تک اسلامی حکومت کے شہری رہے ہیں۔ کیا کبھی کسی مسلمان حکمران نے انکی نسل کشی کی اجازت دی، انکے گھروں میں گھس کر انکے بچوں کو ماں باپ کے سامنے قتل کیا اور انکی عورتوں کی مسلمانوں کے ہاتھوں آبروریزی کی کوئی ایک مثال بھی موجود ہے؟ جب تک ان کا شر خاموش رہا اسلامی حکومت نے انکی ہر قیمت پر حفاظت کی حالانکہ ہندو کی نفسیات یہ ہے کہ اس نے ہر دور میں سازشوں کو جنم دیا اور جب بھی موقع ملا مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا۔ مذہبی مقامات کی بے حرمتی کی اور ہر بار اسلام کو برصغیر سے نکال باہر کرنے کی ناکام کوشش کی۔ آج بھی باری مسجد سمیت کشمیر کی سینکڑوں مساجد اور خانقاہیں ان کی دست برد کا شکار ہو رہی ہیں۔ کشمیر کے نہتے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور اب یہ دست جفاکیش اپنی سرحدوں سے تجاوز کر کے پاک سرزمین تک بھی دراندازی کر رہا ہے۔ خدا نخواستہ ہندوؤں کا یہ جنون آزاد کشمیر کی سرحدوں سے تجاوز کرتا ہوا پنجاب اور سندھ کی سرحدوں تک پھیل گیا تو جنوبی ایشیاء سمیت عالمی امن شدید ترین خطرات میں گر جائے گا۔ کشمیر میں بھارتی افواج گذشتہ دس سال سے ظلم و ستم کی شرمناک داستانیں تو رقم کر ہی رہی تھیں انڈیا نے 11 مئی 98ء کو ایٹمی دھماکوں میں پہل کر کے خطرے کے بٹن کو بھی خود ہی دبایا ہے۔ واجپائی اگر اپنی عارضی حکومت کو جنگ کے ذریعے طول دینا چاہتا ہے تو یہ بھی اسکی بھول ہے۔ بھارت کی سات لاکھ فوج دس سال سے نہتے کشمیریوں کو خاموش کرانے میں ناکام رہی ہے اس لیے اب کھسیانی ملی کی طرح کھبے نوج رہی ہے۔

خدا نخواستہ جنگ کے یہ بادل اگر کھل کر برسن شروع ہو گئے تو اس کا نقصان پاکستان

سے زیادہ بھارت کو ہو گا۔ ہماری فوج اور عوام ویسے بھی بھارت سے 71ء کا انتقام لینے کیلئے قسم کھائے بیٹھی ہے۔ پاک سرحدوں پر شب زندہ دار محافظو! تم صرف پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے ہی امین نہیں بلکہ عالم اسلام کے نظریاتی اور عسکری قلعے کی دیواروں کا پہرہ دے رہے ہو۔ اس لیے تمہاری جراتوں کی داستانیں آنے والی نسلوں کیلئے بہادری کا استعارہ ہو گی۔ حیدر، خالد، ایوبی، غزنوی، غوری اور ٹیپو کی روحیں تمہاری معاون ہیں۔ تم ارض و وطن کی ناموس ہو، تم تقدیس رسالت کے امین ہو، تمہارے سروں پر اللہ کے فضل اور تاجدار کائنات ﷺ کی رحمت کا سایہ ہے۔ تم نے اس راہِ وفا میں جان دی تو خلد بڑی میں عروس شہادت تمہاری منتظر ہے اور چ گئے تو قوم کی پلکیں تمہارے راستوں میں بچھی ہیں۔

ہاے راہِ حق کے شہیدو! وفا کی تصویر! تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں۔

فوری اقدامات کیلئے تجاویز۔ ان حالات میں ہم حکومت پاکستان کی توجہ درج ذیلی امور کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ ☆ ملک میں جاری حکمرانوں کی لوٹ مار، چوربازاری اور عیش پرستی فوری طور پر ختم کی جائے تاکہ عوام مہنگائی کا مقابلہ کرنے کی بجائے دشمن کے مقابلے کیلئے تیار ہوں۔ ☆ سفارتی سرگرمیاں تیزتر کر دی جائیں، خارجہ حکمت عملی پر نظر ثانی کرتے ہوئے کشمیر کے مسئلے کو مزید اجاگر کیا جائے اور بے حس، جانبدار عالمی برادری کو علاقے کی نازک صورتحال کی طرف متوجہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ ☆ عالم اسلام کو اعتماد میں لینا از بس ضروری ہے۔ اس مقصد کیلئے وفد روانہ کیے جائیں کیونکہ اکثر مسلمان ممالک بالخصوص عرب دنیا میں اب بھی بھارت کا اثر و رسوخ پاکستان سے زیادہ ہے۔ ☆ کشمیر اور کوسوو کے مسئلے پر OIC کے موجودہ چیئرمین ایران کو فوری اجلاس بلانے کی درخواست کی جائے۔ دونوں خطوں میں موثر پالیسی اختیار کر کے عملدرآمد کروانے کی صورت میں عالم اسلام اپنی بے توقیری کا ازالہ بھی کر سکتا ہے۔ ☆ قومی سطح پر جذبہ جہاد کو فروغ دینے اور قوم کا مورال بلند کرنے کیلئے ذرائع ابلاغ کی ترجیحات فوراً تبدیل کی جائیں اور ریڈیو اور ٹی وی پر لچر پروگرام ختم کر کے قومی مذہبی اور ملی غیرت کو ابھارا جائے۔

(جون ۱۹۹۹ء)

مہربہ لب عالم اسلام کے نام کو سووکانوح

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت امت مسلمہ بے توقیری کے جہنم میں جل رہی ہے۔ اس کے لخت لخت جسم سے خون بہہ رہا ہے۔ آنے والا ہر لمحہ اس کے کرب میں اضافہ کر کے گزر جاتا ہے۔ حال ہی میں دنیا کے مہذب خطہ یورپ کے وسط میں یوسنیا کے پرامن مسلمانوں کو سرخوں کی طرف سے جن مظالم کا سامنا کرنا پڑا اس کے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے کہ اسی خطے میں دوسری مسلمان ریاست کو سووکی سرزمین پر خونِ مسلم کی ندیاں بہنے لگیں۔ نسل پرست عیسائیوں نے ان بے ضرر مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا انتقام لے رہے ہیں لیکن امت مسلمہ کی طرف سے اتنی بڑی ہلاکت اور تاریخی تباہی پر کوئی مؤثر آواز بلند نہیں ہوئی۔ مغرب اور امریکہ کے مفادات کی محافظ نیٹو تنظیم ایک سال تماشادیکھتی رہی اور اب اس نے عالمی دباؤ یا مسلمان ملکوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے سربیا پر ہوائی حملوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مغرب نواز میڈیا نیٹو کے حملوں سے سربیا کی تباہ شدہ خالی عمارتیں، پل اور دوسرے مقامات کی تصویریں دکھا رہا ہے حالانکہ سرب فوجی پوری توانائی اور حمتِ عملی کے ساتھ کو سوو کو مسلمانوں سے خالی کروانے میں مصروف ہیں۔ نیٹو کی جانبدار حکمتِ عملی سے سرب فوج مسلسل فائدہ اٹھا رہی ہے اس نے پوری تسلی سے نسلی تطہیر کا آپریشن کرتے ہوئے نوجوان مسلمانوں کو قتل کیا ہے اور بچ جانے والے بوڑھوں، بچوں اور بے سہارا عورتوں کو گھروں سے بے دخل کر کے ملک بدر کر دیا ہے۔ نیٹو کی طرف سے سربوں کو دوسری سہولت یہ مل رہی ہے کہ وہ نہ تو خود زمینی حملے کر رہے ہیں اور نہ کو سوو لہر پش آرمی کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہے یعنی مظلوم کو خالی ہاتھ رکھا ہوا ہے اور ظالموں کو کھلی چھٹی۔ ایک اطلاع کے مطابق امریکہ کو سوو سے جو بچے پرورش کیلئے لے گیا ہے وہاں عیسائی مشنری اداروں میں ان کی تربیت ہو رہی ہے۔ یہ سب کچھ امت مسلمہ کے مردہ ضمیر کے نام ایک چیلنج ہے۔ عالم کفر بڑی ہوشیاری سے سپین کی تاریخ دہرا رہا ہے اور مسلم حکومتیں مہربہ لب تماشادیکھ رہی ہیں۔

(جون ۱۹۹۹ء)

معرکہ کارگل کے دو متضاد کردار

پاک بھارت سرحدی کشیدگی، کرگل پر مجاہدین کے قبضے سے جس ہنگامہ خیز صورتحال میں داخل ہو چکی ہے اسے دو ماہ مکمل ہو چکے ہیں۔ مسئلہ کشمیر آج کل نہ چاہتے ہوئے بھی عالمی استعماری طاقتوں کے ایجنڈے میں زیر بحث آرہا ہے۔ ہمارا زلی دشمن ہندو تقسیم ہند کے بعد 52 سالہ تاریخ میں پہلی بار بلبلا اٹھا ہے۔ قدرت نے حق و باطل کے معرکوں کی تاریخ میں قلت کو کثرت پر غالب کر کے ایک اور حیران کن اہصافہ کر دیا ہے۔ کرگل کے گننام برف پوش اور سنگلاخ پہاڑ اب اسلام کی عظمت کا چرچا کر رہے ہیں۔ ان بلند یوں پر بیسویں صدی کے آخر میں تاریخِ عزیمت کا ایک خوبصورت باب رقم ہو رہا ہے۔ اسلام کے بیٹے ان سنگلاخ بلند پہاڑی چوٹیوں سے عالم کفر کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ

”جو چلے تو جاں سے گزر گئے جو رکے وہ کوہِ گراں ہیں ہم“

اپنے ”نیورلڈ آرڈر“ کے خاکوں میں رنگ بھرنے کیلئے امتِ مسلمہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا خواب دیکھنے والو! ہماری شرافت کو کمزوری سمجھ کر کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ ہم امن پسند، صلح جو اور سلامتی کی ضامن ملت کے افراد ضرور ہیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جب اور جہاں بھی کافرانہ استعمار کی تاریکی حد سے بڑھی، ہم نے اپنے خون کے چراغ ضرور جلائے ہیں۔ تمہیں کفر کے مفادات عزیز ہیں تو ہمیں بھی حق سے وفاداری نبھانا آتا ہے۔ رہا ہندو بچیا تو وہ شاید بھول گیا ہے کہ اس کے سومنات کے مندروں میں غزنی سے آکر جس محمود نے جلیاں گرائی تھیں، اس کے ہزاروں بد مست سوراؤں کو ان کے قلعوں میں جس غوری نے کچلا تھا، اس غزنوی اور غوری کے بیٹے ابھی مرے نہیں زندہ ہیں۔ انہوں نے باہر سے بھی نہیں آنا وہ افغانستان سے سری نگر تک اور آسام سے بنگال اور دہلی تک تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ ابھی تو انہوں نے ”کرگل کی ایک رگ“ پر اپنا پاؤں رکھا ہے تو تمہاری خواجگاہیں اور

عشرت کدے ویران ہو گئے ہیں، کل جب تمہارے خون آلود ہاتھ کٹیں گے تو تمہیں تمہارے اپنے گھروں میں بھی پناہ نہیں ملے گی۔

کل تک گوشہ گمنامی میں رہنے والا کرگل، سیاچین کے دامن میں 8000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ کوئی سرسبز و شاداب پہاڑی سلسلہ نہیں بلکہ خوفناک چٹانوں اور برف پوش چوٹیوں پر مشتمل دشوار گزار علاقہ ہے جہاں زندگی کے آثار کم اور موت کے مہیب سائے زیادہ منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ اس علاقے کی فوجی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ ان پہاڑوں پر کنٹرول حاصل ہو جانے کے بعد مقبوضہ ریاست جموں و کشمیر کے 51 ہزار مربع میل رقبے میں سے 31 ہزار مربع میل علاقہ عملاً دہلی انتظامیہ سے کٹ جاتا ہے۔ اس علاقے میں شمال کے بلند پہاڑی سلسلوں سمیت لیہ اور لداخ وغیرہ شامل ہیں۔ سکر دو سمیت اسی علاقے میں چین پاکستان اور بھارت کی سرحدیں ملتی ہیں اور یہی دنیا کی وہ واحد پہاڑی چوٹی ہے جو اپنی وسعت اور موزونیت کے اعتبار سے عسکری اڈوں کے لئے امریکہ کی نظروں میں گھر کر چکی ہے۔ شروع میں کرگل و دراس وغیرہ کے یہ علاقے پاکستان کے پاس تھے۔ 62ء میں انڈیا چین جنگ کے دوران امریکہ کے دباؤ پر پاکستان نے اپنی فوجیں عارضی طور پر ہٹائیں اور پھر 72ء میں ہارے ہوئے پاکستان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انڈیا نے ان پہاڑی چوٹیوں پر اپنی فوجیں تعینات کر دیں۔ بعد ازاں شملہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 84ء میں وہ یہیں سے آگے سیاچن گلشتر پر قابض ہو گیا۔ اس وقت بھارت سمیت عالمی طاقتیں پاکستان کو سرحدی خلاف ورزی کا مرتکب کہتے ہوئے عجیب ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہی ہیں حالانکہ سرحدوں کی خلاف ورزی تو بھارت نے خود دو بار کی ہے اور اسی علاقے میں کی ہے۔

کرگل کے اس معرکے میں بھارت بری طرح پسا ہوا ہے اور وہ تاریخ کی گہری کھائی میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ بھارت کی 5 برگیڈ (3500) فوج اور جدید ترین لڑاکا طیارے بے بس ہو چکے ہیں اس لئے 40 لاکھ ڈالر زیومیہ ان پہاڑی کھائیوں میں غرق ہو رہے

ہیں۔ مٹھی بھر مجاہدین کی کامیابیوں نے پوری وادی میں مسلمانوں کو تازہ جذبہ دیا ہے جبکہ بھارت کے اندر خلفشار کا بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ پورے ملک میں آزادی کی تحریکیں سبک رفتار ہو گئی ہیں، اس کی فوج کا مورال گر چکا ہے اور اس کی فوجی اور سیاسی قیادت کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔ مجاہدین کے جذبوں نے ان پہاڑوں پر ڈیرے ڈال کر دنیا کو مسئلے کی سنگینی کا جو احساس دلایا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود امریکی صدر کلنٹن کئی بار دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم سے بات کر چکا ہے اور امریکہ میں اعلیٰ سطحی سفارتی سرگرمیاں تیزی سے جاری ہیں۔ امریکی فوجی جنرل زینی کا پاکستان میں آکر یہاں کی عسکری اور سیاسی قیادت کو دھمکیاں دیکر جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اب ظلم کی سیاہ رات سحر آشنا ہونے والی ہے۔ ہم ان مجاہدین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں جن کی سالہا سال کی قربانیاں رنگ لانے والی ہیں۔ ہم پاک فوج کے ان سپوتوں کو بھی سلام پیش کرتے ہیں جن کی دو ٹوک اور جرأت مندانہ پالیسی اقتدار پرست سیاسی مصلحت کیلئے ناقابل تسخیر ہے۔

تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر ہم ایک بار پھر بڑے واضح الفاظ میں موجودہ قیادت کو باور کروادینا چاہتے ہیں کہ: اگر ”تاشقند، شملہ“ اور ”لاہور“ معاہدوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کسی اور معاہدے میں ملت فروشی کا ارتکاب کیا گیا تو سابق حکمرانوں کی طرح آپ کو بھی عبرتناک انجام سے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔ ہم حق پر ہیں اس لئے کسی طاقت کے سامنے جھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امریکہ ہو یا G-8 ممالک سمیت بھارت جیسا جارح ملک، ہم کسی کے دباؤ میں آکر لاکھوں مجاہدین کے خون سے غداری کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دیں گے۔ دفاع پاکستان اور آزادی کشمیر کیلئے تحریک منہاج القرآن، پاکستان عوامی تحریک اور ان کے ذیلی ونگ پاکستان سمیت دنیا کے اسی ممالک میں برسرِ پیکار ہیں۔ قائد انقلاب اس وقت پورے یورپ کینیڈا اور امریکہ جیسے ممالک میں عالمی راہنماؤں کو مسئلہ کی سنگینی اور عوامی جذبات سے روشناس کرانے میں مصروف ہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب اپنے جوان بیٹوں کے لاشوں پر رونے والی کشمیری ماؤں کو آزادی اور حق خود ارادیت کی منزل ملے گی۔ اجڑی بسعیاں چلے ہوئے گھر اور ہسار مسجدیں اور خانقاہیں دوبارہ زندگی اور ایمانی جذبوں کی بہارِ جانفزاں دیکھیں گی۔

(جولائی ۱۹۹۹ء)

اے دین و وطن کے غدارو! ہم تم سے بغاوت کرتے ہیں

گذشتہ سال ۲۸ مئی کو جب پاکستان نے فوج اور عوام کے سخت مطالبے پر بیرونی دباؤ سے بے نیاز ہو کر یکے بعد دیگرے چھ ایٹمی دھماکے کئے اور پہلی اسلامی ایٹمی قوت ہونے کا اعزاز حاصل کیا تو کفر کے ایوانوں پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا۔ ایک طرف یہود و ہندو کے اسلام دشمن عزائم کو دھچکا لگا اور دوسری طرف نیل کے ساحل سے لیکر تاجخاک کا شعر ملت اسلامیہ کے اندر فخر و انبساط کی نئی لہر دوڑ گئی۔ اسی دوران ارض و وطن کی فضاؤں میں غوری اور شاہین کی شاندار پروازوں نے دشمن کی صفوں پر بجلیاں گرائیں۔ ایٹمی اور عسکری صلاحیت کا یہ اظہار اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی مملکت خداداد کا استحکام بھی تھا اور دو قومی نظریے کا سائنسی احیاء بھی۔

اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے کوشاں دنیا بھر کی دعوتی اور جہادی قوتوں نے قوت کے اس اظہار کو تائید ایزدی سمجھا۔ اطراف و اکناف عالم میں کفر کے مظالم کا شکار ہر مسلمان ملک بجا طور پر پاکستان کی طرف ہی امید کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ قدرت کی دوسری فیاضی یہ ہے کہ ہماری فوج دنیا کی بہترین عسکری قوت ہے۔ وسائل اور تعداد میں اس سے کئی گنا بہتر صلاحیت رکھنے والی فوج نے بھی کبھی اس کے جیسا مقابلہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے اس کی رگوں میں فاروقی جذبہ اور حیدری جرأت رواں دواں ہے۔ اسے شمشیر پر اتنا بھروسہ نہیں جتنا نصرت خداوندی پر ہے۔ شہادت کی آرزو اس قوم کا وہ سرمایہ ہے جس کے سامنے دنیا کا کوئی لالچ اور بڑی سے بڑی دولت بھی بے حیثیت ہے۔ حال ہی میں لندن سے شائع ہونے والے ”آبزور“ کے نمائندے نے کارگل کے محاذ پر پاک فوج کے ساتھ دو دن گزارنے کے بعد اپنے تاثرات قلمبند کئے اور لکھا کہ میں نے ایسے نڈر اور بہادر لوگ کبھی دیکھے اور نہ سنے۔ دشمن کی طرف سے گولہ باری کے وقت اپنی جان چھانے کی بجائے یہ نوجوان لپک لپک

کر بارود کے شعلوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں موت کا کوئی ڈر نہیں بلکہ شہادت کی تمنا لیے دشمن کے ٹھکانوں پر جواہلی کاروائی کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ جذبوں کا اسلحہ جس کے سامنے آتش و آہن کے خوفناک اور جدید ترین ہتھیار بھی بے بس ہیں۔

تاریخ ایسی بے شمار شہادتوں سے بھری پڑی ہے جب حق و باطل کے معرکوں میں عددی قلت اور ساز و سامان کی عدم دستیابی کے باوجود دشمن کی کثرت نے وافر ساز و سامان حرب و ضرب سمیت شکست کھائی۔ عصر حاضر میں اس حقیقت کو اگرچہ افغان مجاہدین اور چیچن جانبازوں نے بھی سچا کر دکھایا تھا لیکن کشمیر میں لکھی جانے والی عزیمت کی حالیہ داستانوں نے تاریخ کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ وادی کشمیر میں پچاس سال سے سات لاکھ فوج کا مقابلہ مٹھی بھر مجاہدین جس بے جگری سے کر رہے ہیں اس پر دنیا گواہ ہے۔ کارگل کی بر فانی پہاڑی چوٹیوں پر ہونے والا حالیہ معرکہ حق و باطل کے حیران کن معرکوں میں سے ایک تھا جہاں انسانی سوچ اور ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنے والے منصوبہ سازوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہزاروں فٹ کی جن بلندیوں پر موسم کی شدت پہاڑوں کی ہیبت تبدیل کر دیتی ہے اور انسان کا سانس لینا دشوار ہوتا ہے وہاں بیٹھ کر جن مجاہدوں نے کئی ماہ تک تاریخ انسانی کی شدید ترین اور مسلسل بمباری کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ دشمن کی ۵۰ برگیڈ فوج کو باکوں چنے چبوائے۔ بھارتی استعمار شاید پہلی مرتبہ ان مٹھی بھر مجاہدین کے ہاتھوں اتنا بے بس ہوا کہ اس کا وزیر اعظم اپنے مضبوط اعصاب کے باوجود بے چارگی کے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکا۔ تھکے ہند غزنوی اور غوری کے روحانی بیٹوں کے ہاتھوں ایک بار پھر لرزہ بر اندام ہوا تو عالم کفر حرکت میں آگیا۔ تاریخ نے ”الکفر ملہ واحده“ کے ارشادِ نبوی ﷺ کی صداقت پر ایک بار پھر گواہی دی۔ امریکہ، اسرائیل اور مغربی ممالک کی ساری ہمدردیاں بھارت کے ساتھ ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے مجاہدین نے کشمیر کی پہاڑیوں پر نہیں امریکہ کی کسی ریاست پر قبضہ کر لیا ہو۔ وہی بھارت جس کے دامن پر انسانی حقوق کا خون تہہ در تہہ جما ہوا ہے اور یورپی ممالک کی ”انسان دوست“ تنظیمات کئی بار اس کی دہائی دے چکی ہیں۔ دوسری طرف

نام نہاد درجنوں اسلامی ممالک ہیں جن کے کانوں پر جوں بھی نہیں ریگی۔

عالم اسلام کی بے حسی اپنی جگہ لیکن اس سرزمین کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بھارت نے کامیاب سفارتی سرگرمیوں کے ذریعے عالم کفر کو اپنا ہمنوا بنا لیا جبکہ حکومت پاکستان روایتی کاہلی اور ہڈ حرام افسر شاہی کی بزدلانہ خارجہ پالیسی کے سبب دیرینہ دوست اور ہمسایہ ممالک سمیت عالم اسلام کو بھی حقیقت حال سے آگاہ نہیں کر پایا۔ اس دوران بھارت کے سفارتی و فود پوری دنیا میں جھوٹ پر ہمدردی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہے لیکن ہمارے ملک کا وزیراعظم اس وقت بھی لاہور کے باغ جناح میں خوشامدی ٹولے کے جھرمٹ میں کرکٹ کھیلتا ہوا پایا گیا۔

اس سے قبل ہم برصغیر کی تاریخ میں حوس پرستی بے حمیت اور دین و وطن سے غداری کے واقعات پڑھتے ہوئے میر جعفر اور میٹر صادق کی بدبختی پر ماتم کرتے تھے لیکن کیا معلوم کہ خود ہمارے عہد کا دامن اس سے زیادہ خطرناک غداروں کی موجودگی سے داغدار ہے۔ تاریخ کو یہ گواہی دینے سے کون روکے گا کہ ایٹمی پاکستان کا وزیراعظم کھیل کے میدان سے ایک روز اپنے محل میں آیا بیوی بچوں کو ساتھ لیا اور رات کے پچھلے پہر اچانک امریکہ روانہ ہو گیا۔ عالم کفر کے ناخدا سے بھیک میں مانگی ہوئی ملاقات کا تعین وائٹ ہاؤس کی بجائے غیر سرکاری رہائش گاہ ”بلیر ڈہاؤس“ میں ہوا۔ اس تین گھنٹے کی ملاقات میں جس ایجنڈے پر بحث ہوتی رہی اس کے اسرار و موز سے پردہ وقت کے ساتھ ساتھ اٹھتا رہیگا تاہم ملاقات کے بعد جاری ہونے والا چند سطرے اعلامیہ نواز شریف اور کلنٹن کے دستخطوں سے مجاہدین کے ہاتھوں لرزہ بر اندام بھارت کی حیات نو کا پیغام ثابت ہوا۔ خوفزدہ بھارت کے طول و عرض میں خوشی کے جشن اور فتح کے شادیاں گونجنے لگے۔ جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاعلت کی صورت میں سامنے آئی۔ تاریخ کا انوکھا معاہدہ تشکیل پایا جس میں ظالم کی بجائے مظلوم سے جرم کا اقرار کروایا گیا جس کا ایک ایک حرف تو دشمن کے جرائم کا تحفظ کر رہا تھا اور اسکی توثیق ہم کر رہے تھے۔

قوم کی تقدیر کو گروہی رکھنے والا عاقبت ناندیش حکمران غیروں کی نظروں میں اس وقت اور گر گیا جب اس نے نہایت لجاجت سے عرض کیا ”حضور! اس مرتبہ وزیروں اور مشیروں کی جگہ میں اپنے بیوی اور بچوں کو ساتھ لایا ہوں اجازت ہو تو وہ بھی شرفِ حضوری سے نوازے جائیں“ اس درخواست کو بھی قبولیت کا شرف حاصل ہوا اور اگلے دن کلنٹن کے ساتھ تصاویر بنوا کر اس طفلانہ ذوق کی تسکین کی گئی۔ اس لمحے تاریخ ایک طرف کارگل کی بلندیوں پر بیٹھے مجاہدین کے آہنی حوصلوں پر فخر کر رہی تھی اور دوسری طرف وائٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں کھڑے قوم کے بھاری مینڈیٹ کے حامل وزیر اعظم کی ملت کش طفلانہ حرکتوں پر ہنس رہی تھی۔

حکومتِ وقت اس معاہدے کو کامیابی اور بہادری کا جو رنگ بھی دے اب تک کے حقائق و واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ”اعلانِ واشنگٹن“ دراصل غیرت مند پاکستانی قوم کے منہ پر رسید ہونے والا وہ طمانچہ ہے جس کے پیچھے امریکہ اور بھارت کی اسلام دشمنی سمیت نواز شریف کی حمایت بھی شامل ہے۔ نواز کلنٹن اعلامیہ تحریک آزادی کشمیر کے لئے اب تک کا سب سے بڑا المیہ ثابت ہوا ہے۔ اس یکطرفہ معاہدے سے نہ صرف ملک و ملت سے غداری کی بو آتی ہے بلکہ یہ دینی وقار اور تاریخی روایات سے انحراف کی واضح دستاویز بھی ثابت ہو چکا ہے۔

اس وقت حکومت اور اس کے وظیفہ خوار بعض نام نہاد دانشور ”اس معاہدے کو نواز شریف کی کامیاب سفارتی کوشش اور عظیم ترین تاریخی کارنامہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب تاشقند اور شملہ کے معاہدوں پر دستخط کرنے والے سابق حکمرانوں کے حواری اس وقت انکی تعریفیں کرتے رہے لیکن تاریخ نے ثابت دیا کہ یہ دونوں معاہدے کشمیری قوم اور شہداء کے خون سے بدترین غداری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ I.M.F کی طرف سے ملنے والے قرضے کی قسط کے حصول اور اقتدار کے تحفظ کی خاطر کیا جانے والا یہ معاہدہ 70 ہزار کشمیری شہداء کے خون سے غداری ہے۔ سوداگر حکمرانوں نے قومی

غیرت، حمیت اور 52 سالہ متفقہ موقف سمیت کشمیری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی لٹی پٹی عصمتوں کا سودا کیا ہے اور ب قیمت کیا ہے۔ انہوں نے پاک فوج اور مجاہدین کی بے مثال قربانیوں کا نیلام کر کے امن پسندی کا سرٹیفکیٹ محض اپنے کاروباری مفادات کیلئے حاصل کیا ہے۔ قوم دین و وطن کے ان غدار، بزدل اور بے توقیر حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا فیصلہ کر چکی ہے۔ وہ دن دور نہیں جب ان ملت فروش حکمرانوں کا انجام بھی اپنے سابقین کی طرح نشانِ عبرت بنے گا۔

(اگست ۱۹۹۹ء)

”ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے“

اکیسویں صدی کی آمد آمد ہے۔ پر عزم ترقی یافتہ اقوام اس صدی کو رخصت کرنے اور اگلی صدی میں قدم رکھنے کی تقریبات ترتیب دے رہی ہیں۔ تسخیر کائنات کے نئے پروگرام بنائے جا رہے ہیں۔ زمین سے اٹھ کر فضاؤں میں موجود خلائی سٹیشن اور وہاں سے ہوتے ہوئے دوسرے سیارگانِ فلکی پر زندگی کے امکانات تلاش کیے جا رہے ہیں۔ ایسے میں امتِ مسلمہ بالعموم اور اہلیانِ پاکستان بالخصوص مایوسی اور ناامیدی کے گہرے سمندر میں ایسی ٹوٹی اور پرانی ہچکولے کھائی کشتیوں پر سوار ہیں جن کے ناخداؤں نے بادِ مخالف سے سمجھوتے کر رکھے ہیں۔ تسخیر کائنات کے منصب کو چھوڑ کر انہوں نے سارا زور اپنے عوام الناس کو مسخر کر کے ان کے خون پسینے سے اقتدار کے قلعوں کی تعمیر و توسیع پر لگا دیا ہے۔ تعجب ہے کہ گوشت پوست کے یہ انسان اختیارات کی قوت حاصل کرتے ہی نہ جانے خود کو مافوق الفطرت مخلوق کیوں سمجھنے لگتے ہیں۔۔۔! جمہوریت کے فریم میں بار بار عوام سے رابطہ ان کی مجبوری نہ ہوتی تو یہ آج بھی فرعون، نمرود اور ہامان کو مات دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ ”عوام کا لانعام“ بے چارے ہر دور کی طرح آج بھی استحصال کا شکار ہیں۔ آئے روز انہیں نئے ٹائٹل کے ساتھ لوٹ لیا جاتا ہے۔

پاکستانی عوام شاید دنیا کی وہ بد قسمت قوم ہے جس کے ساتھ ہر قدم پر دھوکے ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں لیکن اس مٹی میں تحمل برداشت اور صبر کی تاثیر شاید ضرورت سے زیادہ ہی ہے کہ اب بھی بیداری کے امکانات معدوم نظر آتے ہیں۔ موجودہ حکمران خیر نامے میں ہر روز کوئی نہ کوئی وعدہ کر کے دن کی سرگرمیوں کو سمیٹتے ہیں اور زندگی کے بوجھ تلے دبے ہوئے عوام ہر رات امید کے چراغ جلا کر صبح کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ پچھلے 52 سال سے جاری ہے۔ نواز حکومت نے بھاری مینڈیٹ سے ملنے والے اقتدار

کی نصف مدت مکمل کر لی ہے۔ اس دوران انہوں نے سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا وہ مطلق العنانیت کا حصول تھا۔ ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اپوزیشن کمزور ہونے کی وجہ سے پارلیمنٹ کی بھاری اکثریت ان کی ہمنوا تھی۔ عدلیہ اور انتظامیہ ان کے تابع رہی، فوج نے ان سے تعاون کیا، تاجر برادری اس لیے بھی ساتھ دیتی رہی کہ یہ سب کچھ اس کا اپنا کیا دھرا تھا۔ الغرض قدرت سے لیکر عوام تک سب نے ان سے مکمل تعاون کیا لیکن نتیجہ صفر رہا۔ خوشحالی کے وہ تمام وعدے جو ابتدائی نشری تقریر میں کئے گئے جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئے اور خود انحصاری کی وہ تمام سکیمیں جن کا اعلان کیا گیا ایک سراب کے علاوہ ان کی حیثیت کچھ نہیں۔ کشلول توڑنے کی بجائے قومی معیشت پر دو سالوں میں مزید 5 ارب ڈالر کے قرضوں کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ معیار زندگی بہتری کی سمت آنے کی بجائے اتنا گر چکا ہے کہ لوگ کثرت سے خودکشیاں اور خودسوزیاں کر رہے ہیں۔ ملک کے سیاسی، سماجی، قانونی اور معاشی حالات اس قدر ابتر ہو چکے ہیں کہ عوامی انقلاب کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ بیرونی سرمایہ کاری کا خواب نہ صرف پورا نہیں ہو سکا بلکہ حکمران ٹولے سمیت خود پاکستانی سرمایہ کار ملک سے باہر سرمایہ منتقل کر رہے ہیں۔ ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ سرمایہ کار کوئی وطن نہیں ہوتا وہ اپنے سرمائے کے ساتھ موزوں مقام کی تلاش میں ہر وقت مجوسفر رہتا ہے۔ یہی حال ہمارے تاجروں پر اعظم کا ہے۔ اس نے تو ذاتی سرمائے کے عوض قومی غیرت و حمیت کو بھی ملک دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔

حالیہ جنرل سیلز ٹیکس کا غیر عادلانہ اور غیر حکیمانہ فیصلہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ غریب طبقے کا رہا سا خون نچوڑ کر I.M.F سے اپنی عیاشوں کیلئے 28 کروڑ ڈالر کا قرضہ حاصل ہو سکے۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں کہ گذشتہ غیر ملکی قرضوں سے ملک میں کیا خوشگوار تبدیلی آئی ہے۔ ہر سال اربوں ڈالر کا قرض کن کے پیٹ میں جاتا ہے۔ بھکوں سے قرض لینے والوں کے ذمے 2 سو ارب روپے ان بیرونی قرضوں کے علاوہ ہیں۔ یہ سارے مگر مجھ ہمارے قائدین کی صفوں میں موجود ہیں۔ یہی مراعات یافتہ طبقہ بھکوں سے کروڑوں روپے

قرض لیکر ہڑپ کرتا ہے اور یہی ٹیکس چوری کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ رہے ملازم پیشہ لوگ اور چھوٹے تاجر، تو ان سے ٹیکس زبردستی وصول کر لئے جاتے ہیں۔ خود وزیراعظم نواز شریف جس کے اثاثوں کی مالیت اربوں میں ہے اس نے کتنا ٹیکس دیا ہے اس کے ذمے واجب الاداء قرض کیوں واپس نہیں ہوتا، بیرون ممالک ان قومی چوروں کا جتنا سرمایہ بنکوں میں موجود ہے اس کا ایک حصہ بھی ملک میں واپس آجائے تو بیرونی قرض اتر سکتا ہے۔ سابق حکمران ہوں یا موجودہ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو ہاتھ ڈالتے ہوئے اس لیے ڈرتا ہے کہ وہ خود بھی اس سے بڑا مجرم ہے۔ ان جرائم پیشہ شریف حکمرانوں اور زردار لٹیروں کا علاج صرف اور صرف انقلاب ہے۔ ایسا انقلاب جو ان کے ظلم، جھوٹ اور مکاری کے نظام کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ حالات کا جبر عوام کو اسی سمت دھکیل رہا ہے۔ جلد بیدار دین و وطن کے ان غداروں سے نجات ضرور ملے گی اور مظلوم غریب عوام کو ان کے بنیادی حقوق لوٹا دیئے جائیں گے۔ پاکستان عوامی تحریک کے نڈر مخلص اور بہادر کارکنان اپنے عظیم قائد کی جرأت مندانہ قیادت میں اسی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کا یہ عزم ہے کہ ۔

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

(ستمبر ۱۹۹۹ء)

مشرقی تیمور کی آزادی۔۔۔ عالمی ضمیر پر دستک

گذشتہ دنوں انڈونیشیا کے ایک صوبے ”مشرقی تیمور“ میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ریفرنڈم ہوا جس میں 90 فیصد لوگوں نے آزادی اور خود مختاری کے حق میں ووٹ ڈالے۔ 14874 مربع کلومیٹر پر مشتمل علاقے مشرقی تیمور کی کل آبادی (1996ء کی مردم شماری کے مطابق) 85,9,700 ہے جن میں سے 90 فیصد لوگ کیتھولک عیسائی ہیں۔ یہاں کے رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد صرف ساڑھے 4 لاکھ ہے۔ تیل کی دولت سے مالا مال یہ علاقہ 1975ء تک پرتگال کے زیر انتظام تھا۔ پرتگال کمزور ہوا تو انڈونیشیا نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا مگر امریکہ سمیت مغربی ممالک کی نظریں اس پر جمی رہیں حتیٰ کہ یہاں عیسائیوں کی طرف سے علیحدگی کی تحریک زور پکڑ گئی اور اقوام متحدہ سمیت مغربی ذرائع ابلاغ نے انڈونیشیا پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ مشرقی تیمور میں جلد از جلد ریفرنڈم کروایا جائے ورنہ اس پر معاشی پابندیاں عائد کر دی جائیں گی۔ انڈونیشیا ایک مسلم ملک ہے اور اسلامی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے اس نے بجا طور پر غیر مسلم اقلیت کے حقوق کا خیال رکھا، انہیں امن فراہم کیا اور اقوام متحدہ کی امن فوج کے تعاون سے اپنی نگرانی میں ریفرنڈم کروایا۔ اب چند دنوں میں اس کی آزادی کا اعلان خود کوئی عنان کریں گے اور ایک نیا ملک دنیا کے نقشے پر ابھر آئے گا۔

اس موقع پر ہم عالمی امن کے دعویدار ان جانبدار ممالک اور اقوام متحدہ کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ مشرقی تیمور کا مسئلہ سلامتی کونسل کے کسی ایجنڈے پر نہیں تھا نہ اسکے حق میں کبھی کوئی قرارداد منظور ہوئی۔ اس کے باوجود یہاں کی علیحدگی پسند تحریک کی حمایت براہ راست اقوام متحدہ نے کی اور اپنی نگرانی میں ریفرنڈم کروایا۔ امریکی صدر سمیت وزیر خارجہ اور دوسری اہم شخصیات نے خصوصی دلچسپی لے کر ریفرنڈم کو یقینی بنایا مگر مشرقی تیمور سے

کئی گنا بڑا علاقہ ریاست جموں و کشمیر پچھلے 52 سال سے متنازعہ ہے اور سلامتی کو نسل نے کئی مرتبہ یہاں رائے شماری کے حق میں قرارداد بھی منظور کر رکھی ہے۔ مشرقی تیمور کے برعکس کشمیر میں اب تک لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ ہنستے بستے گھر اور بستیاں نذرِ آتش کی جارہی ہیں اور غاصب بھارت یہاں نصف صدی سے انسانی حقوق کی دھجیاں اڑا رہا ہے۔ اس مسئلے پر انڈیا اور پاکستان کے درمیان تین بڑی جنگیں ہو چکی ہیں اور جو تھی شروع ہے جس میں ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا امکان بھی رد نہیں کیا جاسکتا لیکن تعجب ہے کہ اقوام متحدہ سمیت کسی کے کان پر جوں تک نہیں رہتی۔ امریکہ اور مغربی ممالک اس حد تک مسلم دشمنی میں متعصب ہو چکے ہیں کہ عالمی امن کو خطرے میں دیکھتے ہوئے بھی کشمیری مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کرنے سے کترارہے ہیں۔ عالمی طاقتوں کا یہ دوغلا پن، منافقت اور ناانصافی ایک کھلی حقیقت بن چکی ہے۔ اس کے رد عمل میں مسلمانوں کی طرف سے اگر کوئی فطری اظہار ہوتا ہے تو اسے عالمی امن کے خلاف دہشت گردی اور تخریب کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ اپنے مظالم اور جانبدارانہ طرزِ عمل پر ان کی نگاہ نہیں پڑتی۔

(ستمبر ۱۹۹۹ء)

کشمیر کی کنٹرول لائن اور خطرناک بھارتی سازش!

معرکہ کارگل میں بری طرح ہزیمت اٹھانے کے بعد بھارت آئے روز اوجھے ہتھکنڈوں کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کنٹرول لائن پر سول آبادی میں بھارتی افواج کی طرف سے بھاری توپ خانے کا استعمال تو اب روزمرہ کا معمول بن گیا ہے لیکن شہوک تریک سیکٹر میں پاکستانی پوسٹ پر باقاعدہ حملہ اور گذشتہ دنوں بدین میں ہمارے غیر مسلح طیارے کو تربیتی پرواز کے دوران نشانہ بنا کر 16 قیمتی جانوں کا نقصان اپنی جگہ ایک افسوسناک معاملہ ہے لیکن آج کل جو سب سے خطرناک خبر بھارتی ذرائع ابلاغ اور بعض ذمہ دار افراد کی طرف سے عام ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ کشمیر کی کنٹرول لائن کو پنجاب اور راجستھان کی بین الاقوامی سرحدوں کی طرح مستقل حیثیت دے کر سیل کر دیا جائے گا تاکہ بقول ان کے ”پاکستان کی طرف سے غیر قانونی نقل و حرکت اور شدت پسندوں کی مداخلت کا سلسلہ بند ہو سکے۔“

”در اصل بھارت میں آج کل الیکشن ہو رہے ہیں۔ B.J.P کی نگران حکومت خود کو مضبوط اور محب وطن ثابت کر کے آئندہ اقتدار کا راستہ ہموار کر رہی ہے اس لئے آئے روز نئی نئی دھمکیوں اور شوشوں کا چھوڑنا ان کی مجبوری ہے۔ آج کل انڈیا کو تمام تر کوششوں کے باوجود مقبوضہ کشمیر میں سخت ترین عوامی رد عمل کا سامنا ہے۔ کشمیری عوام نے ہمیشہ کی طرح بھارتی الیکشن فراڈ کو مسترد کر دیا ہے۔ آل پارٹیز حریت کانفرنس کے راہنماؤں نے مسلح افواج کی موجودگی میں جس جرأت جواں مردی اور بے باکی سے ہر جگہ جا کر عوام الناس کو الیکشن میں حصہ نہ لینے پر آگاہ کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ بھارتی حکام نے اس الیکشن کو حق خود ارادیت کا متبادل قرار دیتے ہوئے عالمی رائے عامہ کو جس طرح گمراہ کر رکھا ہے اس کا بھانڈہ بھی بار بار پھوٹ چکا ہے۔ جہاں تک کشمیر کی کنٹرول لائن کا تعلق ہے بھارت کے پاس اسے مستقل حیثیت دینے یا بند کر دینے کا قطعاً کوئی جواز نہیں کیونکہ یہ بین الاقوامی سرحد

نہیں بلکہ ایک متنازعہ ریاست کے درمیان عارضی حد بندی ہے جسے 13 اگست 1949ء اور 5 جنوری 1949ء کی سلامتی کونسل کی قراردادوں میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اب بھارتی حکام اور فوج اگر جموں و کشمیر کی سرحد پر اپنی من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں تو اعلانِ لاہور اور اعلانِ واشنگٹن پر دستخط کرنے والی پاکستانی قیادت کو سوچنا ہوگا۔ ایک بھارتی روزنامہ ”ہندو“ کی اطلاع کے مطابق جموں کی سرحد بند کرنے اور آلام سسٹم نصب کرنے کا کام آئندہ چند مہینوں میں شروع ہونے والا ہے۔ اگر ایسا ہو اور یہ سلسلہ وادی کی بقیہ سرحد تک بھی پھیل گا تو یہ بھارت کی طرف سے بین الاقوامی قانون کی سنگین خلاف ورزی بھی ہوگی اور اہل کشمیر کا سخت امتحان بھی لیکن بھارتی حکومت کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ آزادی کے جذبوں کے سامنے سرحدوں کی باڑیں تو کیا آہنی دیواریں بھی نہیں ٹھہر سکتیں۔ اسے سری نگر بارہ مولا، کپواڑہ اور انت ناگ میں اپنے فوجی گماشتوں کی خیر منانی چاہئے جو نئے کشمیری حریت پسندوں کے ہاتھوں حرام کی موت مر رہے ہیں۔ بھارت نے کشمیری سرحد پر دیواریں کھڑی کر بھی لیں تو اسے آسام، تری پورہ، ناگالینڈ، تامل ناڈو اور پنجاب میں علیحدگی پسند تحریکوں کے غضب سے کون بچائے گا۔ نام نہاد سیکولر بھارت میں مسلمان مظلوم اقلیت تھے ہی اب تو وہاں کے جنونی ہندو عیسائیوں سمیت نچلی ذات کے ہندوؤں کو بھی اپنے انتقام کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ دنیا بیدار ہو چکی ہے اب اکھنڈ بھارت کا خواب پورا ہونے کی بجائے روس کی طرح اس کے بھی کئی ٹکڑے ہوں گے اور شہیدوں کا لہورنگ لائے گا (انشاء اللہ)۔

(ستمبر ۱۹۹۹ء)

قومی خود مختاری میں امریکی مداخلت۔۔ ذمے دار کون؟

گذشتہ دنوں امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک غیر معروف اہل کار نے برطانوی خبر رساں ایجنسی ”رائٹر“ کو ایک نام نہاد انٹرویو میں عجیب انداز سے پاکستان کی حزب اختلاف اور فوج کو وارننگ دی ہے اور بر ملا کہا ہے کہ ”ہم ماورائے آئین طریقوں سے حکومت کو تبدیل کرنے کی کسی بھی کوشش کی سختی سے مخالفت کریں گے“۔ یہ بیان ایک ملک کی خود مختاری اور ساورینٹی میں کھلی مداخلت ہے اور لہجے سے یوں لگتا ہے جیسے ہم ابھی تک اسی نو آبادیاتی نظام کا حصہ ہیں جس سے 52 سال قبل ہم نے بظاہر آزادی حاصل کر لی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ روس کے انہدام کے بعد امریکہ عالمی تھانیداری کے منصب پر بر اجماع ہے اور وہ تیسری دنیا کے معاملات میں براہ راست مداخلت اپنا حق سمجھتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مضحکہ خیز بیانات پر ہماری حکومتوں کی طرف سے کیا رد عمل سامنے آتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس بیان کا سختی سے نوٹس لیا جاتا تاکہ آئندہ امریکی اہلکار سوچ سمجھ کر زبان استعمال کریں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ ہمارے وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کی عمارت میں بیٹھ کر اعلان کیا کہ ”امریکی بیان پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔“ اسی طرح کارڈ عمل پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنماؤں کی طرف سے بھی سامنے آیا۔ ان بیانات کو ملا کر نتیجہ نکالا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ملک کے اکثر سیاستدان چاہے حزب اختلاف میں ہوں یا حزب اقتدار میں امریکہ کی خوشنودی ان کی قدر مشترک ہے۔ بد قسمتی سے پچھلے پچاس سالوں سے کم و بیش ہماری قیادت کا یہی غلامانہ چلن رہا ہے۔

جہاں تک اس امریکی بیان کا تعلق ہے یہ وزیر اعظم صاحب کے خصوصی ایچی اور برادر عزیز میاں شہباز شریف کی ”سفارت کاری“ کا شاہکار اور ”کامیاب ڈپلومیسی“ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ دراصل ایک فرمائشی بیان ہے جسے انٹرویو کا نام دیا گیا اور اس کی مخاطب موجودہ

فوجی قیادت ہے۔ قومی ذلت کا یہ کھیل دراصل ان نادان حکمرانوں کی طرف سے کھیلا جا رہا ہے جو ہر قیمت پر اپنا اقتدار بچانا چاہتے ہیں۔ اسی ہوس اقتدار میں انہوں نے چند ماہ قبل واشنگٹن یا ترائی میں جیتی ہوئی جنگ ذلت آمیز شکست میں بدل دی اور شہیدائے کارگل سمیت 70 ہزار کشمیری مسلمانوں کے خون سے غداری کا ارتکاب کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر ملک کی طرح امریکہ کو بھی اپنے مفادات عزیز ہیں اور کسے معلوم نہیں کہ یہ امریکی مفادات اسلام اور پاکستان کے خلاف متحرک یہودی لابی کے معروف ”نیورلڈ آرڈر“ کا حصہ ہیں۔ امریکہ کے پالیسی ساز ادارے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی موجودہ حکومت سے بہتر تابع فرمان ٹیم شاید ہی کبھی میسر آسکے اس لیے CTBT سمیت قومی سلامتی دینی تشخص اور قومی معیشت کی بربادی پر مبنی جتنے منصوبوں پر عملدرآمد کرانا ہے وہ اسی حکومت سے ممکن ہے۔ اس وقت ہماری نصف سے زائد حکومتی مشنری اپنے اپنے شعبوں کے ایجنڈے لے کر وائٹ ہاؤس کے دروازے پر کھڑی ہے لیکن امریکن خیرات دینے سے پہلے اپنے مطالبات منوانے میں ماہر ہیں۔ وزیر خزانہ سے لیکر وزیر خارجہ اور کئی دوسرے اعلیٰ عہدیدار اپنے معاونین کی فوج سمیت واشنگٹن اور نیویارک کے منگے ہوٹلوں میں پاکستانی سرمایہ اڑا رہے ہیں مگر خبریں یہی مل رہی ہیں کہ امریکی انتظامیہ قرضوں کی قسط سمیت دیگر گزارشات پر دلچسپی ظاہر نہیں کر رہی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ”گداگروں“ کے کردار اور انکی قومی حمیت سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ اسی لئے تو گزشتہ سال ایک امریکی عہدیدار نے پاکستانی قوم کو تاریخ کی بدترین گالی دی تھی کہ ”پاکستانی پیسوں کے عوض اپنی ماں بھی بیچ دیتے ہیں“ اس بیان پر بعد میں انہوں نے اگرچہ معذرت کا تکلف بھی کیا تھا لیکن ہمارے نزدیک دینی غیرت، قومی حمیت اور مذہبی وفاداری ماں کی حرمت سے بھی زیادہ مقدس ہے اور اس پر سودا کرنا ماں کی عزت کے ساتھ کھلینے سے بھی بڑا جرم ہے۔ تاریخ کی عدالت ثابت کر چکی ہے کہ ہمارے ہوس پرست حکمران اس جرم کا ارتکاب کئی بار کر چکے ہیں۔ اس لئے تو قانون توہین رسالت کی مذمت سے لیکر ہمارے

باورچی خانوں میں استعمال ہونے والے آلو پیاز کی قیمت مقرر کرنے تک کا اختیار امریکہ
 بہادر نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔۔۔ میرے وطن کے غیور و جسور مصطفوی بھائیو! تحریک
 آزادی کشمیر کی طرح تحریک آزادی پاکستان بھی جاری ہے اور ملک و ملت پر مسلط ان غدار اور
 بے ضمیر لوگوں کے خاتمے تک یہ تحریک جاری رہے گی۔

(اکتوبر ۱۹۹۹ء)

مسئلہ کشمیر پر عالمی ضمیر کی پہلی انگریزی

گذشتہ کئی ماہ سے عالمی سطح پر تسلسل کے ساتھ رونما ہونے والے واقعات تحریک آزادی کو تقویت بخش رہے ہیں۔ ایک وقت تھا جب بھارت کشمیر کو متنازع خطہ ماننے کیلئے تیار ہی نہیں تھا۔ اس نے کم و بیش 45 سال آزادی اور حق خود ارادیت کے جذبات اسلحہ کے زور پر دبانے کی ناکام کوشش کی۔ اس دوران الیکشن کا ڈرامہ رچایا جاتا رہا اور شیخ عبداللہ جیسے ضمیر فروش نام نہاد مسلمانوں کو اقتدار کا لالچ دے کر مسئلے کی نوعیت کو فراموش کیا جاتا رہا لیکن نظامِ ظلم و جبر پر لپٹی یہ امن کی چادر اب تار تار ہو چکی ہے۔ اب بھارت دنیا کے سامنے کم از کم یہ جھوٹ بولنے کے قابل نہیں رہا کہ ”کشمیر میں کئی بار الیکشن ہو چکے ہیں اور اہل کشمیر نے استصواب رائے کا اظہار بھارتی حکومت کے حق میں کر دیا ہے“ تحریک آزادی میں حالیہ شدت بذاتِ خود بغاوت کا اعلان ہے کہ عالمی ضمیر کو بیدار ہو جانا چاہئے تھا لیکن عالم کفر کا نمائندہ الیکٹرونک میڈیا اور پالیسی ساز ادارے مجرمانہ خاموشی اختیار کرتے رہے۔ اب حالیہ دو الیکشن بھارت کے گذشتہ 50 سالہ مؤقف کی موت ثابت ہوئے اور غیور کشمیری قوم نے سنگین ترین خطرات مول لیکر بھارتی حکومت کی عیاری پوری دنیا کے سامنے طشت ازبام کر دی ہے۔ سری نگر اور کپواڑہ جیسے گنجان آباد علاقوں میں فوج کی نگرانی اور زبردستی کے باوجود لوگوں نے ووٹ کاسٹ کرنے کی بجائے حکومت کی مخالفت اور آزادی کے حق میں نعرے لگائے۔ کشمیر کے انتخابی حلقوں میں کاسٹ ہونے والے ووٹ اتنے کم ہیں کہ خود بھارتی الیکشن کمیشن کا ضمیر جاگ اٹھا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ پارلیمنٹ میں نمائندگی کیلئے قابل ذکر ووٹنگ کا قانون بنایا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ کشمیری قیادت اور عوام نے جس جرأت اور استقامت سے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی الیکشن ڈرامہ فلاپ کیا ہے وہ باضمیر اقوام کے سامنے کسی بھی ریفرنڈم

سے کم نہیں۔ تین سے پانچ فیصد رائے دہندگان کے علاوہ اگر 95 فیصد عوام نے بھارتی انتخابات کو مسترد کر دیا اور جان سے مار دینے کی دھمکیوں کے باوجود پولنگ سٹیشن کا رخ نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ یہ لوگ کسی قیمت پر بھارت کا حصہ نہیں بننا چاہتے۔ عوام کا یہ غصہ اس قدر عروج پر پہنچ چکا ہے کہ اس الیکشن میں کھڑے ہونے والے امیدوار بھی ان کے غیض و غضب سے نہیں بچ سکے۔

اتفاق سے آج کل مشرقی تیمور کا مسئلہ بین الاقوامی میڈیا کا موضوع بنا ہوا ہے اور اس نے اہل کشمیر کے جائز مطالبے کو مزید اجاگر کر دیا ہے۔ دنیا کا ہر ذی شعور شخص امریکہ اور اقوام متحدہ سے سوال کر رہا ہے کہ اگر یو سنیا، کسوو، کویت اور مشرقی تیمور میں جارحیت کے خاتمے کیلئے عالمی ادارہ حرکت میں آسکتا ہے تو اسے کشمیر میں انسانی خون اور لوگوں کے جذبات کیوں نظر نہیں آتے جبکہ یہ مسئلہ آج سے پچاس سال پہلے UNO کے ایجنڈے پر موجود بھی ہے۔

ان حالات و واقعات کے ردِ عمل میں مثبت تبدیلی کے کچھ آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں امریکی ارکان سینٹ نے امریکی صدر کے نام لکھی گئی ایک ایسی قرارداد کی حمایت کی ہے جس میں مشرقی تیمور کی طرز پر کشمیر کے لئے بھی اقوام متحدہ کے ایک نمائندہ کے تقرر کی سفارش کی گئی ہے۔ اس قرارداد پر امریکی سینٹ کی فارن ریلیشنز کمیٹی کے چیئرمین سمیت 16 سینیٹرز اور امریکی ایوانِ نمائندگان کے 42 اراکین کے دستخط ہیں۔ علاوہ ازیں دس ہزار امریکی شہریوں کی طرف سے عرضداشت بھی صدر کو پیش کر دی گئی ہے جس میں مسئلہ کشمیر کے منصفانہ اور پرامن حل پر زور دیا گیا ہے۔ امریکی ایوانِ اقتدار میں یہ مثبت پیش رفت یقیناً عالمی سیاست کے دیرینہ مؤقف میں واضح تبدیلی کی علامت ہے۔ اسے ایک طرف پاکستانی موقف کی بڑی کامیابی سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف بھارتی دانشور اسے ”مہابھارت“ کیلئے سنگین خطرہ قرار دے چکے ہیں۔ امریکہ اس وقت بلاشبہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے اور تیسری دنیا کے سیاسی اور معاشی معاملات میں اس

کی دلچسپی اب کوئی راز نہیں رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ نے ہمیشہ نازک صورتحال میں پاکستان کے مقابلے میں بھارت کا ساتھ دیا ہے جس کی تازہ مثال معرکہ کارگل میں دیکھی جاسکتی ہے، تاہم اسے بھی حالات کی سنگینی نے شاید یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ غیور قوموں کے جذبات کی راہ میں زیادہ دیر روڑے نہیں اٹکائے جاسکتے۔ اللہ کرے عالمی ضمیر کی یہ بیداری کسی مثبت نتیجے پر پہنچ سکے اور اگلی صدی شروع ہونے سے پہلے اس صدی کا یہ سنگین ترین مسئلہ حل ہو جائے ورنہ جنوب مشرقی ایشیاء کے اس فلیش پوائنٹ سے کسی بھی وقت ایٹمی جنگ کا طوفان اٹھ سکتا ہے۔

(اکتوبر ۱۹۹۹ء)

پاک فوج زندہ باد..... لیکن اصل امتحان تو اب ہے

12 اکتوبر 99ء کی شام کو پاکستان کی تاریخ میں رونما ہونے والی غیر معمولی تبدیلی اگرچہ اچانک تھی لیکن ایسے لوگوں کیلئے غیر متوقع ہر گز نہیں تھی جو حکومت اور فوج کی اندورنی کہانی سے باخبر تھے۔ وطن عزیز میں اقتدار سنبھالنے والے فوجی اور سیاسی حکمران مجموعی طور پر اگرچہ اقتدار کے معاملے میں ایک ہی نفسیات کے حامل رہے ہیں اور ان کی ساری توجہ کرسی کی مضبوطی پر مرکوز رہی ہے لیکن سابق حکمرانوں کی مطلق العنانیت سے سیدھی فرعونیت نکلنے لگی تھی۔ ”بھاری مینڈیٹ“ کا نشہ انہیں کسی کروٹ چین نہیں لے دے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس ملک کی غریب عوام سے کوئی انتقام لینے کیلئے اقتدار میں آئے ہیں۔ ملک کا سب سے بڑا اور حساس قومی ادارہ پارلیمنٹ سب سے پہلے ان کی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھا۔ اپنی مرضی سے آئین میں تبدیلیاں کرنے کے بعد جب وہ اس ادارے کی فعالیت و مؤثریت کو ختم کر چکے تو ان کا اگلا ہدف عدلیہ جیسا مقدس ادارہ تھا۔ قومی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس ”شریف حکومت“ کو یہ اعزاز ملا کہ اس کے سیاسی غنڈوں نے (جن میں اسمبلی ممبران بھی موجود تھے) سپریم کورٹ پر دن دھاڑے حملہ کیا۔ صدر اور چیف جسٹس کو بے آبرو کر کے گھر بھیجنے کے بعد ان کے حوصلے بلند ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے اگلا ہاتھ پاک فوج کی قیادت پر صاف کیا۔ سابق آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت پر دباؤ ڈال کر استعفیٰ لکھوایا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اب یہ ادارہ بھی زیرِ دام آگیا ہے۔ قومی اداروں کی فتوحات اور ان میں وسیع پیمانے پر خوردبرد جاری رہی۔ ادھر غیر ملکی آقاؤں نے موقع غنیمت جان کر اپنا الو سیدھا کرنے کی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ C-W-C پر دستخط کرنے کے بعد C-T-B-T پر دستخط کرنے کی تیاری آخری مراحل میں پہنچ گئی۔ دوسری طرف تمام صنعتی ادارے چوپٹ ہو گئے، تاجر برادری کا شیر انہیں نکلنے لگ گیا، ملک میں موجود تمام بھوکوں کے

ذریعے حکومت نے لوگوں کی جیبوں سے ان کے خون پسینے کی کمائی اکٹھی کر لی اور رہی سہی پونجی پر ہاتھ صاف کرنے کیلئے ”میرا گھر“ سکیم کا آغاز ہو گیا۔ لوگوں کے مسائل استقدر بڑھ گئے کہ وہ خود کشیاں اور خود سوزیاں کرنے لگے۔

پاکستانی قوم بالعموم نادان واقع ہوئی ہے۔ وہ ابھی تک بھی ”شریف“ حکمرانوں کو ہی اپنا ہیرو سمجھتی رہی اسے اپوزیشن پارٹیاں، کبھی عوامی اتحاد اور کبھی جی ڈی اے کی شکل میں احتجاج کیلئے پکارتی رہیں لیکن اس نے تب بھی حسب معمول صبر سے کام لیا۔ یہ تو بھلا ہو کر گل پر قبضہ کرنے والے مجاہدین اور پاک فوج کے جوانوں کا جنہوں نے اس بے مثال معرکے میں اپنی جانیں قربان کر کے حکمرانوں کی غداری کا پردہ چاک کر دیا۔ سابق وزیر اعظم اسلامی تاریخ کا وہ بڑا مجرم ہے جس نے امریکہ جا کر لاکھوں کشمیری شہداء کے خون سمیت پاک فوج کا خون بھی ہندو کی دوستی کی بھینٹ چڑھایا۔ یہ دن تھا جب پاک فوج کی غیور قیادت نے بہت بڑے خطرے کو بھانپتے ہوئے حکمرانوں پر کڑی نظر رکھنی شروع کر دی اور پھر عوام الناس سمیت قومی رہنماؤں کی تمناؤں کے عین مطابق 12 اکتوبر کو اس ملت فروش حکومت کا عبرتناک انجام دیکھنے میں آیا۔ ان کی باطنی خباثت اور حد سے بڑھی ہوئی ہوس اقتدار پر وہی ایک گواہی کافی ہے جو انہوں نے آرمی چیف کے طیارے کو فضاء میں ”اڑانے“ کی خواہشِ ناتمام کے ساتھ تاریخ میں ثبت کر دی۔

ہم پاک فوج کے جوانوں، اس کی قیادت اور آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کی جرأت و استقامت پر سلام پیش کرتے ہیں اور انہیں مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کی بروقت اور پر امن کارروائی نے فوج جیسے واحد مضبوط ادارے کو ٹوٹنے سے بچا کر دراصل وطن عزیز کو بچا لیا۔ اب ہم ان سے بجا طور پر پوری قوم کی طرح یہ امید رکھتے ہیں کہ ان غدار ننگ دین و وطن اور لٹیرے حکمرانوں کو عبرتناک انجام تک پہنچانے میں تاخیر نہ کریں، قومی دولت لوٹنے والوں کا کڑا احتساب کریں، قوم کی رگوں سے کرپشن کا کینسر ختم کریں اور غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے اس دیس میں اسلامی اقدار کو پنیپنے میں مدد دیں۔ یہ قوم معاشی بد حالی میں تو زندہ رہ

سکتی ہے اور اسے برداشت بھی کر رہی ہے لیکن موجودہ فوجی قیادت کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فاقہ کش لوگ دینِ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی کو برداشت نہیں کریں گے۔ یہاں کسی مغرب نواز قیادت کا سکہ نہیں چلنے دیا جائیگا۔ یہ اسلامی نظریاتی مملکت ہے اور اس کی بنیادیں اسلام کے نام پر قربان ہونے والوں کے خون پر کھڑی ہیں۔ اس خون کے ساتھ غداری کرنے والا کوئی بھی ہو اس کا انجام اس سے پہلے بھی بہت برا ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ پوری احتیاط دینتداری اور خلوص سے تباہ حال ملک و ملت کی تعمیر وقت کا تقاضا ہے۔ ایسا ہو گیا تو موجودہ قیادت تاریخ میں امر ہو جائے گی ورنہ دوسروں کا انجام تو ان کے سامنے ہے ہی۔ اس لیے پاک فوج کا اصل امتحان اب شروع ہوا ہے کیونکہ اب اس نے بیرونی دشمنوں کے ساتھ ساتھ اندرونی دشمنوں کی جڑیں بھی کاٹی ہیں۔

(نومبر ۹۹ء)

چیچنیا کی دوبارہ تباہی کے ذمہ دار

افغانستان کے پہاڑوں سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہونے والا روسی سامراج اپنی بقاء کی جنگ لڑتے ہوئے ایک بار پھر چیچن مجاہدین کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ تین سال قبل طویل جدوجہد اور ان گنت جانی قربانیوں کے بعد دنیا کے نقشے پر چیچنیا کی چھوٹی سی اسلامی ریاست ابھری تھی۔ امام شاملؒ کے پیروکاروں نے یہاں اسلاف کے جذبہ جہاد اور جرأت و استقامت سے لیس ہو کر اسلامی عظمت و شوکت کی داستانیں دھراتے ہوئے عالم کفر کو حیران کر دیا تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ روسی سامراج کے شدید ترین غضب کا نشانہ بننے والی اس نو مولود اسلامی ریاست کو عالم اسلام کی سرپرستی حاصل ہوتی تاکہ وہ اپنے آئینی، تعلیمی، معاشی اور سیاسی ادارے مضبوط کر کے خطے کے دوسرے مسلم اکثریتی علاقوں کیلئے اچھی مثال بن سکتی لیکن بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے دو اسباب بڑے واضح ہیں۔ ایک یہ کہ چیچنیا زبردست جہادی قوت کے نتیجے میں آزاد ہونے والی خالص اسلامی ریاست تھی اور روس کسی صورت میں استحکام کے بعد اسے خطے کیلئے اسلامی افغانستان کی طرح ”مستقل خطرہ“ بننے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ سو اس نے ایسے حالات پیدا کر لئے کہ تین سال پہلے کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لے کر علاقے کی دوسری مسلمان ریاستوں پر اپنا رعب بحال کر سکے۔

چیچنیا کی حالیہ تباہی کا دوسرا اور بڑا سبب روسی حکام کے بقول وہ شدت پسند لوگ ہیں جنہوں نے چیچنیا کے علاقوں میں اپنے اڈے قائم کر لئے ہیں اور وہاں سے وہ روس کی دوسری ریاستوں بالخصوص داغستان وغیرہ میں جا کر کاروائیاں کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ روس چیچن مجاہدین کو شدت پسند یا دہشت گرد کہتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی کوئی ایسا مذہبی طبقہ مجاہدین کی صفوں میں گھس گیا ہے جن کی غیر حکیمانہ انتہاء پسند کاروائیوں نے پوری دنیا کی طرح یہاں بھی روس کو بے گناہ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کا موقع فراہم

کیا۔ جہاد بالسیف کی فرضیت و اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس وقت مصر اور الجزائر میں ہونے والی خانہ جنگی سے لیکر امریکہ یورپ اور روس کے دار الحکومت ماسکو تک کے واقعات کی تحقیقات نے جس مخصوص طبقے کی نشاندہی کی ہے یہ وہ انتہاء پسند مذہبی گروہ ہے جو اپنے مخصوص نظریات اور عزائم کی تکمیل کیلئے کلمہ گو مسلمانوں کا خون بھی بنے دریغ بہانے سے گریز نہیں کرتا۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ”خالص توحید“ کی دعوت کو اسلحہ کے زور پر پھیلانے کیلئے یہ لوگ داغستان اور دوسرے علاقوں میں نقشبندی سلسلہ طریقت سے وابستہ لوگوں کو بھی غیر مسلموں کی طرح قابل گردن زدنی سمجھتے رہے ہیں۔ واضح رہے کہ تاشقند، بخارا اور سمرقند جیسے مردم خیز تاریخی خطوں کے ارد گرد پھیلی ہوئی ان مسلمان ریاستوں میں صدیوں سے آئمہ محدثین اور اولیاء اللہ بالخصوص شاہ نقشبند کے فیوضات بکھرے پڑے ہیں اور سو فیصد مسلمان یہاں مسلک حنفی اور مشرباً نقشبندی ہیں۔ گذشتہ پون صدی کے تاریخی شواہد تسلسل کے ساتھ یہی بتا رہے ہیں کہ یہ مخصوص انتہاء پسند طبقہ بد قسمتی سے صوفیاء کرام اور ان کی تعلیمات کا سخت ترین مخالف ہے۔ روسی حکام کے مطابق اگر چیچنیا پر حملے کا دوسرا سبب واقعی درست ہے تو کیا ہم ان انتہاء پسند ”مجاہدین“ کی غیر ملکی قیادت سے پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کی کاروائیوں کے رد عمل میں ہونے والے روسی حملوں میں لاکھوں بے گھر ہونے والے اور ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دیئے جانے والے مسلمانوں کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی ریاست کی بربادی سے دین کی کونسی خدمت ہوئی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت عالم کفر متحد ہو کر عالم اسلام کے خلاف کھڑا ہو گیا ہے۔ اس کے پاس بستیاں برباد کرنے کیلئے آتشیں اسلحہ بھی وافر ہے اور پروپیگنڈہ کرنے کیلئے میڈیا کی بے پناہ طاقت بھی۔ ہمیشہ کی طرح جاری اس تصادم میں کفر کے ساتھ مقابلہ حکمت، بصیرت اور تدبیر کے ساتھ ممکن ہے۔ اس میں بکھٹی شک نہیں کہ دندناتے ہوئے کفر کو طاقت کی زبان میں ہی روکا جاسکتا ہے اور جہادی تنظیمیں اسی محاذ پر سرگرم عمل ہیں لیکن غیر

لچکار عسکری زبان سے پہلے مثالی کردار اور رواداری کا مؤثر ہتھیار استعمال کرنا اسوہ رسول ﷺ سمیت تاریخ اسلام کا مثالی وصف رہا ہے۔ اس موقع پر بے حس عالم اسلام اور OIC جیسی نام نہاد اسلامی ممالک کی تنظیم کے منہ پر اس سے بڑا طمانچہ کیا ہوگا کہ چیچنیا کے صدر ارسلان مسخادوف نے اسلامی دنیا کی طرف سے طویل انتظار کے بعد مدد کیلئے پوپ جان پال کو درخواست کی ہے۔ عیسائی قیادت کو مسلمان چیچن صدر کی یہ اپیل 'تاریخ کی عدالت میں امت مسلمہ کی بے حس اور بزدلی پر بہت بڑی شہادت ہے۔

(نومبر ۹۹ء)

سال 2000ء

ہر عہد ہر صدی میں نمایاں مرے حضور ﷺ

یکم جنوری.....۲۰۰۰ء..... اگر اکیسویں صدی کا پہلا دن نہ بھی ہو تو یہ تیسری ہزار سالہ دھائی اور نئے سال کا آغاز تو ہے ہی..... اس پوری صدی میں پھیلے ہوئے انسانی تضادات کی ایک جھلک یہ بھی ہے کہ ابھی تک نئی صدی کے آغاز کا صحیح تعین ہی نہیں ہو سکا۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ ہم اب نئی صدی کے ساتھ ساتھ الف ثالث کی دھلیز پر قدم رکھ چکے ہیں۔..... وقت۔۔۔ ایک تیز دھاری تلوار ہے جس کی کاٹ سے زندگی سمیت کائنات کی کوئی چیز محفوظ نہیں رہی..... لمحات کی مقروض انسانی زندگی کے گھنٹے دنوں میں، دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں ڈھل کر ہم سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ وقت کا یہ بے رحم کارواں نہ کبھی کسی کے لئے رکا ہے اور نہ رکے گا..... قوموں کی زندگی صدیوں پر محیط ہوتی ہے اس لئے انفرادی زندگی کی نسبت قومی زندگی میں..... ایک صدی کی رخصتی اور دوسری صدی کا استقبال..... بلاشبہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔..... اس میں بھی شک نہیں کہ اسلامی کیلنڈر میں نئے سال کا آغاز یکم محرم سے ہوتا ہے اور اس وقت اسلامی سن ہجری کی دوسری دھائی کا وسط یعنی پندرہویں صدی شروع ہے..... اس حوالے سے بعض لوگ یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ ہم قومی اور انفرادی زندگی میں عیسوی سن کو ہجری سن کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ ابھی چند سال قبل اسلامی سن ہجری کی پندرہویں صدی شروع ہوئی تھی اس وقت تو کسی طرف سے کوئی شور، کوئی ہنگامہ، رنگارنگ تقاریب اور خصوصی اشاعتوں کا کوئی سلسلہ کیوں شروع نہیں کیا گیا؟..... اس سوال کا جواب اپنی جگہ تشنہ طلب موضوع ہے، لیکن سر دست ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سن عیسوی ہو یا ہجری دونوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے دو برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ ہے اس لئے ہم جس طرح حضور ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اسی طرح

عیسوی سن کو بھی خلاف اسلام نہیں سمجھتے..... مسئلہ عیسوی یا ہجری کا نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ انسان گذرے ہوئے وقت سے کتنا سبق سیکھتا ہے اور آئندہ کے لئے کتنی کامیاب منصوبہ بندی کرتا ہے۔

یسویں صدی..... انسانی تاریخ کی ایک ناقابل فراموش صدی ہے کیونکہ یہ معلوم تاریخ انسانی کا سب سے پر آشوب ہنگامہ خیز اور نئی نئی ایجادات کا زمانہ ہے..... اس میں انسان کے ہزاروں سالہ عقل و شعور کے بتدریج سفر نے ایک دم انگریزی اور وہ اپنے علم کے ذریعے زمین سے اٹھ کر فضاؤں کو چیرتا ہوا دوسرے سیارگان فلکی پر جا ترا۔ زمان و مکان کے فاصلے اتنے سمٹے کہ ہزاروں میل دور بیٹھا انسان لمحوں میں ایک دوسرے کو سنتا ہے اور دیکھتا ہے..... ہوائی جہاز سے لیکر ریڈیو، ٹی وی، سیٹلائٹ، اور کمپیوٹر جیسی حیران کن ایجادات بھی اسی صدی کے افق سے پھوٹی ہیں۔ انسان نے کہکشاؤں کی بلندیوں سے سمندروں کی گہرائیوں تک حقائق کائنات میں جھانکا..... طبعی سائنس نے جہاں بہت سی بیماریوں کا علاج دریافت کیا وہاں انسان بے شمار لاعلاج بیماریوں سے ہمکنار بھی ہوا۔

اس صدی نے جہاں انسان کے دامن کو قابل فخر دریافتوں سے بھر ا وہاں انسان کو تباہی اور بربادی کا سامان بھی فراہم کیا۔ کلاشنکوف سے لیکر اٹیم بم اور لڑاکا جنگی طیاروں سے لیکر تباہ کن میزائلوں تک، تخریب کا سامان۔ اس صدی میں انسان نے جہاں تہذیب، ثقافت، علم و ہنر، مدنیت اور نہ جانے ترقی کے کیا کیا زینے طے کئے وہاں جہالت، ظلم، بربریت اور سرکشی کے سابقہ ریکارڈ بھی توڑ دیئے۔ اس اعتبار سے اس صدی کو تضاد اور منافقت کا عہد بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس دوران اقوام متحدہ وجود میں آئی جس میں انسانی حقوق کے لئے قانون بھی تشکیل دیئے گئے لیکن انسانوں کو انسانوں کے ہاتھوں غلام بنانے کا سلسلہ بھی نوآبادیاتی نظام کی صورت میں جاری رہا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور امریکہ اسی صدی کے آغاز میں ابھرے اور باری باری وسعت اختیار کرتے اور پھر سمٹتے رہے اب میدان میں امریکہ بہادر اکیلا ہے جو اپنے عروج کا شاہد آخری زمانہ دیکھ رہا ہے۔

جہاں تک پوسویں صدی میں امب مسلمہ کا تعلق ہے، اس کے لئے مجموعی طور پر تو اس صدی کا نصف اول بہت اہم رہا، کیونکہ بیشتر اسلامی ممالک اسی عرصہ میں استعمار سے آزاد ہوئے۔ اسے عالمی استعماری طاقتوں نے جھٹکے بھی خوب دیئے اور یہ زخم کھا کھا کر سنبھلتی بھی رہی۔ اسی دوران اکثر اسلامی ممالک میں آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں، الجزائر اور لیبیا سے لیکر انڈونیشیا اور ہندوستان تک جہاد کے میدان لگے جہاں مجاہدین اسلام نے اسلاف کی یادیں تازیں کیں۔ لیکن نصف آخر مسلمان حکمرانوں کی اقتدار پرستی، منافقت اور کفر نوازی کے دردناک المیوں سے اٹا پڑا ہے۔ فلسطین اور کشمیر کے مسلمان آزادی کے لئے ابھی تک اپنے اپنے ملکوں میں لہو کا خراج دے رہے ہیں۔ انسانی خون بھی سب سے زیادہ اسی صدی کے دامن صد چاک پر بکھیرا نظر آتا ہے۔ جنگ عظیم اول سے لیکر ہیروشیما کی تباہیاں انہی ہاتھوں سے ہوئیں جنہوں نے انسانی حقوق کے منشور تریبیت دیئے تھے..... اور یورپ کے وسط میں تو اس صدی کا آخر معصوم مسلمانوں کے خون سے بری طرح لتھڑا رہا۔ یوسنیا اور کوسوؤ کی سر زمین میں صلیبی جنگوں کا تسلسل قائم رہا۔ سرخ روسی سامراج نے وسطی ایشیائی مسلمان ریاستوں پر خونیں پنجے گاڑھے لیکن یون صدی گزرنے کے بعد انسان ساختہ نظام کی دھجیاں اڑ گئیں اور سرخ سامراج سخت جان افغانیوں کے عزم سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا..... ہاں مگر چیچنیا کے نہتے مجاہدین اب بھی بقیہ روس سے اسلام کے دفاع کی جنگ میں مصروف ہیں اور اکیسویں صدی میں داخل ہونے والی ملت اسلامیہ کے کسی ملک نے کھل کر ان کی حمایت نہیں کی۔

اسی صدی کے دامن میں ملت اسلامیہ کے خلاف اسرائیل جیسے طاقتور ناسور بھی نظر آرہے ہیں اور امریکی نیوورلڈ آرڈر کی گونج بھی سنائی دے رہی ہے۔ گراں خواب چینوں نے بھی اسی صدی میں انگریزی اور اب دنیا کی دوسری بڑی اور منظم طاقت کر سامنے آرہے ہیں۔ اسی عرصہ میں انسان نے صنعتی ترقی کے عروج کو پایا اور پھر اوزون کی تہ کو اپنی الودگیوں سے نقصان پہنچا کر نظام فطرت کو چیلنج کر دیا۔ الغرض گذشتہ صدی کے دامن میں

بیک وقت تعمیر و تخریب، خوشی، غمی، انسوا اور قہقہے، بلندی اور پستی، روشنی اور تاریکی انسانیت اور درندگی..... دونوں نے اپنی انتہاؤں کو چھوا۔..... ذات اور کائنات کی گہرائیوں میں اتر کر سر بستہ رازوں کے افشاء کا یہ انسانی سفر ابھی جاری ہے۔ انسان نہ جانے ابھی کون کون سے عالم دریافت کرتا ہے لیکن ہمارے لئے جو چیز لائق مسرت، باعث فخر اور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ..... ہر تبدیلی، ہر انقلاب اور ہر بلندی پر پہنچ کر انسان نے اسلام کی حقانیت کو بر ملا تسلیم کیا ہے۔ بس یہی وہ نقطہ ہے جس پر آپ کی توجہ مرکوز کرتے ہوئے بات ختم کروں گا۔ جتنی صدیاں بیت جائیں انسان جتنی ترقی کر لے، علم جس قدر رسوخ اور عروج کو چھو لے۔ اور زمانہ جتنا آگے چلا جائے..... اسے دھلیز مصطفیٰ ﷺ پر جھکے بغیر اعتبار اور تصدیق کی سند نہیں مل سکتی۔

(جنوری ۲۰۰۰ء، نئی ہزاری کے آغاز پر خصوصی اشاعت)

اک ولولہ تازہ دیا جس نے دلوں کو

تاریخ قوموں کا حافظہ ہوتی ہے اور شخصیات اس حافظے کی قوت و توانائی۔ جس قوم کے پاس اچھے کارنامے تخلیق کرنے والے افراد موجود ہوں اس کی قومی تاریخ کے صفحات بھی تابناک ہوتے ہیں۔ شخصیات کے جن کارناموں سے تاریخ بنتی ہے ضروری نہیں کہ وہ عسکری اور سیاسی محاذ پر سرانجام دیئے گئے ہوں۔ اسلامی تاریخ کے بہت سے ہیرو ایسے ہیں جو نہ حکومت کے تحت کے قریب دھمکے اور نہ تلوار اٹھا کر ایک مرتبہ بھی میدان جنگ میں اترے نہ یادگار قلعے تعمیر کروائے اور نہ لمبی چوڑی عمارتیں کھڑی کیں۔ بس ایک پورے پر بیٹھے رہے اور خود کو جہان علم و فکر کی آبیاری پر کاربند رکھا۔ قلم اور زبان سے جہاد جاری رہا۔ پروقار اور مضبوط کردار کا ثبوت دیا۔

آج دنیا سپہ سالاروں اور حکمرانوں کو بھول چکی ہے لیکن علمی محاذ پر داد شجاعت پانے والے فرزند ان اسلام ابھی زندہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام غزالی، محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی، علامہ ابن خلدون، مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کو کون نہیں جانتا۔ اسلامی تاریخ پر جتنے ان بوریائیں آئیں آئیں انہیں انہیں کے احسانات اور اثرات ہیں کسی اور کے نہیں۔ میدان جنگ میں جہاد بالسیف کی اپنی اہمیت ہے اور فیصلہ کن تبدیلیوں کے لئے سیاسی سطح پر قیادت و سیادت کی ناگزیریت بھی اپنی جگہ مسلم ہے لیکن جنگ اور سیاست کے محاذوں پر رونما ہونے والے تغیرات کو دوام اور استقلال ہمیشہ علم و فکر کی موثر قوت سے نصیب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۲ سو سالہ تاریخ اسلام میں اگرچہ وقفوں و قفوں کے بعد سیاسی زوال آتے رہے لیکن علمی و فکری کاوشوں میں چونکہ ربط اور تسلسل قائم رہا اس لئے وہ زوال پھر عروج میں بدل جاتا رہا۔ متشرقیین اور غیر مسلم مورخین نے اس حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے کہ ”سیاسی اسلام کو جب بھی زوال آیا روحانی اسلام نے آگے بڑھ کر اس کو

فوری سہارا دے دیا۔“

مدعا یہ کہ علمی فکری کاوشیں ہر عہد میں جاری رہیں اجتہادی کاوشوں سے ہر مسئلے کا نہ صرف حل تلاش کیا جاتا رہے بلکہ ہر چیلنج کا بروقت تدارک بھی ہوتا رہا۔ اجتہاد اسلام کی وہ قوت محرکہ ہے جس کے بل بوتے پر اسلامی تعلیمات ہر عہد کے متغیر احوال میں انسانیت کی درست سمت میں راہنمائی کرتی رہی ہیں اور قیامت تک کرتی رہیں گی۔ جس طرح جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت اور سماجی و مذہبی اقدار کے تحفظ کیلئے جہاد فرض ہے اور مد مقابل دشمن سے مقابلہ کیلئے ہر ممکن تیاری کا حکم ہے اسی طرح اسلام کی فکری و نظریاتی سرحدیں بھی ہمہ وقت باطل کے مسلسل حملوں کی زد میں ہیں اور اس محاذ پر بھی جہاد کیلئے مکمل استعداد کی ہر وقت ضرورت رہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ عسکری حملوں کے مقابلے میں جہاد ہر مرد و زن، پیر و جوان پر فرض بھی ہے اور ان کیلئے ممکن بھی۔ مگر نظریاتی حملوں کا تدارک ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں اس لئے ہر شخص پر فرض بھی نہیں۔ اس جہاد میں تو علم و فکر سے لیس اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہی کام آتے ہیں جو معروضی حالات میں ممکنہ تدابیر سے کام لے کر باطل کے سامنے بند باندھ سکیں۔ ہمارے عہد میں پیش آنے والے اکثر مسائل کا تعلق ہمارے ترقی یافتہ سائنسی دور سے ہے۔ گذشتہ صدی کی حیران کن سائنسی ترقی نے انسان کو اس کے وہم و گمان سے بھی بالا ٹیکنالوجی کے ماحول میں لاکھڑا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں سر اٹھانے والے فتنے بھی اسی نوعیت کے ہیں، اس لئے ان جدید مسائل کا حل اور ان فتنوں کا تدارک بھی صاف ظاہر ہے اسی عہد کی فنی اور تکنیکی زبان میں ممکن ہے۔ خالق کون و مکان کی حکمت لایزال کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہر دور کی طرح آج بھی اپنے دین کی حفاظت کیلئے ہر دو محاذوں پر ممکنہ صلاحیت کے ساتھ اپنے خاص بندوں کو متعین فرمایا ہوا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری..... ایسے ہی منتخب مجاہدین اسلام میں سے ایک ہیں جو عصر حاضر کے علمی فکری اور روحانی و مذہبی محاذ پر دشمنان دین سے اس کی زبان میں مصروف جہاد ہیں۔ آپ کی کثیر الجہات خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ایک طرف عبادات و

معاملات سے لیکر عقائد و نظریات تک فرقہ پرستانہ ماحول میں معتدل، معیاری تربیت اور مثبت رہنمائی کا فریضہ نبھارے ہیں اور دوسری طرف زوال آشنائمت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کیلئے مختلف جہتوں پر مصروف جہاد ہیں۔ عہد جدید میں قوت و اقتدار کے بدلے ہوئے معیاروں کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کے سیاسی، معاشی، ثقافتی اور سماجی نظامہائے زندگی کی ترتیب و تشکیل کے ساتھ ساتھ ان کی عملی افادیت کے اظہار کیلئے وہ ایک صالح اسلامی معاشرے کے قیام کی خاطر مصروف جدوجہد ہیں۔ صاف ظاہر ہے یہ کوئی آسان راستہ نہیں اور نہ منزل اتنی قریب ہے۔ بلکہ یہ عزمیت کا وہ راستہ ہے جو خون کے دریاؤں اور آگ کے کہساروں سے ہو کر گزرتا ہے۔

وہ عالمی استعمار کی اسلام دشمن روش کو بھانپتے ہوئے پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ حق کا چراغ لیکرنہ صرف خود آگے بڑھ رہے ہیں بلکہ ایک قافلہ عشق و انقلاب کی قیادت بھی کر رہے ہیں۔ انہوں نے تشکیک اضطراب کے اس دور پر فتن میں لاکھوں قلوب و ازہاں کو ایمان اور یقین کی دولت لازوال سے سرفراز کیا ہے۔ لاہور سے تا خاک یورپ و امریکہ اسلامیان عالم کو انہوں نے ایک ولولہ تازہ دیا ہے۔ مغربی تہذیب کی چکاچوند میں لت پت نوجوانوں کو سوئے حرم چلنے کی خو عطا کی ہے۔ ان کی زبان و قلم نے اسلامی نظام علم و عمل کے وہ چراغ روشن کر دیئے ہیں جو آئندہ صدیوں میں بھی تاریک راستوں پر روشنی بکھیرتے رہیں گے۔ الغرض انہوں نے ہر طبقہ حیات کو پیغام نو دیا ہے۔ انہی ہمہ جہت خدمات نے آپ کو بیسویں صدی کی غیر معمولی شخصیت کا اعزاز عطا کیا جس کا اعتراف عالمی تحقیقاتی اداروں نے خود کیا ہے۔ گذشتہ شمارے میں ہم نے بیسویں صدی کا ایک مطالعہ پیش کیا تھا جس میں قائد محترم کی عہد ساز خدمات کا تذکرہ نہیں ہو سکا تھا اس لئے اسی مناسبت سے آپ کی خدمات کا یہ ایک تعارفی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے تاہم آئندہ سال قائد محترم کی پچاسویں سالگرہ پر انشاء اللہ العزیز ایک ضخیم نمبر کی تیاریاں بھی شروع کر دی گئی ہیں۔

(فروری، مارچ، ۲۰۰۰ء)

خطے میں نئی امریکی حکمت عملی اور ہماری قومی ذمہ داریاں

گذشتہ روز امریکی صدر بیل کلنٹن بھارت اور بنگلہ دیش سے ہوتے ہوئے چند گھنٹوں کیلئے پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد اترے۔ انہوں نے پاکستانی قوم سے خطاب کا تکلف بھی فرمایا اور صدر سمیت چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف کو اعلیٰ حکومتی منصب داروں کی موجودگی میں اپنے ”شاہی احکام“ سے بھی نوازا۔ جنوبی ایشیاء کے دورے کے مضمرات پر ابھی دانشوروں، سیاستدانوں، کالم نویسوں اور سفارتی امور کے ماہرین کے درمیان مذاکرے، مباحثے اور عالمی سطح پر بھی تبصرے جاری ہیں۔ بعض لوگوں نے اس دورے کو پاکستان کی کامیاب خارجہ حکمت عملی سے تعبیر کیا تو کسی نے اسے فوجی حکومت کے جواز کی سند سمجھا۔ دوسری طرف کئی مبصرین ہیں جو اسے کسی نفع یا نقصان کا باعث نہیں کہتے بلکہ اسے محض ایک روایتی دورہ سمجھتے ہیں جو چند گھنٹوں کے بعد ختم ہو گیا اور بس۔ جبکہ ہمارے نزدیک امریکی صدر کا یہ نام نہاد دورہ پاکستانی قوم سے خطاب اور ہمارے حکمرانوں سے ان کا انداز مخاطب ایک توہین، ذلت اور سفارتی آداب کی خلاف ورزی کی بدترین مثال ہے۔ اس سے ہزار درجہ اچھا تھا اگر کلنٹن یہاں اترے بغیر واپس چلا جاتا۔ کم از کم تاریخ کو یہ منظر قلب بند کرنے کی نوبت تو نہ آتی کہ محکوم قوم کی حیثیت سے ہمارے سول اور فوجی حکمران قطار در قطار اپنے آقائے ولی نعمت کے راستے میں کئی گھنٹے آنکھیں پچھائے کھڑے رہے اور جاتے ہوئے اس نے سیدھے منہ بات تو درکنار توہین آمیز ڈانٹ ڈپٹ کے تحائف اور خطرناک مستقبل کی دھمکیوں کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔ امریکی صدر کی اس رعونت کا کیا تذکرہ اس کے پاکستان آنے سے ایک روز قبل امریکہ کی قومی سلامتی کے مشیر سینڈی برجر اور وہائٹ ہاؤس کے ترجمان مائیک ہمبر نے تنازعہ کشمیر کے حوالے سے بڑے تشویش انگیز بیانات جاری کئے۔ ان میں بھارت کے ساتھ پاکستان کی مسلسل محاذ آرائی اور موجودہ شدید کشیدگی کے امکانی

خطرات کا ذمہ دار صرف اور صرف پاکستان کو ٹھہرایا گیا۔ اس انتباہ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کشمیر پر محاذ آرائی سے وسائل ضائع کئے جا رہے ہیں نیز اس سے پاکستان دیوالیہ ہو کر تباہ بھی ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس بیان کے دوسرے حصے میں امریکہ نے بڑے صاف الفاظ میں یہ باور کرایا ہے کہ امکانی جنگی صورتحال میں پاکستان امریکی حمایت کی توقع بھی نہ رکھے۔ ان بیانات اور کلنٹن کے اسلام آباد میں اپنائے جانے والے مجموعی رویے کا منطقی نتیجہ ہے کہ اب بھارتی حکمرانوں کے بیانات میں جارحیت مزید نمایاں نظر آتی ہے۔ مسئلہ کشمیر سے متعلق دونوں ملکوں کو مذاکرات کی میز پر جمع کرنے کی ساری توقعات ایک مرتبہ پھر ختم ہو گئیں اور بھارتی درندوں کو نہتے کشمیریوں سے ظلم کی آشیرباد مزید حاصل ہو گئی۔

جہاں تک پاک امریکہ تعلقات کا معاملہ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ امریکہ کی دوستی اور دشمنی کا معیار کسی کی ہمدردی نہیں بلکہ اپنے مفادات اور ترجیحات ہیں۔ اب تو اس نے کافی حد تک آنکھیں پھیر بھی لی ہیں وہ تو 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں اس وقت بھی ہمارے کام نہیں آیا جب ہم اس کے بہترین اتحادی سمجھے جاتے تھے۔ یہی امریکہ جسے موجودہ حکومت سے غیر جمہوری ہونے کا گلہ ہے۔ ایوب اور ضیاء کے دور میں اپنے مفادات کی خاطر اس کی پسندیدگی کے بے شمار مظاہر موجود ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہمیشہ امریکی مفادات کے آلہ کار رہے اور صرف امریکی حمایت و امداد کو ہی اپنی کامیابی کی ضمانت تصور کیا جاتا رہا۔ پاکستانی قوم کو اپنی بقاء کے تقاضوں کا اس قدر احساس نہیں جتنا کہ ایک خوددار اور غیور قوم کو ہونا چاہئے۔ ہماری ضمیر فروش سیاسی قیادتوں نے قرضوں کی معیشت کے سبب قومی وقار کا اتنا بیڑا غرق کیا ہوا ہے کہ اب ہم چاہتے ہوئے بھی امریکی رعوت کے سامنے آنکھیں اٹھانے کے قابل نہیں۔ چند سال قبل ایک ذمہ دار امریکی کا جو بیان قومی اخباروں میں چھپا، پاکستانی قوم کیلئے شرم سے ڈوب مرنے کیلئے کافی تھا۔ جس میں اس نے کہا تھا کہ ”پاکستانی پیسوں کی خاطر اپنی ماں بھی بیچنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں“۔ ہمارے سابق حکمران امریکی مفادات کی حفاظت میں ایک دوسرے پر بازی لیتے

رہے۔ کسی نے اسمبل کانسٹیبل کو امریکہ کے حوالے کیا تو کسی نے عرب مجاہد رمزی یوسف تلاش کر کے اس کے سپرد کیا۔

آج پوری دنیا میں مفادات کی جنگ ہے۔ ملکوں کی خارجہ پالیسی اور سیاسی حکمت عملی ان کے معاشی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ اصول پسندی، عدل اور شرافت جیسے معیار اب محض بیان کرنے کیلئے رہ گئے ہیں۔ امریکہ خود کو وقتی سہی ”دنیا کی واحد سپر طاقت“ منوانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ وہ اس عالمی تھائنداری کو قائم رکھنے کیلئے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہے۔ روس کی مسماری کے بعد مستقبل قریب میں امریکہ کو اپنے مد مقابل صرف دو قوتیں ابھرتی دکھائی دے رہی ہیں ایک عوامی جمہوریہ چین جو وسیع رقبے پر پھیلا کثیر آبادی والا ایٹمی ملک ہے جس کی صنعتی ترقی اور عسکری مضبوطی آنے والے سالوں میں امریکہ کو پیچھے چھوڑتی دکھائی دے رہی ہے۔ امریکہ کیلئے دوسری خطرناک قوت مسلمان ممالک ہیں ابھرتا ہوا جذبہ جہاد اور احیائے اسلام کی روز افزوں تڑپ ہے جس کے جھٹکے امریکہ سمیت پوری ملت کفر کئی مرتبہ محسوس کر چکی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان، افغانستان اور ایران جیسے ہمسایہ اور نسبتاً خوددار اسلامی ممالک امریکہ کی ”توجہات کریمانہ“ کا خصوصی ہدف نظر آتے ہیں۔ ان ممالک کی باغیانہ روش اور بالخصوص واحد ایٹمی اسلامی ملک پاکستان کی عسکری قوت تو انہیں کسی کروٹ چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سوئے اتفاق کہ پاکستان کا اپنے جارح ہمسایہ ملک بھارت کے ساتھ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے دیرنیہ دشمنی بھی موجود ہے۔

ان حالات میں امریکہ نے ایشیاء کیلئے اپنی ترجیحات کا جو نقشہ بنایا ہے اس میں بھارت اس کے لئے انتہائی مفید ہے جتنا ڈل ایٹ میں اسرائیل۔ اتفاق سے بھارت اسلامی ممالک اور چین کے درمیان واقع ہے۔ مضبوط بھارت ایک طرف چین کیلئے رکاوٹ ہو گا اور دوسری طرف عالم اسلام خصوصاً پاکستان کیلئے مستقبل خطرہ۔ یوں امریکہ ایک تیر سے دو شکار کرتا رہیگا۔ یہ ہے وہ حکمت عملی جس کے تحت اب بھارت امریکہ کا چھینٹا ملک بن چکا ہے اور پاکستان اس کے دوستوں کی فہرست سے خارج ہو چکا ہے۔ لیکن اس غلامانہ ذہنیت کا کیا

کیا جائے جو اب بھی امریکی دوستی کو اپنے لئے اب حیات خیال کرتی ہے۔ یہی امریکہ جو اب دنیا کو امن سلامتی اور جمہوریت کا درس دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس نے دنیا میں پہلا ایٹم بم چلا کر لاکھوں انسانوں کو لقمہ اجل بنایا۔ اب بھی جس کے پاس ہزاروں ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ جس کی فیکڑیاں اس وقت پوری دنیا سے زیادہ روزانہ خطرناک جنگی اسلحہ بنا رہی ہیں۔ یہ امریکہ جو عراق کے نو لاکھ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کا قاتل ہے ہمیں بھارت کے ساتھ عدم جارحیت کے سبق پڑھانے آتا ہے۔ اسے فلسطین کی طرح کشمیر میں بھی سات لاکھ فوج نہتے مسلمانوں پر ظلم ڈھاتی ہوئی نظر نہیں آتی لیکن وہ چند مجاہدین نظر آجاتے ہیں جو حق خود ارادیت کیلئے ظلم کے خلاف سر بھٹ ہیں۔ ہم امریکی صدر کے اس دورے کو اس لحاظ سے عالم اسلام کیلئے ایک تازیانہ سمجھتے ہیں کہ اس نے بھارت کی واضح جارحیت پر آنکھیں بند کر کے پاکستان کو اس کے خطرناک انجام سے ڈرایا ہے۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک تو پہلے ہی امریکہ کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ آخری بات جو امریکہ کو گوش گزار کرنی ہے وہ یہ کہ تمہارا نیا حلیف نہ اب سیکولر ہے اور نہ جمہوری بلکہ اب وہ چند سالوں کا مہمان ہے جس کے ٹکڑے ہونے سے اسے تمہارے سمیت دنیا کی کوئی طاقت محفوظ نہیں رکھ سکتی۔

پاکستانی قوم کو غیر جذباتی ہو کر اب ایک خود دار با غیرت اور پر عزم قوم کی حیثیت سے اپنی پالیسیاں ترتیب دینی چاہئیں۔ جدید علم کے حصول کے ساتھ ساتھ قومی اور انفرادی زندگی میں محنت، دیانت اور امن پسندی جیسی خوبیاں پیدا کرنا ضروری ہیں۔ ملک کے علماء و مشائخ اور عوام الناس وقت کی رفتار کو سمجھیں وطن عزیز کو اس کے اساسی مقصد سے ہمکنار کرنے کیلئے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ پاکستان کو قریبی ہمسایہ اسلامی ممالک اور بالخصوص عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ روابط مزید بڑھادینے چاہئیں۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ حساس قومی معاملات پر عوام الناس کو اعتماد میں لے کر چلے۔ عالمی سطح پر مسئلہ کشمیر کی سنگینی کو واضح کرنے کیلئے اچھے سفارتکاروں کو اہم ممالک میں تعینات کیا جائے اور اہل لوگوں پر مشتمل مختصر و خود تشکیل دے کر بیرون ممالک بھیجا جائے۔ فوجی حکومت جتنا جلدی ہو سکے شفاف احتساب

مکمل کر کے جمہوریت کو بحال کرے تاکہ فوج ملکی انتظامی معاملات کی بجائے اپنے پیشہ وارانہ فرائض بخوبی نبھاسکے کیونکہ ہندو بیٹے کا دماغ امریکی صدر کے اس دورے کے بعد کچھ زیادہ ہی خراب ہو چکا ہے۔ رہا تحریک آزادی کشمیر کا معاملہ تو کشمیری قوم اب قربانیوں کی طویل داستان رقم کر کے بہت دور جا چکی ہے۔ کسی امریکہ برطانیہ یا بھارت کے کہنے پر نہ پہلے تحریک ختم ہوئی اور نہ اب ہوگی۔ ہاں ملت کفر عالم اسلام کے خلاف مزید منظم ہو رہی ہے۔ حق کے خلاف باطل کا یہ اتحاد نئی بات نہیں، یہ مبارزت ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ گھبرانے یا پست حوصلہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کامیابی ہمیشہ حق کا نذر ہوتی ہے۔

(اپریل ۲۰۰۰ء)

آبی ذخائر میں کمی..... جدید انسانی ترقی کا شاخسانہ

آپ نے دنیا کے نقشے کو اگر غور سے دیکھا ہو یا کسی بھی سمت ہوائی جہاز میں لمبا سفر کیا ہو تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس کرہ ارضی کا بیشتر حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ ہر سمت سمندر ہی سمندر موجزن ہیں۔ جہاں جہاں خشک جزیرے دکھائی دیتے ہیں وہ بھی ریتکے صحراؤں، پہاڑوں اور سرسبز میدانوں میں تقسیم ہیں۔ یعنی کرہ ارضی کا 70 فیصد حصہ پانی ہے اور بقیہ تیس فیصد حصے میں بھی تقریباً نصف حصہ جوہ انسانی زندگی کیلئے ناموزوں ہے۔ گویا زمین کے 15 فیصد حصے پر انسانوں نے اپنی بستیاں آباد کر رکھی ہیں جو ہزاروں لاکھوں سالوں سے تہذیب و ثقافت اور مذہب و ملت کے مختلف انقلابات کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے ہزاروں اختلافات کے باوجود کرہ ارضی کے سارے انسان دیگر زندہ مخلوق کی طرح بنیادی ضرورتوں میں یکساں میں خوراک کے علاوہ پانی اور ہوا ساری جاندار مخلوق کی زندگی کے اساسی عناصر ہیں۔ اس کرہ ارضی کی اشرف المخلوقات جنس 'انسان' نے خداداد علمی و فکری صلاحیت کے ذریعے ہر دور میں کائنات کو مسخر کرنے کی مہم جاری رکھی تاہم اس دور کے انسان نے فضاء کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں کے جتنے کھوج لگائے اس کی مثال اب تک کی انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تعجب انگیز ہے کہ فطرت کی طاقتوں کو عریاں کرنے والا یہ انسان بتنا اب مضطرب اور پریشان ہے اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ وہ جوں جوں تہذیب یافتہ ہونے کے نعرے لگاتا ہوا ترقی کی خود ساختہ شاہراہ پر منزلوں پر منزلیں طے کرتا چلا جا رہا ہے اس کے ہاتھوں تہذیب، فطرتی ماحول اور قدرتی وسائل کے استحصال کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔

دوسروں کو زبردست رکھنے کی سرشت کے ہاتھوں مجبور انسان نے اپنے علم کو تخریب کاری کے فن میں جھونک دیا اور اپنے ہاتھوں سے ایسے تباہ کن ایٹمی ہتھیار بنا لیے جو بقا

عے حیات سے لیکر حسن کائنات کی ہر اکائی کے لئے زہر قاتل ثابت ہو رہے ہیں۔ اس نے تمدن کے نام پر جنگلات ختم کر کے شہر آباد کیے اور شہری ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے فیکٹریاں قائم کیں۔ کارخانے، سٹرکیں اور ہوائی اڈے تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ انسانی زندگی بظاہر آرام دہ ہو گئی لیکن اس آرام نے اسے غافل اور خدا کا نافرمان بندہ بنا دیا۔ ذرائع آمد و رفت اور الیکٹرونک میڈیا نے زمانی و مکانی فاصلے تو سمیٹ دیے لیکن انسان خود سے بیگانگی کے سفر میں کوسوں دور چلا گیا۔ خصوصاً نیوکلیئر اور کیمیائی ٹیکنالوجی انسانی ترقی کا ایسا تلخ ثمر ہے جس کے مہلک اثرات نے زمین کے حیاتی توازن کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں، کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے دھوئیں کے زہریلے مادوں اور ایٹمی دھماکوں کے اثرات سے جہاں اوزون کی سطح (کرہ ارضی کے گرد حفاظتی پرت) کو متاثر کیا ہے وہاں فضائی آلودگی صدیوں سے موجود بر فانی آبی ذخائر میں واضح نقصان کا باعث بھی بن چکی ہے۔ زہریلے کیمیائی مادوں نے زیر زمین پٹھے آبی ذخائر کو بری طرح متاثر کیا اور اب نوبت یہاں جا رہا ہے کہ 70 فیصد پانی پر مشتمل کرہ ارضی پر بسنے والا انسان ”پانی کے بحران“ کا شکار ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین کی سطح پر دو تہائی سے زائد یعنی 97.5 فیصد پانی نمکین اور کھارا ہے جبکہ پینے کے صاف پانی کی مقدار صرف 2.5 فیصد ہے جو دریاؤں پہاڑی ندی نالوں بر فانی تودوں اور زیر زمین ذخیروں کی شکل میں موجود ہے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق اب انہی قدرتی آبی ذخائر میں انسانی تباہ کاریوں سے بتدریج کمی ہو رہی ہے جس نے اس دور کے مطلق العنان ترقی یافتہ انسان کو بے بس اور پریشان کر دیا ہے۔ اس وقت شرق الاوسط اور افریقہ کے بیشتر ممالک اس بحران کا شکار ہیں جس کے لئے وہ مختلف منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان اگرچہ ان خوش قسمت ممالک میں شامل ہے جہاں ایک طرف دنیا کا بہترین نہری نظام موجود ہے اور دوسری طرف بر فانی تودوں اور دریاؤں کی صورت میں قدرتی آبی وسائل کی سہولت بھی موجود ہے۔ لیکن شومی قسمت کہ یہاں کے بے ضمیر اور بے حس سیاستدانوں نے عوام کو اس خدائی نعمت کے فوائد سے بھی محروم کر رکھا ہے۔ یہ ایک زہریلے

ملک ہے جس کی 97 فیصد زراعت کا انحصار انہی آہلی ذخائر پر ہے۔ اس کے پچاس لاکھ ایکڑ قبے پر گندم بوئی جاتی ہے اس کے باوجود ہم ہر سال خوراک کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کیلئے امریکہ اور مغربی ممالک سے گندم درآمد کرتے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر گندم کی موجودہ ملکی پیداوار بھی خشک سالی کی وجہ سے متاثر ہوگئی تو یہ قوم تمام تر دینی اور ملی غیرت کے باوجود بھوک کے ہاتھوں اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوگئی۔

پاکستان آج جن سیاسی، معاشی اور سماجی، ثقافتی اور جغرافیائی خطرات سے گزر رہا ہے ان میں سے ہر ایک مسئلہ اپنی جگہ ایک بحران ہے لیکن آہلی ذخائر کی موجودہ کمی ایک ایسے المناک خطرے کی علامت ہے جس کے اثرات و نتائج کا اندازہ لگانے کیلئے ایتھوپیا اور صومالیہ جیسے ممالک کو دیکھنا چاہیے۔ جہاں انسانی زندگی بری طرح قحط کی تباہ کاریوں کی زد میں ہے۔ بلوچستان کے بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں مصدقہ اطلاعات کے مطابق اب بھی انسان اور جانور پانی کی بندوبند کو ترس رہے ہیں۔ سندھ اور زیریں پنجاب کے کھیت اس وقت بھی پانی کی کمی کے باعث بخر اور ویران ہونے کے قریب ہیں۔ ماہرین کے مطابق حالات پر کنٹرول نہ کیا گیا اور اب بھی سیاسی مصلحتوں سے کام لیتے ہوئے قومی ضرورت کا احساس نہ کیا گیا تو چند سالوں کے بعد ہمارا حشر صومالیہ جیسا ہوگا۔ ہر زرعی ملک کی طرح پاکستان کو بھی آہلی ذخائر کی شدید ضرورت ہے جو بیک وقت برقی توانائی کے ساتھ ساتھ زرعی ضرورت کو کما حقہ پورا کر سکیں لیکن حیرت ہے کہ منگلا اور تربیلا ڈیم کے بعد متفقہ طور پر کالا باغ ڈیم جیسے قومی منصوبے کو سیاسی رنگ دیکر 25 سال سے معرض التواء میں ڈال دیا گیا ہے تمام ملکی اور بین الاقوامی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کالا باغ ڈیم ہی اس وقت ملکی ضرورت پوری کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر 1975ء سے لیکر اب تک ہر حکومت خطیر رقم بھی خرچ کرتی رہی ہے لیکن چند تخریب کار سیاسی گماشتوں کی دھمکیوں کے پیش نظر اس قومی منصوبے پر کام شروع نہیں ہو سکا۔ گذشتہ سیاسی اور فوجی حکومتوں نے قومی ترجیحات کا خیال کیئے بغیر ان ملک دشمن علاقائی سیاستدانوں کو خوش رکھنے کا و طیرہ اپنائے رکھا۔

غربت بے روزگاری افلاس اور مہنگائی کی چکی میں پسی ہوئی قوم کے ساتھ ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے حکمران ایسے قومی نوعیت کے منصوبوں کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والے ہاتھوں کو کاٹ دیں۔ آئے روز I.M.F اور ورلڈ بینک سے قرضوں کی بھیک کے بدلے میں ملنے والی ذلت اور بادل نخواستہ مہنگی بجلی خریدنے کی مجبوری سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ حکومت ضروری حد تک متاثرہ علاقوں کے عوام کو اعتماد میں لیتے ہوئے بلا تاخیر کالاباغ کی تعمیر شروع کر دے، نیز منگلا اور تربیلا ڈیم میں مزید توسیع کیلئے بھی واپڈا کے زیر غور منصوبوں کو عملی شکل دی جائے تاکہ آبپاشی اور پن بجلی کی صنعت کو متوقع غیر معمولی نقصان سے بچایا جاسکے۔ ورنہ قدرتی خزانوں کے ضیاع اور کفران نعمت کی سزا بھگتنے کیلئے ہمیں تیار رہنا ہوگا۔

(مئی، ۲۰۰۰ء)

قریہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں تلخیوں کا موسم

آج کل وطن عزیز جن سنگین مسائل میں گھرا ہوا ہے ان میں ایک طرف گذشتہ دس سال سے جاری سرحدی کشیدگی اور بھارتی جارحیت میں خطرناک اضافہ ہے اور دوسری طرف بلوچستان، سندھ اور جنوبی پنجاب کے بعض اضلاع شدید قحط کی زد میں آچکے ہیں۔ پچھلے تین سالوں سے یہاں بارشوں کا سلسلہ بند رہنے کی وجہ سے پانی کا شدید بحران پیدا ہو چکا ہے۔ شدید گرمی میں انسان اور جانور بھوک پیاس سے بلک بلک کر جانیں دے رہے ہیں۔ لاکھوں لوگ نقل مکانی کر کے مال مویشی سمیت دوسری جگہوں پر دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔ حکومت اور پرائیویٹ فلاحی ادارے حتیٰ المقدور امدادی سرگرمیوں میں مصروف ہیں لیکن یہ عارضی اہتمام ان کے حقیقی مسائل کا حل نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ رحمت خاص کے ذریعے ان علاقوں کا سبزہ اور آبی ذخائر نہیں واپس نہیں لوٹا دیتا۔

ملک میں تیسرا طوفان جو آئے روز بے بس انسانی جانوں کو زندہ نگل رہا ہے وہ مہنگائی کا بڑھتا ہوا طوفان ہے۔ غربت اور بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ اس عوام کو روزمرہ کی ضروری اشیاء میں گرانی نے ذہنی اور نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ پانی، بجلی، گیس اور ٹیلی فون کے بلوں کا بوجھ ہی ناقابل برداشت تھا اوپر سے پٹرول اور گندم کی قیمتوں میں اضافے نے انہیں جیتے جی مار دیا ہے۔ حکومت اور تاجر طبقہ میں سیلز ٹیکس کے مسئلے پر حالیہ کشمکش بھی اپنی جگہ ایک تشویشناک صورتحال کی غماز ہے۔ یہ سارے معاملات پاکستان کی داخلی سلامتی کیلئے پھر بھی اتنے خطرناک نہیں، جتنی خطرناک مذہبی بنیادوں پر باہمی تفرقہ بازی اور آئے روز کی قتل و غارتگری ہے۔ کسی بھی مہذب معاشرے میں اس طرح کے حالات قابل برداشت نہیں ہو سکتے۔ سیاسی افراتفری اور باہمی رساکشی نے مذہبی تفرقہ پروری کے اس رجحان میں عدا اضافہ کروایا ہے۔

ان ڈھیر سارے مسائل میں گذشتہ دنوں ایک حساس مسئلے کا اس وقت اضافہ ہو گیا جب تو عین رسالت ﷺ کے مقدمے کے اندراج میں ایس ایچ او کی جگہ ڈی سی کو اختیارات تفویض کیے جانے کی تجویز زیر غور آئی۔ بات بظاہر اتنی بڑی نہیں تھی لیکن چونکہ اس سے تو عین رسالت کے مقدمے کے اندراج کے طریقہ کار میں مشکلات اور تاخیر کا اندیشہ تھا اس لئے دینی حلقوں نے بیک آواز بڑا سخت رد عمل ظاہر کیا۔ ملک بھر میں قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ میں تبدیلی کی باتیں سننے میں آئیں۔ اس میں شک نہیں کہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہم سب مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد ہے۔ مسلمان ہر چیز پر سمجھوتا کر سکتا ہے لیکن ناموس رسالت ﷺ پر کسی قسم کی آنچ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایسا قوت بخش جذبہ ہے جس کے سامنے دنیا کا کوئی ہتھیار کارگر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم قوتوں نے مسلمانوں کے دلوں سے اس جذبے کو نکال دینے کیلئے ہر دور میں ہزار ہا جتن کیے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہی جذبہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا امین اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم زندہ و متحرک رکھنے میں اساسی کردار ادا کرتا ہے۔ الحمد للہ وطن عزیز کے مسلمانوں کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ حفاظت ناموس رسالت مآب ﷺ میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔

تو ہین رسالت کے مقدمے کے اندراج کے طریقہ میں تبدیلی کی یہ تجویز اپنی جگہ بوجہ درست بھی ہو گی کیونکہ گذشتہ چند سالوں میں اس قانون سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف سطحوں پر اسے ذاتی انتقام کیلئے استعمال کیا گیا اور فریق مخالف کو ”گستاخ رسول ﷺ“ بنا کر ظلم کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ اگر حکومت اس سلسلے میں مخلص تھی اور اندراج کے طریقہ کار کو شفاف بنانا چاہتی تھی تو ملک کے مقتدر علماء و مشائخ کو بلا کر ان کے سامنے ساری صورت حال رکھی جاتی اور تمام نکات پر باہم مشورے کے بعد متفقہ فیصلہ سے مذکورہ تجویز سامنے لائی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو ہفتے پورا ماحول کشیدگی کی زد میں رہا۔ مختلف اندیشوں اور غلط فہمیوں کے ابھرنے اور ابھارنے کا موقع دیا گیا۔ دینی طبقات نے مجبوراً سڑکوں پر آکر انتظامیہ کے ساتھ ہاتھ پائی کی اور بالآخر چیف ایگزیکٹو کو

خود وضاحت کرنا پڑی۔ جس کے رد عمل میں مغربی مہڈیا اور کچھ بد نخت سیکر لرزہ نیت رکھنے والی شخصیات نے اسے ”ملازم“ کی فتح اور ”حکومت کی پسپائی“ سے تعبیر کیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ ادارے اور شخصیات اس قانون کی تبدیلی میں کتنی دلچسپی لیتی ہیں۔ انہیں وہ مذہبی لوگ اجڈ جاہل دقیا نوس اور انسانی حقوق کے دشمن لگتے ہیں جو اپنے رسول ﷺ کی ناموس پر مر مٹنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ کتوں، بلیوں، پرندوں اور جانوروں کے حقوق کی حفاظت کرنے والے ان عالمی اداروں کو آخر اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی کہ کائنات کی مقدس ترین ہستیوں کی حرمت اور ناموس کی حفاظت دنیا کا سب سے بڑا حق ہے۔ عام شہری کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا اسے پریشان کرنا اور اس کی عزت و شہرت کو نقصان پہنچانا اگر ان کے نزدیک جرم ہے اور اس جرم کے مرتکب کو ان کا قانون سزا دلواتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہی قانون دان ایسے لوگوں کو نہ صرف بے قصور ٹھہراتے ہیں بلکہ انہیں تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں جو کئی ارب انسانوں کے جذبات سے کھلینے کا جرم کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک عام شہری کی عزت و شہرت کو معمولی نقصان پہنچانے والا مجرم ہے لیکن روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستی نبی اکرم ﷺ کی عزت و ناموس کو چیلنج کرنے والے سلیمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور نجیب محفوظ جیسے بد نخت ”ہیرو“ کا روپ دھار لیتے ہیں جن کی حفاظت ان کا اولین فریضہ قرار پاتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اتنے بڑے تضاد منافقت اور دو غلے پن کے باوجود یہ لوگ خود کو دانشور، مہذب قانون کے پاسدار اور حقوق انسانی کا محافظ سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہی لوگ ہمارے نزدیک قابل تقلید ہیں۔ ان کا لکھا ہوا آج ہماری نوجوان نسل کیلئے ”معیاری علم“ اور ”اعلیٰ قانون“ کا درجہ رکھتا ہے اور قرآن، احادیث نبوی ﷺ اور آئمہ و محدثین کے اقوال، غیر مستند غیر معیاری اور دقیا نوسی چیزیں ہیں۔ جن کو پڑھنا، سیکھنا اور قابل عمل سمجھنا بنیاد پرستی، رجڈ پن اور نامعقول ملائیت سمجھا جاتا ہے۔ حکیم مشرق نے اسی طبقے کیلئے فرمایا تھا۔

وضع میں تم ہوں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہی مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شر مائیں یہود

موجودہ فوجی حکومت کی بعض دوسری پالیسیاں بھی ابھی تک مبہم ہیں اور ملک کی دینی قیادتوں سمیت اسلام پسند عوام کو بجا طور پر ان پالیسیوں سے سیکر لرازم کی بو آرہی ہے۔ ناموس رسالت ﷺ کے قانون سمیت تحفظ ختم نبوت اور دینی مدارس کے معاملے پر بھی حکومت کی طرف سے ابھی تک واضح پالیسی بیان سامنے نہیں آیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ حکمران بھی سابقہ حکمرانوں کی طرح امریکی استعمار کی اسلام دشمن پالیسیوں کی حفاظت کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو پھر یہ حقیقت بھی انہیں نہیں بھولنی چاہئے کہ اللہ کی بے آواز لاٹھی ایک دن ان کے سر پر بھی پڑنے والی ہے۔ خطہ ارض پاک شہد ان ناموس رسالت کی امانت ہے۔ اس کے ساتھ جس نے بھی بددیانتی اور بد نیتی کا ارتکاب کیا۔ کبھی تو اسے لوگوں نے خود ذلیل کر کے اقتدار سے الگ کر دیا، کبھی اسے پھانسی پر جھولنا پڑا کبھی وہ فضاؤں میں تحلیل ہو گیا، کبھی اسے ملک بدر ہونا پڑا اور کبھی سلطانی کا خواب دیکھنے والے ان امریکی مہروں کو پس دیوار زنداں جانا پڑا۔ یہ پرانی تاریخ نہیں سب ماضی قریب اور حال کے کردار ہیں۔

اب انشاء اللہ ظلمت شب سے صبح انقلاب کی نوید سنائی دے رہی ہے۔ پاکستان کے غیور عوام ان دو غلے اور بے ضمیر سیاسی مداریوں کے چنگل سے نکل رہے ہیں۔ چیئر مین پاکستان عوامی تحریک کے حالیہ دوروں کے دور ان ایسے بے شمار ایمان افروز نظارے دیکھنے میں آرہے ہیں۔ متوسط اور مظلوم طبقے جاگیرداروں، وڈیروں اور جرائم پیشہ اشرافیہ کے خلاف صف بندی کر رہے ہیں۔ مصطفوی انقلاب کی باگ ڈور اسی مظلوم اور باضمیر لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی اور ان دشمنان دین ملت کیلئے زمین تنگ ہو جائے گی۔

(جون، ۲۰۰۰ء)

رواں صدی کی پہلی بڑی سائنسی کامیابی

انسانی تحقیق و جستجو نے گذشتہ صدی میں سب سے زیادہ حیران کن سائنسی معجزے دکھائے۔ لیکن ۲۶ جون ۲۰۰۰ء کو حیات انسانی کی تشکیل اور انسانی جسم کی ساخت کے انتہائی پیچیدہ جینیاتی نظام کی دریافت نے سابقہ تمام سائنسی معجزوں کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ امریکہ، چین اور ۵ یورپی ممالک کے مشترکہ تحقیقاتی ادارے ”نیشنل ہیومن جینوم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ“ کے سربراہ ڈاکٹر فرانس کولنز نے اعلان کیا کہ ”آج ہم نے کتاب زندگی کے تمام اسرار و رموز جان لیے ہیں۔“ ان ممالک کے سائنسدانوں نے دس برس کی مسلسل محنت و جدوجہد اور تحقیق کے بعد انسانی زندگی کے سربستہ رازوں کو جان لینے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ دعویٰ اس قدر منفرد ہے کہ وائٹ ہاؤس میں یہ خبر ملتے ہی ایک پروکار تقریب ہوئی جس میں صدر بل کلنٹن نے عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا کو بڑے فخر سے انسانی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب کی خوشخبری دی، اسی طرح برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے بھی پر مسرت فاتحانہ لہجے میں اس دریافت کا ذکر کیا اور اسے انسانی تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیا۔

ان سائنسدانوں نے لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد دراصل انسان کا ایک ایسا ”جینیاتی نقشہ“ تیار کیا ہے جس سے جدید میڈیکل سائنس کو معلومات کا ایک نیا جہاں مل گیا ہے۔ بالخصوص انسان پر موروثی اثرات اور مملکت بیماریوں کے بھید کھل جائیں گے اور اب تک لاعلاج سمجھی جانے والی امراض کا علاج بھی ممکن ہو جائے گا۔ انسان کی پیدائش سے پہلے اس کی صلاحیتوں اور دیگر خواص کا پتہ لگایا جاسکے گا۔ یہ اگرچہ خالصتاً قدرتی نظام ہے لیکن ایک امکان یہ بھی بیان کیا جا رہا ہے کہ اس دریافت کے بعد اب سپیشل قسم کے غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل انسان پیدا بھی کئے جاسکیں گے۔ ان فاتح

سائنسدانوں میں سے ایک نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ ”اب ہم انسانی تاریخ کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں پہلی بار ہمیں انسانی جسم کو وجود میں لانے والے احکامات اور ہدایات کا سراغ ملا ہے۔“

انسانی جسم دراصل قدرت کا عجیب ترین شاہکار ہے۔ اس کے تمام اعضاء ایک منظم اور پیچیدہ سسٹم کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ ہر حصے اور نظام کے خواص اسے سوینی گئی ذمہ داریوں کے عین مطابق ہیں۔ ہر جاندار قدرت کی عطا کردہ مخصوص ہدایات کے مطابق عمل کرتا ہے (جسے جبلت کہتے ہیں) اور یہ ہدایات اس جاندار کے خلیوں (Cells) کے مرکزی حصے نیوکلس میں DNA کی شکل میں محفوظ ہوتی ہیں۔ یہ DNA کائنات کا پیچیدہ ترین سالمہ ہے جو خود تین ارب چھوٹے سالموں پر مشتمل ہوتا ہے، یہی چھوٹے سالمے دراصل انسانی زندگی کی اکائی ہیں۔ اس لئے انہیں زندگی کا خفیہ کوڈ بھی کہا جاتا ہے اور ان سائنسدانوں نے اسی جینیاتی نظام کے خواص تک رسائی حاصل کی ہے۔ کمپیوٹر جیسی پیچیدہ دریافت پر اترانے والے انسان کو ذرا صل اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزہ تخلیق کی ایک جھلک دکھائی ہے۔ اس ”جینیاتی کوڈ“ کے دریافت پر مترتب ہونے والے فوائد اور نقصانات تو مستقبل میں ظاہر ہوں گے۔ ہمارے لئے قابل غور بات یہ ہے کہ اس قسم کی تحقیقات میں مسلمان سائنسدان کیوں شامل نہیں؟ حالانکہ قرآن میں حقائق کائنات پر غورو فکر کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ قابل غور پہلو یہ ہے کہ افلاک کی وسعتوں سے لیکر سمندروں کی گہرائیوں تک اور مرتخ پر اترنے کی تیاریوں سے لیکر انسانی خلیوں کے اس پیچیدہ نظام کے عرفان تک ہر مرحلے پر ہمیں وہ لوگ قیادت و امامت کرتے نظر آتے ہیں جو خالق کائنات پر کماحقہ ایمان بھی نہیں رکھتے۔ کاش فعال اسلامی ممالک مراکز تعیشات کی بجائے ایسے تحقیقی ادارے بنائیں جہاں مسلمان سائنسدان بھی تسخیر کائنات کے سربستہ رازوں تک رسائی حاصل کر کے اقوام عالم کی امامت کر سکیں۔

جماعتِ اسلامی کے معمولات میں خوش کن تبدیلی

ربیع الاول شریف اس سال بھی ذکر رسول ﷺ کی تمام تر کیفیات حضور و سرور کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ اہل ایمان اس مقدس نورانی ماہ کے شب و روز میں خاص طور پر آقائے نامدار سرور کائنات ﷺ کے حضور گلہائے عقیدت و محبت پیش کر کے دراصل اللہ تعالیٰ کے احسانِ عظیم کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذکر اور تحدیت کی ان تقریبات سے اس تعلقِ غلامی کی تجدید ہوتی ہے جو دنیا و آخرت میں ہماری کامیابی کا حقیقی ضامن اور ایمان کے استحکام کا واحد ذریعہ ہے۔ ہمارے جملہ اعمالِ حسنہ کی قبولیت اور اطاعت رسول ﷺ کے ثمرات کا انحصار بھی اسی ایمانی تعلق کی مضبوطی پر ہے۔ بقول اقبالؒ

مغز قرآن روحِ ایماں جانِ دین ہست حبِ رحمتہ للعالمین ﷺ

یعنی قرآن کا خلاصہ ایمان کی روح اور دین کی اصل تک پہنچنے کیلئے کسی ایک راستے کا انتخاب کیا جائے تو وہ صرف محبت رسول ﷺ کا راستہ ہے۔ الحمد للہ تحریک منہاج القرآن پہلے دن سے پورے وثوق اور یقین کے ساتھ یہی پیغام دے رہی ہے کہ ایمان کا مرکز و محور بھی حضور ﷺ کی ذات ہے اور اس پر فتن دور میں ایمان کا تحفظ بھی محبت و اطاعت رسول ﷺ کی قوت کے بغیر قطعاً ممکن نہیں۔ دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجلا کئے بغیر ملت کی پستیوں کو بلند یوں میں بدلا جاسکتا ہے اور نہ کفر کے نظامِ سیاست و معیشت اور ثقافت کے سامنے ہند باندھا جاسکتا ہے۔ خطہ پاکستان تو ہے ہی قریہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ۔ برصغیر میں شجرِ اسلام کی آبیاری اکابرِ صوفیاء اور اولیاء اللہ کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اس لئے اس مٹی کے خمیر میں محبت رسول ﷺ کی مہک رچی بسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کا ہر کلمہ گو، ناموس رسالت پر مر مٹنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ نہ اہانتِ رسول ﷺ کی کوئی منہوس آواز یہاں پھیل سکی اور نہ گستاخی رسول کا مرتکب کوئی ناپاک وجود یہاں پنپ سکا۔

اس خطے میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اقامت دین کا کام کرنے والی تمام جماعتوں نے اس حقیقت کبریٰ کو اچھی طرح بھانپ لیا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ عملاً اس کا اعتراف کرنے میں ابھی ہچکچا رہی ہے۔ اس پس منظر میں جماعت اسلامی پاکستان کی موجودہ قیادت مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے سابقہ روش کو ترک کرتے ہوئے جشن میلاد النبی ﷺ کی دینی افادیت کے شایان شان پہلی بار پورے اہتمام کے ساتھ خوبصورت تقریبات کا انعقاد کیا۔ اگرچہ منصورہ میں پچھلے کئی سالوں سے ربیع الاول کے موقع پر سیرت النبی ﷺ کے اجتماعات منعقد ہو رہے تھے لیکن اس مرتبہ زندہ دلان لاہور کی کشش جماعت کے اکابرین کو منصورہ کی چار دیواری سے کھینچ کر عین شہر کے وسط لوہاری گیٹ کے باہر مسلم مسجد کے سائے میں لے آئی اور یہاں پر ہونے والی محفل نعت ملک بھر میں ہونے والی محافل میلاد النبی ﷺ کے رنگ میں نہا گئی۔ چشم فلک نے ”ورفعنا لک ذکرک“ کا یہ معجزہ بھی دیکھا کہ جس پلیٹ فازم پر (رد عمل کے طوز پر) ”سیدی‘ مرشدی“ ”مودودی‘ مودودی“ کے نعرے لگائے جاتے تھے آج بیک آواز پورے جوش و خروش کے ساتھ ”سیدی مرشدی‘ یانہ یانہ“ کی صدائے دلنواز ابھر رہی ہے۔ نعت خوانی کے دوران وقفے وقفے سے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بھی گونجتے رہے۔ جبکہ واقفان حال جانتے ہیں کہ ”یا رسول اللہ“ کی لفظی ترکیب ہمارے ان دوستوں کے ہاں کتنی متنازع تھی۔

لوہاری کے باہر ہونیوالی اس محفل میلاد النبی ﷺ کو اگرچہ بعض لوگوں نے ”سیاسی ضرورت“ کے تحت جماعت کو عوامی رنگ دینے کیلئے نئی ”حکمت عملی“ کا آغاز قرار دیا ہے لیکن ہمارا حسن ظن اسے جماعت اسلامی کے روشن مستقبل کی علامت گردانتا ہے۔ بشرطیکہ جماعت کے اکابرین اس صائب اجتہاد کو ”نظریہ ضرورت“ کی بجائے اہل ایمان کے دلوں کی آواز سمجھیں۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ لاہور سے شروع ہونے والی اس خوش کن تبدیلی کے اثرات ملک کے دور دراز حصوں میں بھی پھیلیں گے اور دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالے کے الوہی مشن کو تقویت ملے گی۔

فوج کا وقار..... بڑھتی ہوئی مہنگائی کی زد میں

پاکستان میں ویسے تو گذشتہ دس بارہ سالوں سے یہ وطرہ بن گیا ہے کہ سالانہ بجٹ سے پہلے اور بعد میں اشیاء کی قیمتیں بڑھادی جاتی ہیں۔ لیکن موجودہ فوجی حکومت نے پے در پے روزمرہ ضرورت کی اشیاء اس قدر مہنگی کر دی ہیں کہ لوگ تنگ آکر اب ان فوجی حکمرانوں کو بھی عالمی مالیاتی اداروں کے ایجنٹ قرار دے رہے ہیں۔ پٹرول، آٹا، ڈیزل، چینی اور سمیٹ کے بعد اب قدرتی گیس بھی خاصی مہنگی کر دی گئی ہے۔ جس سے اور بہت سی چیزیں خود بخود مہنگی ہو جائیں گی۔ حکومت عوام کو جن چیزوں کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے چند دنوں بعد اسی چیز میں قیمت کے اضافے کی ”خوشخبری“ لے کر کوئی حکومتی عہدیدار مختلف دلائل کے ساتھ اعلان کر رہا ہوتا ہے۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ بیورو کریسی اپنے تجربہ کار ہاتھوں میں فوجیوں کو نچا رہی ہے۔ فوج جس مقصد کیلئے حکومت میں آئی تھی ان میں سے ایک بھی پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ کرپشن کرنے والا کوئی ایک شخص بھی ابھی تک نہیں لٹکایا گیا۔ باہر کے بچوں سے اربوں ڈالر پاکستانی سرمایہ واپس لانے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی۔ قومی اداروں کا وقار ابھی تک بحال نہیں ہو سکا۔ لوگ اسی طرح لا قانونیت اور عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ عالمی سطح پر پاکستان کے وقار میں اضافے کی بجائے نقصان ہو رہا ہے۔ کاروباری ادارے بری طرح تعطل کا شکار ہیں اور صنعتی ادارے حسب سابق مفلوج۔ داخلی حالات دن بہ دن خراب ہو رہے ہیں اور سرحدوں پر کشیدگی اس کے علاوہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوگ بجا طور پر ان حالات کا ذمہ دار موجودہ عسکری قیادت کو سمجھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مہنگائی کا یہ جن فوج جیسے باوقار قومی ادارے کا تقدس بھی نکل جائے اور لوگ مہنگائی سے تنگ آکر فوج کے خلاف سڑکوں پر نکل آئیں۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے لیکن اگر خدا نخواستہ یہ نوبت آگئی تو ہمارے دشمنوں کیلئے اس سے خوش کن عمل اور کوئی نہیں ہو گا۔

(جولائی، ۲۰۰۰ء)

مجاہدین کشمیر ایک بار پھر تاریخ کے دوراے پر

مسئلہ کشمیر نہ صرف پاکستانی قوم کا سب سے بڑا مسئلہ ہے بلکہ اب تو اسے دنیا کے خطرناک اور سنگین ترین مسائل میں سرفہرست رکھنا بھی مجاہد ہے۔ اس کی اساس میں وہی عوامی جذبے، امنگیں اور عزائم ہیں جو 54 سال پہلے برصغیر کی تقسیم کا سبب بنے تھے۔ یہ اس نامکمل کتاب حریت کا ایک ادھوراباب ہے جسے مسلمانان برصغیر نے اپنے خون سے پاکستان کے عنوان سے تحریر کیا۔ یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس نے نصف صدی سے جنوب مشرقی ایشیاء کے سیاسی اور معاشی حالات میں عدم استحکام کی فضاء برقرار رکھی ہوئی ہے۔ اسی مسئلے کی سنگینی نے بھارت کے بعد پاکستان کو ایٹمی قوت بننے پر مجبور کیا اور اب دونوں ممالک کروڑوں غریب اور بے گھر انسانوں کی زندہ لاشوں کے ڈھیر پر ایٹمی ہتھیار سجائے اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں۔ کشمیر وطن عزیز پاکستان کیلئے تو اس لئے بھی زندگی موت کا مسئلہ ہے کہ ہماری معاشی رگیں اس کے کہساروں سے پھوٹی ہیں۔ گذشتہ 11، 12 سالوں کی جنگ میں اس مظلوم قوم نے جس صبر، ضبط، جرأت و استقامت اور بہادری کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔ چند سو نہتے حریت پسندوں کے مقابلے دنیا کی ایک بڑی فوجی طاقت سرٹخ رہی ہے۔ اس کے ساتھ لاکھ فوجی ظلم کی ہر ممکن صورت آزما لینے کے بعد اہل کشمیر کے جذبہ آزادی کو روز بروز ابھر تادیکھ کر اپنا گوشت نوچ رہے ہیں۔ بلاشبہ دنیا کی نظریں ایشیا کی اسی دکھتی رگ پر لگی ہوئی ہیں۔ ایسے میں گذشتہ ماہ 24 جولائی آزادی کشمیر کیلئے کوشاں صف اول کی عسکری تنظیم حزب المجاہدین نے یکطرفہ جنگ بندی کا اعلان کر کے ایک مرتبہ پھر دنیا کو چونکا دیا ہے۔

ایک اہم عسکری تنظیم کی طرف سے جنگ بندی کا یہ اعلان اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ اس کی سرپرست تنظیم ”جماعت اسلامی“ کے قائدین تو کئی دنوں تک سکتے تھے۔

عالم میں رہے۔ اس پریشانی اور گو گو کی کیفیت میں امرجماعت نے مجبوراً ”حزب“ کے قائدین کو باغی قرار دے دیا۔ اب کچھ دنوں سے ان بیانات میں نرمی آرہی ہے۔ یکطرفہ جنگ بندی کا یہ اعلان اگرچہ دشمن کی طرف سے انتقامی کارروائیاں بند کر دینے سے مشروط تھا لیکن اس کے باوجود بقیہ جہادی تحریکوں اور اہل کشمیر کی نمائندہ حریت کانفرنس نے حزب المجاہدین کے اس فیصلے کو ”جلدبازی“ سے تعبیر کیا ہے۔ امیرجماعت کی طرف سے متعدد صفائیوں اور شدید مذمت کے باوجود بعض لوگ اب بھی اس کارروائی کو ان کے دورہ امریکہ کا ایک منطقی نتیجہ قرار دے رہے ہیں اور بعض مبصرین اسے مجاہدین کی کامیاب حکمت عملی اور کئی تو سقوط ڈھاکہ کے بعد اس واقعہ کو سب سے بڑا المیہ سمجھ رہے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اس اعلان پر پوری پاکستانی قوم ”کنفیوزڈ“ ہے۔ اعلان تو بہر حال ہو گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے متوقع نتائج پورے ہونے میں صورتحال کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ ایک اندازہ یہ لگایا جا رہا ہے کہ موجودہ عسکری حکومت نے بھارتی قیادت کی ہٹ دھرمی اور اسے مذاکرات کی میز تک لانے کیلئے یہ اعلان کروایا ہے۔ اگر فی الواقع حقیقت یہی ہے تو پھر محدود جنگ بندی کا یہ اعلان خسارے کا سودا نہیں بشرطیکہ ہندو کی دیرینہ مکاری اور چالاکی کو پیش نظر رکھتے ہوئے سہ فریقی مذاکرات کا راستہ ہموار ہو جائے۔

اب تک بھارتی حکومت پوری دنیا کے سامنے یہی شور مچاتی نظر آرہی تھی کہ ”پاکستان دہشت گردوں کے ذریعے بد امنی پھیلا رہا ہے اس لئے ہم اس کے ساتھ مذاکرات نہیں کر سکتے“ حزب المجاہدین نے اسے کم از کم اس بہانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ سمیت کئی یورپی ممالک نے بھارتی حکومت پر اب مذاکرات کیلئے زور دینا شروع کر دیا ہے۔ شواہد بتا رہے ہیں کہ امریکہ براہ راست اس ساری صورتحال کی نگرانی کر رہا ہے۔ گذشتہ کئی ماہ سے کشمیر کے مسئلے کے ”ممکنہ حل“ کی کئی تجاویز بھی گردش کر رہی ہیں اور ریاست کی تقسیم کے نقشے بھی تیار کر لیے گئے ہیں کیونکہ امریکی صدر کلنٹن اپنی آخری صدارتی مدت میں فلسطین کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مسئلے کو بھی کسی نتیجے تک پہنچانا چاہتے

ہیں۔ گزشتہ روز چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے بھی اپنا موقف دہراتے ہوئے ایک بار پھر بھارت کو دعوت دی ہے کہ دونوں ملک مسئلہ کشمیر کے حل کے بعد No War Pact پر دستخط کر دیں تاکہ ممکنہ مالی وسائل جنگی تیاریوں کی بجائے عوام کی خوشحالی کیلئے استعمال ہو سکیں۔ ہم حکومت کی نیک نیتی پر شک کے بغیر اسے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اب تاریخ آزادی کشمیر ایک اور نازک دور ہے پر آن کھڑی ہوئی ہے۔

کشمیری قوم نے گزشتہ دس گیارہ سالوں میں 70 سے 80 ہزار فرزندوں کی قربانیاں دی ہیں۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ جنگ لڑی ہے اور اب بھی لڑ رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے خون سے معاہدہ تاشقند، معاہدہ شملہ، معاہدہ لاہور اور معاہدہ واشنگٹن کی طرح پھر غداری ہو یا کشمیریوں کی نمائندہ حریت کانفرنس کی شمولیت کے بغیر عالمی طاقتوں کے دباؤ میں آکر حکومت پاکستان کوئی اور معاہدہ کر بیٹھے جس کی سزا پھر کشمیری قوم کو بھگتنا پڑے۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہو تو پاکستان اہل کشمیر کی ہمدردیاں کلیتاً کھودے گا اور اس کے جو نتائج نکلیں گے وہ شاید ابھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں۔ ہم مسئلہ کشمیر کا آبرو مندانہ حل چاہتے ہیں۔ یہ ایک جنگجو مسلمان قوم کے مستقبل کا مسئلہ ہے جس کے ہم وکیل اور معاون ہیں۔ ہم نے عالمی عدالت میں اس سے قبل ایک کمزور، نالائق اور کسی حد تک لالچی وکیل کا کردار ادا کیا ہے۔ اب ان غلطیوں کو نہیں دہرایا جانا چاہیے۔ سپر پاور امریکہ اپنے مفادات کے بغیر تو کسی یورپی ملک سے ہمدردی نہیں کرتا، پاکستان تو پھر بھی اس کے حریف عالم اسلام کا نمائندہ ہے۔ لہذا حد درجہ احتیاط اور جرأت مندانہ موقف کی ضرورت ہے۔

(اگست ۱۹۹۹ء)

انتہاپسند تنظیموں کی ”جہادی سرگرمیاں“

امتِ مسلمہ میں علمی مسائل اور بعض فروعی مذہبی معاملات میں اختلاف رائے کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ ویسے بھی ایک دوسرے سے مختلف نکتہ نظر رکھنا انسانی فطرت اور مزاج کا حصہ ہے۔ اختلاف رائے کا یہ حق انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ نے دے رکھا ہے۔ اسی لیے آئمہ اسلاف نے چار فقہی مکاتب فکر کو باہمی اختلاف کے باوجود برحق تسلیم کیا۔ ہاں یہ ”اختلاف“ جب حد سے گزر کر ”مخالفت“ کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر انسانی انا کے ساتھ ابلیسیت کا رقص بھی دکھائی دیتا ہے۔

ماہِ ربیع اول شریف میں اہل ایمان میلاد النبی ﷺ کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کے حضور تحدیثِ نعمت کے طور پر جلسے جلوس اور محافلِ نعت کا انعقاد کرتے ہیں۔ یہ اسلامیانِ عالم کا محبوب عمل اور عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس کی شرعی حیثیت پر کسی کو اعتراض ہو بھی تو وہ علمی اختلاف کی حد تک ہو سکتا ہے اور علمی اختلافات کوئی نئی بات نہیں لیکن ایک عرصہ سے بعض معاصر مذہبی طبقات اور ان کی ذیلی عسکری تنظیمیں اعتدال و توازن کا راستہ چھوڑ کر انتہاپسندانہ کاروائیوں میں ملوث ہو گئی ہیں۔ توحید اور ردِ شرک کی آڑ میں متشددانہ کاروائیوں کے ذریعے خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ جو کسی بھی شکل میں ایک مہذب قوم کا شعار نہیں کہلا سکتی۔

یہ تنظیمیں اولاً افغانستان کے جہاد میں مصروف رہیں اور اب کشمیر کی جہادی سرگرمیوں میں شمولیت کیلئے آزاد کشمیر کے مختلف مقامات پر مقیم ہیں۔ آزاد کشمیر کے مختلف علاقوں بشمول مظفر آباد، نیلم ویلی، جہلم ویلی اور فارورڈ کوٹہ جیسے حساس علاقوں میں مقامی لوگوں کے ساتھ ایک سے زائد مرتبہ مار دھاڑ میں اسلحہ کی نمائش بھی ہو چکی ہے۔ ابھی حال

ہی میں فارورڈ کھوٹہ ضلع باغ بساں شریف میں میلاد النبی ﷺ کے پر امن جلوس پر سیکڑوں مسلح ”مجاہدین“ نے دن دھاڑے حملہ کیا اور بہت سے نہتے شرکائے جلوس کو جشن میلاد کے ”جرم“ میں شدید زخمی کیا۔ آزاد کشمیر حکومت بالخصوص اور حکومت پاکستان بالعموم ایسے سنگین حالات پر گہری نظر رکھے اور ایسے واقعات کے مواقع معدوم کرے ورنہ خدا انخواستہ ان مسلح تشدد پسند ”مجاہدین“ کا مقامی لوگوں کے ساتھ باقاعدہ ”جہاد“ شروع ہو گیا تو جگ ہنسائی کے علاوہ افغانستان کی طرح جہاد کے ثمرات یہاں بھی خطرناک خانہ جنگی اور خون خرابے میں ضائع ہو جائیں گے۔ یہ ایسی آگ ہو گی جس کے شعلے حکومت کے ایوانوں کو بھی خاکستر کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس فتنے سے بچائے اور ہمیں صبر و تحمل کے ساتھ تحریک جہاد کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کیلئے متحد ہو کر سرگرم عمل رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

(اگست، ۲۰۰۰ء)

نیرنگی سیاستِ دوراں تو دیکھئے

وطن عزیز آج کل ایک طرف معاشی بحران کا شکار ہے، تو دوسری سمت ملکی سرحدوں پر بھارتی توپوں کی گھن گرج سنائی دے رہی ہے۔ تحریکِ آزادیِ کشمیر کی وجہ سے دس سال سے جاری سرحدی کشیدگی اب خطرناک موڑ پر آن کھڑی ہوئی ہے۔ بھارتی حکمران 'انتہاء پسند ہندو لیڈر اور فوجی قیادت کی طرف سے آئے روز جنگ کی دھمکیاں آرہی ہیں۔ مقبوضہ کشمیر کے اندر جاری تحریک جوں جوں اپنے منطقی انجام کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے دشمن کا ردِ عمل توں توں جذباتی اور بزدلانہ انتقامی کاروائیوں کا مظہر دکھائی دے رہا ہے۔ ایسے میں کوئی بعید نہیں کہ عالمی طاقتوں کی شہ پر بھارت یکطرفہ کاروائی کرتے ہوئے حملے کا ارتکاب بھی کر دے۔

ایک حساس ملک کے سیاسی عمائدین کیلئے یہ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ وہ قومی سلامتی کو یقینی بنانے کیلئے ٹھوس حکمتِ عملی کے تحت موجودہ عسکری قیادت کو اپنے تعاون کا یقین دلاتے اور اس کی مثبت قومی اصلاحات کو ملکی مفاد کیلئے قبول کرتے لیکن ہوس اقتدار ایک مرتبہ پھر ان کی غیرت و حمیت اور جذبہ حب الوطنی پر غالب آگئی۔ ایک سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو رہے ہیں۔ یہ اجتماعِ ضدین قابلِ تعریف تھا بشرطیکہ اتفاق کے پس منظر میں قومی تعمیر کا جذبہ مضمر ہوتا لیکن حالیہ اتحاد میں PPP اور مسلم لیگ کے وہ دھڑے جمع ہو رہے ہیں جنہیں اقتدار کی فرقت برداشت نہیں ہو رہی۔

آج سے چند سال قبل چیئرمین پاکستان عوامی تحریک پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ایک تجزیہ پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”یہ دونوں مخالف دھڑے ضرورت پڑنے پر اقتدار کیلئے ایک بھی ہو سکتے ہیں“۔ چنانچہ آپ کی وہ بات آج بالکل سچ ثابت ہوئی اور

وقت نے نیرنگی سیاست کا یہ عجیب منظر بھی دکھایا کہ ایک دوسرے کے سائے سے بھاگنے والے اب ایک گھاٹ پر کھاپی رہے ہیں اور باہمی اختلافات بھلا کر ایک مرتبہ پھر لوٹ مار کیلئے اقتدار میں آنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لیلائے اقتدار کے مجنوں دونوں دھڑے احتساب سے گریزاں ہیں۔ حقیقی جمہوریت کے دشمن ہیں۔ عوام کے جذبات کو پس پشت ڈال کر اقتدار کیلئے اکٹھے ہونے والے عوام کے حقوق کی پاسداری کے دعوے کس زبان سے کرتے ہیں؟ ان دونوں دھڑوں کی سیاست اور جمہوریت ان کے ذاتی اقتدار سے مشروط ہے ورنہ بے نظیر اور نواز شریف کے اندر جمہوری قدروں کا ذرا سا بھی پاس ہوتا اور اپنے کئے پر نادم ہوتے تو اپنی جگہ پارٹی قیادت کیلئے کسی اہل فرد کو نامزد کر دیا ہوتا۔ جو قیادت ملک پوری اور پابند سلاسل ہوتے ہوئے بھی خود کو خدائی کے منصب سے نیچے لانے کو تیار نہیں اس کی رعونت اور انا پرستی کا اقتدار میں کیا ٹھکانہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ ماہ لاہور کے ایک ہوٹل میں ہونے والی APC سے قائد تحریک نے جرات مندانہ قدم اٹھاتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا اور موقع پر ہی ان دونوں مقتدر دھڑوں کے نمائندوں کی جمہوریت دشمنی کا پردہ چاک کیا۔ قوم کے سامنے ان دونوں سیاسی دھڑوں کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ اب بھی اگر وہ انہی مردہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے تو اپنی منزل کا تعین خود کر لیں۔

(ستمبر ۲۰۰۰ء)

کالاباغ ڈیم پر قومی اتفاق رائے کی ضرورت

پاکستان شاید دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں آئے روز قومی اور ملی مفادات ذاتی انا کی بھینٹ چڑھتے ہیں اور بے بس نظامِ قانون و احتساب منہ میں انگلیاں دیئے چپ چاپ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ اسی انا نیت پرستی نے نصف صدی گزرنے کے بعد بھی پاکستان کو ایک متحدہ قومی جذبے سے محروم رکھا اور ملک کو صوبائی اور لسانی عصبیتوں میں جکڑے رکھا۔ اقتدار کو اپنی لونڈی اور ملکی وسائل کو ذاتی جاگیر سمجھنے والے یہ قوم پرست لیڈر اس ملک کی سب سے بڑی بد قسمتی اور نحوست ہیں۔ الگ الگ صوبوں میں رہنے اور الگ الگ زبانیں بولنے کے باوجود اجتماعی ملکی مفادات کے خلاف صف آرائی میں ہمیشہ متحد دکھائی دیتے ہیں۔ قیام پاکستان سے اب تک ان میں سے ہر ایک کو ملک دشمن استعماری طاقتوں کا ایجنٹ ہونے کا ”اعزاز“ بھی حاصل ہے۔ کسی کو بلا واسطہ اور کسی کو بلا واسطہ۔

یہ چند لوگ جس عوام کی نمائندگی اور قیادت کرتے ہیں اسے تو جہالت، غربت اور بے بسی کے اندھیروں میں رکھا ہوا ہے لیکن اپنے بچوں کو بیرونی آقاؤں کی تعلیم گاہوں میں پڑھاتے ہیں اور اگر کہیں ان میں ”وطن کی خدمت کا جذبہ“ جاگ بھی جائے تو ملکی وسائل کے بل بوتے پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی سیٹوں پر آکر قابض ہو جاتے ہیں۔

اس دوران خوب دل لگا کر تجوریاں بھرتے ہیں اور موقع ملتے ہی انہی ممالک میں واپس جا کر سیاسی پناہ حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جو اس ملک کی سیاست اور معیشت پر بری طرح قابض ہے جبکہ ۹۸ فیصد عوام بنیادی ضروریات کیلئے بھی ترس رہے ہیں۔ ظلم کی حد تو یہ ہے کہ ان نوابوں، سرداروں اور جاگیرداروں نے عوام کیلئے قدرتی وسائل کی تقسیم کے عمل کو بھی لاپرواہی کے خلاف جنگ قرار دے دیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی اور واضح مثال کالا باغ ڈیم کا منصوبہ ہے۔

ترہیلا اور منگلا ڈیم کی طرح کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا منصوبہ بھی شدید قومی ضرورت کے پیش نظر ۱۹۵۲ء میں سامنے آیا۔ مختلف ادوار میں ہر حکومت نے اس منصوبے کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس پر سرمایہ خرچ ہوتا رہا لیکن وہی قومی تعمیر کا دشمن طبقہ، قوم پرست لیڈر ۵۰ سال سے اس کی تعمیر میں حائل ہے۔ پنجاب کے علاوہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کی علاقائی قیادت نے تو اپنے لئے اس ڈیم کی تعمیر کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیا ہے حالانکہ پوری دنیا کے ماہرین اور خود اس ملک کے عوام و خواص ایک عرصہ سے اس قومی منصوبے کی تعمیر کے حق میں ہیں۔ بشرطیکہ متاثرہ علاقے کے حقیقی تحفظات کو دور کر دیا جائے۔

بفرض محال اگر کالا باغ ڈیم پر قومی اتفاق رائے نہیں ہوتا اور اس ڈیم کی وجہ سے ملک دشمن عناصر کی طرف سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو دہائی کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے متبادل حل تلاش کیا جائے اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طرح چھوٹے چھوٹے ڈیم بنانے کے منصوبوں کو حتمی شکل دی جائے۔ اس متنازع ڈیم پر قومی وسائل اور وقتے ضیاع کی بجائے متبادل جگہوں پر فوراً تعمیری کام کا آغاز کر دینا چاہیے تاکہ ایک طرف ان بدطنیت قوم پرستوں کی سیاست دم توڑ جائے اور دوسری طرف بروقت آنے سے پہلے برقی توانائی کی پیداوار اور آئی ذخائر کی حفاظت کا قومی فریضہ بھی مکمل ہو سکے۔

(ستمبر، ۲۰۰۰ء)

فوجی حکومت کا ایک سال

چند دن بعد موجودہ فوجی حکومت کے اقتدار کو ایک سال ہونے والا ہے۔ گذشتہ سال ۱۲ اکتوبر کی جس ہنگامہ خیز شام کو نواز شریف کے اپنے ہی احمقانہ شاہی حکم کے ردِ عمل میں اس کے نام نہاد جمہوری دور کا خاتمہ ہوا اور ہوا میں معلق جنرل پرویز مشرف گھیلے (راولپنڈی اور کراچی کے کور کمانڈروں کی بروقت منظم کارروائی کے سبب) راستہ ہموار ہوا پاکستان کی اکثریت نے اس دن سکھ کا سانس لیا تھا۔ قومی اداروں کی تباہی، جمہوریت کے لبادے میں فرعونی مطلق العنانیت، لوٹ مار اور کرپشن، آئے روز خودکشیاں، آئین اور قانون پر حملوں کا غیر انسانی اور غیر اخلاقی رجحان اور سب سے بڑھ کر اسلام اور پاکستان کے ازلی دشمنوں کے ہاتھوں قومی عزت و وقار کی نیلامی، کشمیری شہداء کے خون سے سوداگری اور فوج جیسے اہم ترین قومی ادارے میں انتشار و افتراق کے ذریعے طوالتِ اقتدار کی ہوس جیسے سنگین جرائم کا داغ لیکر جانے والی نواز حکومت اور ۱۲ اکتوبر کی رات کی تاریکی میں ڈوبنے والے شریف فیملی کے اقتدار کے خاتمے پر کوئی آنکھ پر نم ہوئی اور نہ کوئی سڑکوں پر احتجاج کے لئے آیا۔ ۱۳ اکتوبر کی صبح ہر سمت خاکی وردی میں ملبوس محب وطن فوجیوں کو دیکھ کر جیسے بے سہارا اور بے بس عوام الناس کی جان میں جان آگئی تھی۔ لوگوں نے مٹھائی بانٹی، شکرانے کے نوافل پڑھے اور ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیں، کیوں؟ اس لئے نہیں کہ انہیں فوجی حکومت اچھی لگتی تھی، بلکہ ان ساری مسرتوں اور خوشیوں کا سبب یہ تھا کہ انہیں تاریخ کے تاریک ترین دور سے نجات ملی تھی، انہیں محب وطن فوجیوں سے اچھے دنوں کی امید تھی، وہ قومی مجرموں اور کبریائوں کو تختہ دار پر جھولتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، وہ شاید پاکستان کو خوددار، آزاد اور خوشحال ملک کے طور پر دیکھنے کے دیرینہ خواب کی تعبیر دیکھنے کے خواہاں تھے۔

جنرل مشرف نے جب سات نکاتی ایجنڈے کا اعلان کیا تو یوں لگا جیسے نصف صدی سے منزل کی تلاش میں سرگرداں قوم کو منزل کا نشان مل گیا ہو۔ قوم کی رگوں میں اتری ہوئی کرپشن، رشوت اور چوربازاری کا سرجری کے ذریعے شفاف علاج کا انتظام ہو گیا ہو۔ حکومت کی طرف سے ملکی دولت لوٹنے والے بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کو مال جمع کروانے کی ڈیڈ لائن دی گئی تو امید بندھی کہ واقعی فوجی حکمران مظلوم قوم کے ساتھ نصف صدی سے ظلم روارکھنے والوں کیلئے موت کا پیغام بن کر آئے ہیں۔ وہ دن اس قوم کیلئے حقیقی جشن اور عید کا دن ہو گا جب اس کا خون چوسنے والوں کو الٹا لٹکا کر ایک ایک روپے کا حساب لیا جائے گا۔ ان کی جائیدادیں اور محلات نیلام ہوں گے، بچوں میں رکھی ہوئی بے حساب دولت واپس قومی خزانے میں آئے گی تو ہم خود کفالت کی منزل کے قریب پہنچ جائیں گے۔ یوں غیر ملکی قرضوں کی بدترین لعنت سے چھٹکارا ملے گا اور یوں قومی غیرت اور عزت بھی بحال ہوگی۔ غرضیکہ یہ سازے خوش کن خواب، ساری تمنائیں، اچھے دنوں کی امیدیں..... وقت کے ساتھ ساتھ..... ٹوٹنا شروع ہوئیں۔ جنرل مشرف کے پاس قوم کا نجات دہندہ اور مسیحا بننے کا شاندار موقع بھی ضائع ہو گیا۔ نہ کوئی مجرم کیفر کردار تک پہنچا اور نہ کسی بڑے لٹیرے پر مضبوط ہاتھ ہی پڑ سکا۔ نہ ملک کی لوٹی ہوئی دولت واپس آسکی اور نہ غیر ملکی قرضوں کے بوجھ سے قوم کو نجات ملنے کی کوئی معمولی سی امید ہی قائم ہوئی، بلکہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف نے غیر جمہوری حکومت کو پہلے سے زیادہ بلیک میل کیا اور اپنی پسند شرائط منوا کر بجلی، گیس، پٹرول اور دیگر اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافہ کروالیا۔ یوں مایوسیوں نے ایک بار پھر ڈیرے ڈال لئے اور..... اب تو روز افزوں مہنگائی نے اچھے بھلے لوگوں کے ہوش اڑادیئے ہیں۔ ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قیمت میں ریکارڈ کی، آئے روز اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ اور ملکی معیشت میں روز افزوں زوال، کوئی اور ہی بھیانک منظر دکھا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ قوم بھوک، ننگ، افلاس اور غربت کی ہر مشکل برداشت کر

سکتی ہے اور برداشت کر رہی ہے کیونکہ اب اس نے ان حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے، لیکن اس سے دو چیزیں شاید برداشت نہ ہوں ایک فوجی حکومت کی احتساب کے سلسلے میں سست رفتاری بلکہ فرار اور دوسرا اسلام سے بیزاری اور سیکولر رجحان کا فروغ۔ بے لاگ احتساب ہر فرد کے دل کی آواز تھی جس پر سوائے چند عدالتی کارروائیوں کے کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو سکی۔ قومی مجرم اور لٹیرے اسی طرح دندناتے پھر رہے ہیں ملک کے اندر بھی اور بیرون ملک بھی۔ لوٹی گئی دولت بنکوں میں موجود ہے لیکن واپسی کی چارہ جوئی ناکام ہو چکی ہے۔ اب بلدیاتی انتخابات میں ضلعی حکومتوں کا نظام متعارف کروایا جا رہا ہے۔ نچلی سطح تک اختیارات کی منتقلی اپنی جگہ ایک اچھا اور جمہوری قدم ہے لیکن غیر جماعتی انتخابات کے باعث برادری ازم کے فروغ کے ساتھ ساتھ وہی سابقہ بھیڑ چال کا دور دورہ ہو گا۔ احتساب کا عمل مکمل کئے بغیر ضلعی حکومتوں کا انجام پہلے سے بھی بدتر ہو گا۔ اس لئے کہ ضلعی ناظم کوئی سابقہ MNAs یا ایم پی اے ہو گا یا ان کا قریبی عزیز۔ وہی آئندہ سیاسی سینٹ اپ میں بنیادی کردار ادا کریں گے۔ جہاں تک اسلام سے روگردانی کے رجحان کا تعلق ہے اس کے شواہد اس ایک سال میں بڑے نمایاں ہو کر سامنے آ رہے ہیں۔ ہمارا قومی میڈیا جس ثقافت کا پرچار کر رہا ہے وہ مغربی یا بھارتی ثقافت تو ہو سکتی ہے اسلامی ثقافت قطعاً نہیں۔ بے حیائی اور عریانی کو جتنا اس ایک سال میں فروغ ملا ہے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ قومی تشخص، قومی جذبے سے تعمیر ہوتا ہے اور قومی جذبوں کو فروغ دینے کیلئے کسی زبان، نسل یا علاقے کی شناخت کی بجائے مشترکہ اقدار کو ابھارا جاتا ہے۔ ہمارا ملک ایک نظریاتی اسلامی خطہ زمین پر مشتمل ہے اس کی بنیادوں میں خالصتاً اسلامی اقدار کے فروغ کیلئے دی جانے والی قربانیوں کا خون ہے۔ یہ قوم صرف اور صرف مذہب اور دینی پلیٹ فارم پر متحد و منظم ہو سکتی ہے ورنہ بلوچی، سندھی، مہاجر، سرائیکی، پختون اور پنجابی نعروں کی گونج تو آئے روز سنائی دے رہی ہے۔ چند دن قبل لندن میں قوم پرستوں کے اجتماع میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے کون ہیں؟ آئے روز ملک کے بڑے صوبے پنجاب کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات میں اضافہ کیوں ہو رہا

ہے؟ کالا باغ ڈیم جیسے اہم قومی منصوبے سے دست کش کیوں ہونا پڑا؟ MQM کا وفد دار
 سی کیلئے آجکل بھارت کس لئے گیا ہوا ہے اور لندن میں بیٹھ کر پاکستان کے قیام کو الطاف
 حسین نے تاریخ کی سنگین غلطی کیوں قرار دیا ہے؟ یہ سب رنگ، نسل، زبان اور روایات کے
 بتوں کو پوجنے والوں کا منطقی ردِ عمل ہے۔ اس ردِ عمل میں مزید اضافہ بھی ہوگا اور اس
 اضافے کو بغاوت میں بدلنے کیلئے ہمارے ازلی دشمنوں کی تجوریاں بھی حرکت میں ہیں لیکن
 اگر اب بھی قوم کو ایک مرکز پر لانا ممکن ہے تو وہ مرکز کوئی شہر، صوبہ یا زبان نہیں بلکہ صرف
 اور صرف ”اسلام“ ہے جس کے نام پر یہ خطہ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ معاشی بد حالی، کرپشن
 اور بے عملی قوم کی اتنی بد نصیبی نہیں جتنی بنیادی نظریے سے انحراف ہے۔ اس لئے کہ اساسی
 نظریے پر قائم رہتے ہوئے ہی قوم کا وجود قائم رہ سکتا ہے جب قومی وجود کو ہی خطرات لاحق
 ہوں تو اعضاء کی بقاء اور خوشحالی کی ضمانت کون دے سکتا ہے۔

پاکستان عوامی تحریک اسی قومی وجود کو قائم رکھتے ہوئے معاشی اور معاشرتی
 خوشحالی کیلئے میدانِ عمل میں اتری ہے۔ اس نے اسی وسیع تر قومی مفاد کیلئے ایک سال قبل
 فوجی انقلاب کو خوش آمدید کیا تھا اور اگر اب یہ حکومت احتساب اور اسلام کے ساتھ
 غداری کی مرتکب ہوگی تو تحریک کے لاکھوں کارکن اس کے خلاف سیسہ پلائی دیوار
 ثابت ہوں گے۔

(اکتوبر، ۲۰۰۰ء)

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی

فلسطین اور اسرائیل تنازعہ دنیا کے ان چند سنگین ترین معاملات میں سر فہرست ہے جن کے ساتھ امن عالم خاصی حد تک مشروط ہے۔ اس کا ایک بنیادی سبب فریقین کے تاریخی حقائق اور مذہبی جذبات ہیں بلکہ یہودیوں اور مسلمانوں کے علاوہ بیت المقدس عیسائیوں کی عقیدتوں کا بھی مرکز ہے تاہم اس وقت یہاں مسلمان اور یہودی تاریخ کے نئے تصادم اور نازک کشمکش کے دور سے گزر رہے ہیں۔ امن مذاکرات اور معاندوں کے باوجود نئے مسلمانوں کا جو خون بہہ رہا ہے اور اسرائیلی جارحیت پوری دنیا کے جذبات و احساسات سے قطع نظر جس قدر ظلم روار کھے ہوئے ہے اس کے پس پشت عالمی سیاسی اور اقتصادی مفادات بھی ایک مضبوط محرک کے طور پر کار فرما ہیں۔ امریکہ ”نیورلڈ آرڈر“ کے خاکوں میں جس طرح رنگ بھر رہا ہے وہ کسی ذی شعور شخص سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں امریکہ میں ہونے والے حالیہ صدارتی انتخاب بھی اس قضیے کی تازہ صورتحال اور اس کی سنگینی کا ایک بڑا سبب ہیں۔ امریکہ میں مقیم یہودی اقلیت جو وہ بااختیار سیاسی قوت مانی جاتی ہے جس کی ہمداریوں کا واحد محور اسرائیل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ صدر کے حمایت یافتہ مضبوط صدارتی میدوار الگور نے امریکہ کی تاریخ میں پہلی بار متعصب یہودی ”لیبر من“ کو نائب صدر کے طور پر نامزد کیا ہے جس نے کھلے عام اس صدارتی مہم میں یہودی ازم کو پروموٹ کیا اور اسرائیل کی حمایت میں فضاء قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مسلم خلیجی ریاستیں مالی وسائل کی دستیابی کی وجہ سے اس وقت عالم مغرب اور امریکہ کیلئے نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ یہاں کے معدنی وسائل خصوصاً تیل کے ذخائر ان عالمی طاقتوں کیلئے دنیا کی ہر چیز سے بڑھکر توجہ کا مرکز ہیں۔ حالانکہ خود امریکہ اور اکثر یورپی ممالک کے ہاں تیل کا ذخیرہ موجود ہے مگر اسے وہ ”برے وقتوں“ کیلئے بچا کر رکھنا چاہتے

ہیں۔ گذشتہ خلیجی جنگ میں عرب حکومتوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے جس طرح اپنی مداخلت کا جواز نکالا اور بعد ازاں عراق کی اب تک ہونی والی تباہی میں عرب حکومتوں کا سرمایہ خرچ کر دیا ہے اس سے اس کے شاطرانہ حربوں کا دنیا کو بخوبی اندازہ ہو چکا ہے۔ خلیج کے سینے میں اسرائیل کا ناسور بھی دراصل امریکہ کی زیر نگرانی پرورش پاتا رہا ہے اور اب وہی بگڑا ہوا درندہ عالمی امن کیلئے خطرہ بن چکا ہے۔ اس کے پاس دنیا کی بہترین ایٹمی ٹیکنالوجی اور وافر مقدار میں خطرناک ترین کیمیائی ہتھیار موجود ہیں جو 30 سے زائد ہمسایہ مسلم ملکوں کی گھنٹوں میں نہیں منٹوں میں تباہی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس کے برعکس عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب کی عسکری قوت پر ایک نظر ڈالیں تو سوائے چند ملکوں کے کسی کے پاس اپنی باقاعدہ فوج بھی موجود نہیں۔ اپنی حفاظت اور دفاع سے بے خبر ان عیاش عرب حکمرانوں نے ضرورت اور احساس کے باوجود لا محدود مالی وسائل کے ہوتے ہوئے بھی اس طرف توجہ نہیں دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کروڑوں عرب مسلمان باشندے چند لاکھ مسلح یہودیوں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی فوجی جب چاہیں جہاں چاہیں ٹینکوں اور بمبار طیاروں کے ذریعے مسلمانوں پر بم برس رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں لبنان، شام، مصر، اردن، یمن، عراق، متحدہ عرب امارات اور سعودیہ جیسے بمالک زیادہ سے زیادہ یہ کرتے ہیں کہ وزرائے خارجہ یا عرب سربراہی کا نفرنس کا اہتمام کر کے اس میں اسرائیل کی مذمت کر لیتے ہیں اور اس مذمت کی حیثیت بھی اخباری بیانات سے آگے نہیں بڑھتی۔ محض زبانی کلامی دھمکیاں اور غم و غصے کا اظہار کئے بغیر وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ عالم اسلام کی اس مجبوری سے امریکہ اور مغرب اچھی طرح آگاہ ہے۔ اسے بوسنیا، کوسوو، چیچنیا اور کشمیر میں مرتے ہوئے نہتے مسلمان بھی اس لئے اپنی طرف ملتفت نہیں کر سکتے کہ ان کی سرپرستی کوئی موثر سیاسی قوت نہیں کر رہی اور نہ وہاں تیل اور سونے کے معدنی ذخائر ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ کویت پر عراقی حملے کے چند گھنٹے بعد عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو گیا اور دنیا کے بڑے غنڈوں نے عراقی عوام پر آگ کی برسات

کردی جبکہ اسرائیلی اور بھارتی جارحیت فلسطین اور کشمیر میں نصف صدی سے زائد عرصے سے جاری ہے اور UNO کی قراردادیں بھی منظور ہو چکی ہیں لیکن ان عالمی طاقتوں کا ضمیر ابھی تک بیدار نہیں ہو سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر سمت مسلمانوں کو جس مرگ مفاعیات کا سامنا ہے یہ صرف اور صرف جرم ضعیفی کی سزا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ عالم اسلام میں واحد ملک پاکستان ایٹمی قوت ہے اور ہندو بیٹے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ فلسطین میں ہونے والی حالیہ شہادتیں اور پھر امریکہ کی اسرائیل نواز پارلیسیوں سے اس مرتبہ پہلی بار بعض عرب حکمرانوں نے امریکہ کو مخاطب کر کے ”گلہ“ کرنے کی جسارت کی ہے مسلمان ممالک میں شدید غم و غصے اور ردِ عمل کا مظاہرہ ہوا۔ جس سے امریکی مفادات کو بھی خطرہ لاحق ہوا اور خلیج میں موجود اس کی 20 ہزار فوج بھی ہنگامی حالت میں ممکنہ خطرے سے نمٹنے کیلئے الرٹ کر دی گئی ہے۔ عوام اور حکام کی طرف سے یہ فطری ردِ عمل ایک اچھی انگڑائی ہے اس سے امریکہ سمیت یہود، ہنود کو ایک موثر پیغام ملا ہے۔ اللہ کرے ان مسلمانوں حکمرانوں کو بھی عوام کے مصائب کا احساس ہو اور وہ باطل کے خلاف متحد ہونے کا عزم کریں۔ اسلام کی عظمت مسلمانوں کی عزت اور عالم اسلام کا وقار اسی میں مضمر ہے کہ یہ اپنے دشمنوں کو پہچان کر اپنے دفاع کو یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ معیشت بھی مستحکم کریں۔ OIC کے بے جان ڈھانچے کو موثر بنائیں۔ اپنے فیصلے خود کریں، اپنے تنازعات خود حل کریں اور اپنے وسائل اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔

واحد مسلم ایٹمی قوت پاکستان اس وقت اگرچہ بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی داخلی خود مختاری بھی معرضِ خطر میں ہے اور اس کی سلامتی بیرونی جارحیت کا شکار بھی ہے۔ اس کی معیشت بھی تباہ کاریوں کی بھینٹ چڑھ چکی ہے اور سیاست بھی چوروں کے قبضے میں ہے، لیکن ہم پھر بھی پر امید ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر کرم فرمائے گا اور اچھے دن ضرور سنیں گے۔ عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز یہ خطہ پاک عالم اسلام کے مجموعی وقار کا باعث بنے

گا۔ بشرطیکہ ہم لوگ لیروں، ڈاکوں ملک دشمنوں اور ملت فروشوں سے نجات پا کر صالح، باکردار قیادت کے دست و بازو مضبوط کریں۔ اس ملک کی تقدیر بدل گئی تو انشاء اللہ عالم اسلام کو بھی غیرت مند قیادت میسر آئے گی اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دینا ممکن ہوگا۔ اسلام اور عالم کفر کے اس کھلے تصادم میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے تو باطل کا پلہ بھاری ہے کیونکہ کافر تو شمشیر پر ہی بھروسہ کرتا ہے جبکہ اہل ایمان شمشیر سے زیادہ خدائے قدوس کی نصرت پر یقین رکھتے ہیں۔ عالمی حالات اگرچہ ہمارے حق میں نہیں اور پوری ملت اپنے زخموں کو چاٹ رہی ہے لیکن اس شبِ ظلمت کی سحر ضرور طلوع ہوگی کیونکہ یہی منشاء ایزدی ہے اور وعدہ الوہیت ہے۔

(نومبر ۲۰۰۰ء)

سالِ گذشتہ پر ایک نظر

گذشتہ سال جب ۲۰۰۰ء کا آغاز ہوا تو ایک بحث عام تھی کہ یہ سال بیسویں صدی کا آخری سال ہے یا اکیسویں صدی کا پہلا۔ بہر حال اب تو یہ سال بھی قصہ ماضی بن کر تاریخ کے اوراق کا حصہ بن چکا ہے۔ اس ایک سال کے دوران پیش آنے والے واقعات پر ایک نظر ڈالی جائے تو ہمیں قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہمیشہ کی طرح خون آشام مناظر کے ساتھ مسرتوں کے قہقہے بھی سنائی دے رہے ہیں۔ اس سال کا آغاز (D.N.A) جینیاتی تحقیق کے حیرت انگیز انکشافات سے ہوا جس کے تحت انسان نے اپنے من میں ڈوب کر سراغِ زندگی پالینے کا اعلان کر دیا۔

عالمی افق پر ابھرنے والے سیاسی معاملات اس مرتبہ بھی عالمی معیشت کے زیر اثر رہے۔ عالمی طاقتوں نے اپنے مفادات کی بھرپور حفاظت کی جبکہ تیسری دنیا اور بالخصوص مسلم ممالک اس سال بھی امریکہ کی ”نمبرداری“ کو خراج دیتے رہے۔ چیچنیا کے مجاہد برف پوش جنگلوں میں بیٹھ کر سرخ سامراج کی باقیات پر کاری ضربیں لگانے میں مصروف رہے۔ کشمیر کے کوہ و دامن ہزاروں حریت پسند مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنتے رہے اور غاصب بھارتی فوجیوں کے کیمپوں میں گھس کر انہیں واصلِ جہنم کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مشرق وسطیٰ کا امن خطرے میں رکھنے کیلئے اب کے برس بھی امریکہ بہادر نے خوب چابکدستی سے کام لیا۔ منہ زور اسرائیلی حکومت امریکی فیصلوں پر اثر انداز ہونے کے ساتھ ساتھ بے گناہ فلسطینی مسلمانوں کے خون سے کھیلنے میں پہلے سے بہت آگے گزر گئی۔ اسرائیل کے سابق ملٹری چیف اور موجودہ وزیر اعظم ایہود باراک کے مسلم کش رویے کی بجائے اس مرتبہ امنِ عالم کی فاختاؤں کیلئے بوڑھا یا سر عرفات ہی دہشت گردی کی علامت بنا رہا۔ مغربی میڈیا سمیت امریکہ اور یورپی یونین کے پالیسی سازوں کی نظریں اسرائیلی فوج کی اندھا دھند فائرنگ، میزائل اور جنگی جہازوں کے ذریعے آتش و آہن کی بارش کے نتیجے میں اجڑنے والی بستیوں سے بلند ہونے والے آگ کے شعلوں اور ہواؤں میں اڑنے والے انسانی جسم کے ٹکڑوں پر مرکوز نہیں ہو سکیں بلکہ ان کیلئے وہ فلسطینی بچے ہی باعثِ تشویش رہے جو غلیلوں سے مسلح اسرائیلی فوجیوں پر چھپ کر سنگ زنی کرنے کا ”جرمِ عظیم“ کرتے ہیں۔

نومبر ۲۰۰۰ء کے پہلے ہفتے میں دوحہ قطر کے ایک عالی شان ہوٹل میں OIC کا نواں اہم

اجلاس بھی ہوا جو حسب معمول سابقہ عالمی اجتماعات کی طرح نہ صرف بے اثر رہا بلکہ ملت اسلامیہ کی بے بسی پر احتجاج کا حق بھی ادا نہیں کر سکا۔ البتہ اس سال بعض عرب ممالک نے غیر متوقع طور پر سلامتی کونسل میں اسرائیل کیلئے امریکی ویٹو کو اسلام دشمنی پر معمول کیا اور نہ ان حکمرانوں نے تو اسے اپنے ہاں لاؤ لشکر کے ساتھ آ کر براجمان ہونے تک کو بھی بحالی امن کی کاوش ہی سمجھ رکھا تھا۔ دیکھتے ہیں عرب ممالک کا یہ احساس زیاں مستقبل میں کیا پالیسی اپناتا ہے۔

افغانستان میں طالبان اور شمالی اتحادی فوجیں نبرد آزار ہیں جبکہ سخت کوشش افغان اس سال چاروں طرف سے مشکل ترین حالات سے دوچار رہے۔ امریکہ، روس اور بھارت کی طرف سے متوقع حملوں سمیت عالم کفر کی سازشیں افغانی غیرت کو سبق سکھانے کی چارہ جوئی میں مصروف رہیں۔ اس گئے گزرے دور میں بھی یہ نظارہ دیرینہ زمانے کی آنکھوں نے دیکھا کہ ایک فرد واحد اسامہ بن لادن کے مقابلے میں پوری دنیا کی سپر ایٹمی ابلسی طاقتیں ہر حربہ آزار ہی ہیں لیکن قدرت انہیں جدید ترین وسائل کے باوجود رسوا کر رہی ہے۔ تاریخ کا یہ عجیب اتفاق بھی ناقابل فراموش ہے کہ اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑا خدائی کا دعویٰ دار امریکہ ایک طرف نیو ورلڈ آرڈر جاری کر کے پوری دنیا کو اپنے حلقہ غلامی میں لینے کے خواب دیکھ رہا ہے اور دوسری طرف وہ ایک ”عرب بدو“ کے غضب کا شکار ہو کر اپنے ناک سے لکیریں کھینچتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اعزاز بھی اسی سال کو حاصل رہے گا کہ دنیا کی ”صاف ستھری اور سینئر جمہوریت“ گزشتہ ماہ سے امریکہ کے دو حریفوں کے درمیان بری طرح پھنس چکی ہے۔ یہودیوں نے وائٹ ہاؤس کے صدیوں پرانے اصولوں کو بھی اپنی سازشوں کا شکار کر لیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ صہیونی ہتھکنڈے کام دکھاتے ہیں یا باشعور امریکی عوام کی رائے معتبر مانی جاتی ہے۔

یہ سال پاکستان سمیت خطے کے تمام ممالک اور عالمی سطح پر آبی ذخائر میں کمی کی وجہ سے بھی ناقابل فراموش ہے۔ پاکستان، بھارت اور افغانستان کے بیشتر علاقے قحط کی زد میں آئے۔ ہزاروں بستیاں اس خدائی عذاب سے اجڑیں اور لاکھوں لوگ ابھی تک پانی کی تلاش میں در بدر پھر رہے ہیں۔ آگے چل کر نہ جانے یہ قحط کیا صورت اختیار کرتا ہے۔ وطن عزیز پاکستان کی سلامتی، اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی زد میں رہی۔ کشمیر کی سرحدوں پر بھارتی توپ خانے کا تبادلہ روز کا معمول رہا۔ قوم برباد معیشت اور بے خانماں سیاست کے برعکس دفاعی شعبے میں تاریخ ساز کامیابیوں سے ہمکنار ہوئی۔ ملکی معیشت حسب معمول خوفناک انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ مہنگائی کے سیلاب نے غریب طبقے کے

بعد اب متوسط طبقے کو بھی بے رحمی سے پامال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے سرکاری عمائدین نے چند دن قبل IMF سے 596 ملین ڈالر ایشیائی ترقیاتی بنک سے 500 ملین ڈالر اور عالمی بنک سے 350 ملین ڈالر کے قرضوں کے حصول کی خوشخبری سنا کر اپنی تاریخی کامیابیوں کا لوہا منوایا۔ اللہ کرے یہ قوم غیر ملکی قرضوں کی اس لعنت سے آزاد ہو۔

اس سال ملکی سیاست میں سب سے حیرت انگیز مظاہرہ دیکھنے کو ملا جس نے اقتدار کیلئے بے اصولی کے سابقہ ریکارڈز توڑ دیئے۔ گذشتہ پندرہ بیس سال سے ایک دوسرے کے مد مقابل ایک دوسرے کو ملک دشمن، چور، لٹیرے کہنے والے دو دن قبل ایک پلیٹ فارم پر ”ملٹری رجیم“ کے خلاف متحد ہو گئے۔ حکومت مخالف اتحاد سازی کے ماہر ایک بوڑھے سیاستدان کی زیر نگرانی پس دیوار زنداں ”شیر“ اور ملکی چراگاہوں سے دور جلا وطن ”بکری“ ماضی کی طرح وطن کی ”خدمت“ کے جذبے سے سرشار ہو کر اقتدار کے ایک گھاٹ سے مفادات کا پانی پینے کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔ وقت بتائے گا کہ مدار یوں کا یہ تماشا کب تک جاری رہتا ہے۔

اسی سال کے چند اہم معاملات میں دو دن قبل ایک اور خبر نے اضافہ کر دیا کہ لندن میں مقیم مرزا طاہر نے نئی قادیانی سٹیٹ بنانے کا اعلان کیا ہے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے اپنی سربراہی میں نو رکنی کمیٹی قائم کی ہے جو تین سال میں قادیانی ریاست کے متعلق منصوبہ بندی کریگی۔ اس مجوزہ ریاست میں سیالکوٹ، شکر گڑھ، قادیان اور جموں و کشمیر کے کچھ علاقے شامل کرنے کا خواب دیکھا گیا ہے یہ منصوبہ بھی یہودی لابی کا شاخسانہ لگتا ہے۔ جس طرح خود یہودیوں نے عالم اسلام کے دل فلسطین میں قبلہ اول پر قبضہ کر کے گریٹر اسرائیل کا نقشہ تیار کیا ہے اور وہ اپنے جملہ وسائل کو بروئے کار لا کر اس خواب کی تکمیل میں مصروف ہیں اسی طرح وہ عالم اسلام کے قلعے پاکستان کی سرزمین پر قادیانیوں کے ناپاک وجود کا ناسور رکھنا چاہتے ہیں۔ قادیانیوں کو خاموش، غیر متحرک یا پرامن سمجھنے والے لوگوں کو اس خطرناک سازش کے اثرات و نتائج پر غور کر لینا چاہئے۔

یہ چند بے ترتیب واقعات ہیں جن کا تسلسل یقیناً آئندہ صدی کے نقشے کو متاثر کرے گا۔ فی الحال صدی کے آغاز و انجام پر کھڑی پاکستانی قوم کو حالیہ بلدیاتی انتخابات کا سامنا ہے جو اس کے مستقبل قریب کیلئے خاص اہم ہوں گے۔ اس مملکت خداداد کی قسمت اور تقدیر کا فیصلہ تو اس کے رہنے والوں نے خود کرنا ہے بشرطیکہ عالمی مفادات کے مہربے پھر ہماری تقدیر پر مسلط نہ کر دیئے گئے۔

(دسمبر 2000ء)

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ

پاکستان کی سیاسی تاریخ یوں تو بہت سی ”انہونیوں“ سے بھری پڑی ہے لیکن ان ساری انہونیوں میں گذشتہ روز کا سین ہمارے ملک کی تاریخ کا سنسنی خیز حیران کن اور کافی حد تک پریشان کن بھی تھا۔ گذشتہ ۲۰ سال پاکستانی سیاست پر چھایا رہنے والا شریف خاندان رات کے سناٹے میں اسلام آباد ایئر پورٹ سے غیر ملکی جہاز کے ذریعے جلا وطنی کے سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔ چند سال پہلے مال و دولت کے گھوڑے پر سوار ہو کر ضیاء الحق کی زیر سرپرستی شریف فیملی جب اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہو رہی تھی تو ہر سوان کی وطن پرستی، اصول پسندی اور شرافت و سیادت کے چرچے ہو رہے تھے۔ اب وہی خاندان جب ملک کو غیر ملکی مالیاتی اداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر منہ چھپاتے ہوئے کعبہ سدھارا ہے تو لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ہیں۔ یہ ہے دنیا اور اس کی عارضی تمکنت و اقتدار کا تماشا، بے وفادار دولت اور شہرت کا انجام۔ راسیونڈ محلات، ماڈل ٹاؤن اور مری کے بنگلے، فیکٹریاں، سو برس کا سامان سب دھرے کا دھرا ہے اور مکس کسی اور سرزمین پر جا بسے ہیں۔

جہاں دن رات بادشاہوں کے ارد گرد منڈلاتے ہزاروں صاحبان کمال نظر آتے تھے وہاں درو دیوار پر اداسیوں کے سائے براجمان ہیں۔ اب بھی بے ثباتی دنیا پر کوئی یقین نہ کرے تو اس کی مرضی۔ اسی لئے فقراء اور صوفیاء نے تاج و تخت کو لات مار کر مالک حقیقی سے اپنی محبتوں کے سودے کیے۔ یوں آج ابذی زندگی اور حقیقی عزت انہی کا حصہ ہے۔

اس خاندان کی جلا وطنی نے جہاں لوگوں کو حیران کیا ہے وہاں بہت سے سوالات تشنہ جواب چھوڑ دیئے ہیں اور حکومت وقت کی پوزیشن کو کافی مشکوک بنا دیا ہے۔ اب احتساب کے نظام سے لیکر ملک کی عدالتی اور قانونی حیثیت بھی محل نظر ہے۔ اطلاعات کے مطابق نواز شریف کے بعد آصف علی زرداری کی باری ہے سوال یہ ہے کہ یہ بڑے مجرم اگر یونہی فرار ہوتے رہے تو اس خفیہ ”ڈیل“ کے پس پردہ محرکات کے آئندہ اثرات کیا ہوں گے؟ امریکہ بہادر اپنے وفادار کو کیسے کیسے نوازتا ہے اور جس سے دشمنی کی بو آئے اسے تلاش کرنے کیلئے کیا کیا جتن کرتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ملک کی سیاست پر غیر ملکی چہرے کب تک باہر بیٹھ کر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کریں گے اور کیا اس مظلوم عوام کو بھی اپنے مسائل سے رہائی حاصل ہوگی؟

(دسمبر ۲۰۰۰ء)

موضوعاتی فہرست

نمبر شمار	مضامین	ماہ اشاعت	صفحہ
1	عالم اسلام اور طاغوتی سازشیں		
1	یہودیت بمقابلہ اسلام	نومبر 91ء	30
2	لخت لخت امت قدم قدم جماعتیں	جنوری 95ء	50
3	بیت المقدس سے چرار شریف تک	جون 95ء	70
4	بنیادی انسانی حقوق اور بیجنگ کانفرنس	ستمبر 95ء	84
5	اقوام متحدہ کی پچاسویں سالگرہ	نومبر 95ء	91
6	خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا	جون 96ء	115
7	لمحوں کی خطا..... صدیوں کی سزا	اکتوبر 96ء	128
8	طالبان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پیغام یا۔۔	نومبر 96ء	132
9	بے بس عالم اسلام کے غیر موثر اجتماعات	اپریل 97ء	150
10	طالبان تحریک کی قابل ستائش پیش قدمی	جون 97ء	155
11	عالم اسلام اور سال 9۷ء کے اثرات	جنوری 98ء	191
12	خلیج میں امریکہ کی مایوسی.....	مارچ 98ء	197
13	عالم اسلام کو نیا ایٹمی پاکستان مبارک	جون 98ء	210
14	امریکی دہشت گردی اور عالم اسلام	ستمبر 98ء	221
15	ملت اسلامیہ کی غیرت ملی پر حملہ.....	جنوری 99ء	249
16	خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا	فروری 99ء	255
17	مہربہ لب عالم اسلام کے نام کو سووکانوہ	جون 99ء	280
18	مشرقی تیمور کی آزادی عالمی ضمیر پر دستک	ستمبر 99ء	292
19	چیچنیا کی دوبارہ تباہی کے ذمہ دار.....	دسمبر 99ء	305
20	شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی	نومبر 2000ء	349
-2..	اسلامی ثقافت و تاریخ		
1	کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟	اپریل 95ء	62

66	مئی 95ء	عیدِ قربان کا پیغام امتِ مسلمہ کے نام	2
87	اکتوبر 95ء	کیا کبھی آپ نے سوچا؟.....	3
93	دسمبر 93ء	علماء و مشائخ کی ذمہ داریاں.....	4
101	فروری 96ء	شبِ برأت سے شبِ بسنت تک	5
184	دسمبر 97ء	روحِ امم کی مہماتِ کشمکشِ اقتدار	6
200	مارچ 98ء	ہمارا قومی تشخص..... بسنتی ثقافت کی زد میں	7
206	مئی 98ء	غوری..... دو قومی نظریے کا سائنسی احیاء	8
272	مئی 99ء	انٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو	9
		پاکستانی سیاست	3
19	جون 91ء	صاحبانِ اقتدار کے ضمیر پر دستک	1
21	جولائی 91ء	کیا جوابِ جرم دو گئے تم خدا کے سامنے	2
32	اگست 91ء	اس دور میں جینا لازم ہے.....	3
40	نومبر 94ء	پاکستانی سیاست کے لیے	4
74	جولائی 95ء	پاکستانی قوم تاریخ کے دور ہے پر	5
135	دسمبر 96ء	سیاسی شعبہ ہمازوں سے نجات کا آخری چانس	6
141	جنوری 97ء	قومی المیوں کی تاریخ میں ایک اور اضافہ	7
144	فروری 97ء	خارا زمین سے گلزاروں کی امید	8
180	نومبر	قومی ادارے ہوس اقتدار کی زد میں	
224	اکتوبر 98ء	اور اب اسلام بھی ہوس اقتدار کی بھینٹ	9
289	ستمبر 99ء	ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے	10
341	ستمبر 2000ء	نیرنگی سیاستِ دوراں تو دیکھئے	11
343	ستمبر 2000ء	کالاباغ ڈیم پر قومی اتفاقِ رائے کی ضرورت	12
345	اکتوبر 2000ء	فوجی حکومت کا ایک سال	13
356	دسمبر 2000ء	سیاسی تاریخ میں عجیب ترین	14
		سیرت و میلاد النبی ﷺ	4
25	ستمبر 91ء	نور و نکہت میں لپٹی ہوئی صبحِ سعادت کے نام	1
78	اگست 95ء	میلاد النبی ﷺ کا پیغامِ دنیائے انسانیت کے نام	2

119	جولائی 96ء	میلاد النبی جشن اور احتساب کا دن	3
158	جولائی 97ء	حضور ﷺ کا جشن ولادت کیوں اور کیسے منائیں؟	4
215	جولائی 98ء	یوم میلاد..... یوم انقلاب	5
		فرقہ پرستی اور قتل و غارتگری کی مذمت	5
28	اکتوبر 91ء	شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات	1
169	اکتوبر 97ء	پاکستان میں مذہبی دہشت گردی.....	2
194	فروری 98ء	پاکستان کے مستقبل پر مذہبی.....	3
227	نومبر 98ء	کراچی کی سڑکوں پر ”پاکستان“ کا چھلنی لاشہ	4
339	اگست 2000ء	انتہا پسند تنظیموں کی ”جہادی سرگرمیاں“	5
		تحریک پاکستان	6
58	مارچ 95ء	یوم قرارداد پاکستان.....	1
125	اگست 96ء	اہل وطن کو پچاسویں سالگرہ مبارک	2
147	مارچ 97ء	پاکستان کا جواز ابھی تک تنازعہ.....	3
161	اگست 97ء	ناکام حسرتوں کی گولڈن جوبلی	4
165	ستمبر 97ء	تحریک پاکستان ابھی جاری ہے	5
236	جنوری 98ء	گولڈن جوبلی سال کی تلخ تاریخی یادیں	6
		مسئلہ کشمیر	7
34	دسمبر 91ء	تحریک آزادی کشمیر کا فیصلہ کن موڑ	1
44	دسمبر 94ء	قرارداد کشمیر	2
112	مئی 96ء	تحریک آزادی ایک اور نازک موڑ	3
126	ستمبر 96ء	کشمیر UNO سے گلشن شہدات تک.....	4
261	مارچ 99ء	واجبائی کی پاکستان یا ترا.....	5
294	ستمبر 99ء	کشمیر کنٹرول لائن اور خطرناک بھارتی سازش	6
299	اکتوبر 99ء	مسئلہ کشمیر پر عالمی ضمیر کی پہلی انگریزی	7
336	اگست 2000ء	مجاہدین کشمیر ایک بار پھر تاریخ.....	8
		ملکی سلامتی اور استعماری عزائم	8
106	مارچ 96ء	سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات	1

218	اگست 98ء	نازک موڑ پر ہوش مندی کے تقاضے	2
231	دسمبر 98ء	شریعت بل اور سی ٹی بی ٹی	3
242	مئی 98ء	مکنہ جارحیت اور قومی سلامتی کے تقاضے	4
276	جون 99ء	ارض وطن کے شب زندہ دار.....	5
281	جولائی 99ء	معرکہ کارگل کے دو متضاد کردار	6
284	اگست 99ء	اے دین و وطن کے غدارو!.....	7
296	اکتوبر 99ء	قومی خود مختاری میں امریکی مداخلت.....	8
318	اپریل 2000ء	خطے میں نئی امریکی حکمت عملی.....	9
		تحریک اور قائد تحریک	9
36	مارچ 92ء	مصطفوی انقلاب کارواں دواں قافلہ	1
54	فروری 95ء	عزیمت کا مسافر، عظمت کا پاسبان	2
122	اگست 96ء	سادیت کی ولادیوں میں قافلہ عشق و جنون	3
176	مئی 97ء	ماہنامہ منہاج القرآن کے دس سال	4
266	اپریل 99ء	قومی سیاست میں ہمارا نصب العین	5
315	فروری 2000ء	اک ولولہ تازہ دیا جس نے دلوں کو	6
		متفرق	10
99	جنوری 96ء	لمحات کی مقروض انسانی زندگی	1
202	اپریل 98ء	ہم نئے عزم سے بنیاد سحر رکھتے ہیں	2
259	مارچ 99ء	عوامی اتحاد کی صدارت سے علیحدگی کا فیصلہ	3
302	نومبر 99ء	پاک فوج زندہ باد.....	4
311	جنوری 2000ء	ہر عہد ہر صدی میں نمایاں مرے حضور ﷺ	5
323	مئی 2000ء	آبی ذخائر میں کمی اور مادی ترقی.....	6
327	جون 2000ء	قریہ عشق مصطفیٰ ﷺ میں تلخیوں کا موسم	7
331	جولائی 2000ء	رواں صدی کی پہلی بڑی سائنسی کامیابی	8
333	جولائی 2000ء	جماعت اسلامی کے معمولات میں.....	9
335	جولائی 2000ء	فوج کا وقار بڑھتی ہوئی مہنگائی کی زد میں	10
335	دسمبر 2000ء	سال گذشتہ پر ایک نظر	11

